

شخصیت کا ارتقاء

PERSONALITY DEVELOPMENT

وہائٹ ڈاٹ پبلشرز

D-300 ابو الفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

ٹیلی فون: 26849817 فیکس: 26926285

WdP@sio.india.org

© وہاٹ ڈاٹ پبلشرز
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	شخصیت کا ارتقاء
باراول	:	جون ۲۰۰۲ء
باردوم	:	۲۰۱۲ء
بارسوم	:	۲۰۱۹ء
تعداد	:	۲۰۰۰
طباعت	:	
قیمت	:	۱۰۰/روپے

PERSONALITY DEVELOPMENT

Compiled by: WHITE DOT PUBLISHERS

Price: 100.00

ملنے کے پتے:

☆ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی - ۲۵

ناشر

وہاٹ ڈاٹ پبلشرز

D-300 ابو الفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

فہرست

سید سعادت اللہ حسینی	اپنی شخصیت کو پہچاننے
ایم اے بصیر	شخصیت ماہرین نفسیات کی نظر میں
عبداللہ ولی بخش قادری	شخصیت کے خاصے
صدر الدین اصلاحی	قرآن اور انسانی قوتیں، خواہشیں اور جذبات
ولی اللہ سعیدی فلاحی	شخصیت کی تعمیر میں مذہب اسلام کا رول
سید ابوالاعلیٰ مودودی	انسانی زندگی پر عقیدہ توحید کا اثر
محی الدین غازی	شخصیت دعاؤں کے آئینہ میں
ایاز احمد اصلاحی	سیکھنا شخصیت کے ارتقاء کی اہم بنیاد
سید سعادت اللہ حسینی	ذہانتی آزمائش اور شرح ذہانت
سعادت اللہ حسینی	حافظہ اور اس کی افزائش سید
ابوالکرم مشتاق اطہر	منصوبہ بندی کیا، کیوں اور کیسے؟
عرفان احمد	متوازن زندگی سید
ابوالکرم مشتاق اطہر	وقت کی تنظیم
سید سعادت اللہ حسینی	انتظام و انصرام کے بنیادی اصول
محمد عاصف الدین	قائدانہ اوصاف
شمشاد حسین فلاحی	خود اعتمادی کا میاب زندگی کی شاہ کلید

شمشاد حسین فلاحی
محمد بشیر جمعہ
شمشاد حسین فلاحی
محمد عبدالجلیل
شمشاد حسین فلاحی
شمشاد حسین فلاحی
شمشاد حسین فلاحی
سید سعادت اللہ حسینی
سید شجاعت اللہ حسینی
محمد امتیاز عالم
سید سعادت اللہ حسینی
حسن البناء شہیدؒ

ذہنی تناؤ و مقابلہ کیسے کریں؟
ناقابل تسخیر شخصیت کے تخلیقی عناصر
اجتماعیت بھی شخصیت کو نکھارتی ہے
بہتر تعلقات و روابط
گفتگو کا فن
فن خطابت
فن تحریر
کیسے کریں امتحان کی تیاری؟
اسٹڈی کے اہم اصول
سی وی Curriculum Vitae کی تیاری
انٹرویو کا میا بی آپ پر منحصر ہے
زاد و راحلہ

عرض ناشر

ماہنامہ رفیق منزل کا خصوصی شمارہ شخصیت کا ارتقاء نمبر ادارہ کے دیگر خصوصی شماروں کی طرح بے حد مقبول ہوا۔ اہل نظر نے اس کی پذیرائی کی اور نئی نسل نے اسے اپنی ضرورت کی بروقت اور بہتر تکمیل سمجھا۔

ادھر کافی دنوں سے شائقین کا مسلسل اصرار تھا کہ اسے کتابی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ اس سے مزید بھرپور اور تادیر استفادہ ہو سکے۔

شخصیت کے ارتقاء کے موضوع پر انگریزی اور ہندی میں بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے۔ مارکیٹ میں اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی مانگ بھی ہے۔ مشہور کتابوں کے اردو زبان میں تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کتابوں کا اور ان کے مصنفین کا اپنا نقطہ نظر ہے۔ جس میں مادہ کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے اور انسان کی حیثیت ایک فرماں بردار اور زیادہ پیداوار دینے والی مشین کی ہوتی ہے۔ اخلاقی اقدار اور انسانی رشتوں کی حیثیت ثانوی درجہ کی ہوتی ہے۔ روحانی ارتقاء کا تصور نا پیدا یا بہت دھندلا اور شخصیت کے عناصر میں مناسب تال میل اور توازن کا فقدان ہوتا ہے۔

ایسی صورت حال میں پرسنالٹی ڈیولپمنٹ اور شخصی ارتقاء کے موضوع پر وہ مقدار میں ایسے لٹریچر کی ضرورت ہے جو اسلامی اصولوں اور اخلاقی اقدار کو مرکزی حیثیت دے کر تصنیف کیا جائے۔

یہ مجموعہ مضامین بھی اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے پیش کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ سعی قبول فرمائے۔

اپنی شخصیت کو پہچانئے

انسانی زندگی میں یہ لحاظ کم ہی آتے ہیں کہ انسان خود اپنی عدالت قائم کرے، خود ہی ملزم ہو، اپنے ہی خلاف مقدمہ دائر کرے، خود ہی اس کے مختلف پہلوؤں پر صفائی پیش کرے، خود ہی جج ہو اور خود ہی مجرم ثابت کرے اور بعض اوقات خود کو بری بھی کر دے۔ یہ عدالت احساس کی عدالت ہے۔ اس عدالت کے ذریعہ انسان کو سزا یا جزا کے طور پر جو چیز ملتی ہے اس کا نام کامیابی ہے محمد بشیر جمعہ کا یہ فکر انگیزی قول شخصی تعمیر میں شخصیت کے جائزہ و احتساب کے عمل کی اہمیت کی وضاحت کرتا ہے۔ اپنی شخصیت کی پہچان اور اس کی صحیح معرفت شخصیت کے ارتقاء کی پہلی سیڑھی ہے اور اس طرح گویا کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔

انسانی شخصیت بری پیچیدہ ہوتی ہے۔ اس کے بے شمار پہلو اور ان گنت محاذ ہوتے ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی دو شخصیتیں مکمل طور پر یکساں نہیں ہو سکتیں۔ ہر شخصیت انسانی چہرہ کی طرح پانے آپ میں بالکل منفرد اور یکتا ہوتی ہے۔ اس کے پاس خوبیوں، اوصاف اور صلاحیتوں کا اپنا بالکل منفرد سیٹ ہوتا ہے۔

شخصیت کی یہ انفرادیت ہر انسان کو امکانات و مواقع کا ایک منفرد سیٹ عطا کرتی ہے۔ اس کے لیے مناسب رویوں اور اقدامات کا ایک واحد مجموعہ متعین کرتی ہے۔

دنیا میں کامیاب انسان وہی ہوتا ہے جو اپنی شخصیت کی اس انفرادیت کا صحیح شعور حاصل کر لیتا ہے۔ اپنی خوبیوں اور کمزوریوں کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور شخصیت کی اس

معرفت کے نتیجے میں کشمکش بھرپور اس دنیا کے اندر ان مواقع و امکانات کو دیکھ لیتا ہے جو فطرت نے اس کی مخصوص و منفرد ہئیکلیت کے لیے پیدا کر دیے ہیں اور اپنے رویوں اور اقدامات کو اپنے مخصوص شخصی اوصاف کے پیش نظر مناسب رخ دے دیتا ہے۔
تو آئیے۔ شخصی جائزہ کی اس اہمیت کے پیش نظر اپنی شخصیت کا پہچاننے اور اس کا صحیح شعور حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کی شخصیت بنیادی طور پر درج ذیل عوامل سے عبارت ہوتی ہے۔

۱۔ علم، ذہانت اور لیاقت

علم سے مراد آپ کی معلومات ہیں۔ یہ کسی مخصوص شعبہ علم سے بھی متعلق ہو سکتی ہیں اور عمومی بھی۔ کتابوں کے ذریعہ بھی حاصل کی جاسکتی ہیں اور عام مشاہدہ و تجربہ کے ذریعہ بھی۔ اس علم کی بھی شخصیت میں اہمیت ہے جو لائبریریوں، کالجوں اور سمیناروں میں حاصل کیا جاتا ہے اور اس علم کی بھی اہمیت ہے جو ایک ناخواندہ آدمی محض اپنے تجربہ اور روابط سے حاصل کرتا ہے۔
ذہانت احوال کو سمجھنے، حل کرنے، نئی نئی راہیں تلاش کرنے کی صلاحیت کا نام ہے۔ اس میں عام سوچ بوجھ بھی شامل ہے۔
لیاقت کا مطلب مخصوص صلاحیتیں ہیں۔ مثلاً ایک شخص کو ادب و شعر سے لگاؤ ہے۔ دوسرا مصوری و سنگ تراشی میں ماہر ہے، ایک شخص حساب میں ہوشیار ہے تو دوسرا سائنس میں۔ ایک کھیل کود کا ماہر ہے اور ایک کاروباری معاملات کا۔ ذہانت انسان کی مخصوص لیاقت یا صلاحیت میں ہی زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔

۲۔ مزاج

ملنسار، چڑچڑاپن، سنجیدگی، ہیجان، جوشیلاپن، مستقل مزاجی، ضبط، صبر وغیرہ جیسے اوصاف آپ کے مزاج کو ظاہر کرتے ہیں۔ مزاج پر موروثی عوامل بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور زندگی کے تجربات بھی۔ بعض وقتی حالات بھی کبھی عارضی طور پر اور کبھی مستقل طور پر متاثر کرتے

ہیں۔ انسان کی جسمانی صحت بھی مزاج بنانے اور بگاڑنے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔
مزاج کوئی مستقل چیز نہیں یہ تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔

۳۔ عقائد و رویے

عقائد و رویوں کا بھی انسانی شخصیت میں بڑا اہم رول ہوتا ہے۔ عام طور پر مذہبی عقائد چوں کہ زندگی کے محدود گوشوں سے بحث کرتے ہیں۔ اس لیے عقائد و رویوں میں مذہبی عقائد کے علاوہ رجحانات، نظریات، اقدار اور فلسفہ زندگی کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کے عقائد وسیع و ہمہ گیر ہیں اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہیں۔ اس لیے اس عقیدہ کا اثر بھی وسیع اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔

۴۔ جذبات اور اقدار

آرزوئیں اور تمنائیں، آپ کے خواب اور آپ کی حسرتیں، رشتے و تعلقات اور مختلف واقعات و حادثات کے نتیجے میں پیدا جذبات (مثلاً جذبہ تشدد، جذبہ انتقام، جذبہ ہمدردی وغیرہ) آپ کی شخصیت کو بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔
شخصیت کی اس بنیادی تشریح کے بعد آئیے اب اپنی شخصیت کو سمجھنے کی عملی کوششوں کا آغاز کریں اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل طریقوں کو اختیار کیجیے۔
۱۔ اپنی ذہانت کو سمجھئے:

I.Q دریافت کرنے کی کوشش کیجیے۔ ذہانت اور I.Q سے متعلق تفصیلات اگلے مضامین میں آرہی ہیں۔

۲۔ اپنی معلومات کا یا علم کا صحیح اندازہ قائم کیجیے۔

علم کا اندازہ آپ کی ڈگری سے نہیں ہوگا بلکہ ان معلومات سے ہوگا جن کے استعمال پر آپ قادر ہیں۔ درج ذیل سوالات کے جوابات آپ کی معلومات کا آئینہ آپ کو دکھائیں گے۔
(الف) کالج یا اسکول میں اب تک آپ نے جو کچھ پڑھا ہے اس کا کتنا حصہ آپ کے ذہن

- میں محفوظ ہے؟ کیا آپ کتاب کی مدد سے یا اس کے بغیر یہ سارا مواد دوسروں کو پڑھا سکتے ہیں؟ کیا اپنی عملی زندگی میں اس مواد کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اور رائے قائم کرنے یا فیصلہ کرنے کے عمل میں اس کا استعمال کر سکتے ہیں؟
- (ب) اپنے متعلقہ موضوعات کے علاوہ دیگر موضوعات پر آپ کی معلومات کا کیا عالم ہے؟
- (ج) جنرل ناٹج یا Current Affairs کے مختلف Tests میں آپ کتنا اسکور کر لیتے ہیں؟
- (د) اپنے گرد و پیش اور شہر کی کتنی معلومات آپ کو ہیں؟ اپنی City Directory کا کتنا مفید حصہ اس کے مطالعہ سے پہلے آپ کے علم میں تھا؟
- (ه) عملی زندگی میں جن معاملات سے آپ کو سابقہ درپیش ہے کیا اس کا مکمل علم آپ کو ہے؟ اس علم کے معاملہ میں اپنے رفقاء کار کے بالمقابل آپ کی کیا پوزیشن ہے؟
- (و) اپنے دین کی کتنی معلومات آپ رکھتے ہیں۔ کیا آپ اسلام کے حلال و حرام سے واقف ہیں؟ قرآن، حدیث، سیرت اور فقہ کی کتنی معلومات ہیں؟ وغیرہ۔

۳۔ اپنی اہم صلاحیتوں کو پہچانئے

جن کاموں کی طرف آپ فطری رغبت یا رجحان محسوس کرتے ہیں، ان کے سلسلہ میں مشق کر کے اندازہ لگائیے کہ متعلقہ کام میں آپ کتنی لیاقت رکھتے ہیں؟ جن کاموں کو انجام دیتے ہوئے آپ خوشی اور اطمینان محسوس کرتے ہیں انہیں نوٹ کیجیے۔ آدمی کی صلاحیتوں کا رخ جن کاموں کی طرف ہوتا ہے ان کی انجام دہی بالعموم اس کے لیے خوشی و طمانیت کا باعث ہوتی ہے۔

۴۔ اپنی کمزوریوں اور خوبیوں کو نوٹ کیجیے

ان کا چارٹ بنائیے۔ اس سلسلہ میں اپنے اہم تجربات کو یاد کیجیے۔ ان کا بے لاگ تجزیہ کیجیے۔ اپنے اہم کامیابیوں کا تصور کیجیے اور نوٹ کیجیے کہ ان کامیابیوں میں آپ کی کون سی خوبیاں مددگار بنیں؟ اپنی اہم ناکامیوں کا تصور کیجیے اور نوٹ کیجیے کہ آپ کی کون سی کمزوریاں اس

کے لیے ذمہ دار ہیں۔ اپنے بارے میں دوسروں کی رائے جاننے کی کوشش کیجیے۔ ہر رائے پر فوری یقین مت کر لیجیے۔ لیکن اگر ایک سے زائد افراد آپ کے بارے میں کوئی رائے رکھتے ہوں، یا کوئی نہایت ذمہ دار یا قابل اعتماد فرد کسی رائے کا اظہار کرتا ہے تو اس کو سنجیدگی سے لیجیے۔ ار مناسب تجزیہ کے ذریعہ اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کیجیے۔

۵۔ بعض اہم خصائص کے سلسلہ میں اپنی کیفیت کو مناسب پیمانوں کے ذریعہ متعین کیجیے۔ اور ان خصائص کے سلسلہ میں اپنی کیفیات کا واضح ادراک کیجیے۔ چند مثالیں درج کی جا رہی ہیں۔

خصوصیت: پیش قدمی (Initiative)

ممکنہ کیفیات یا پیمانے

- (الف) بغیر کسی کے کہے میں اپنا کام اپنے ارادہ اور منصوبہ کے تحت مکمل کرتا ہوں۔
- (ب) اگر کوئی کہتا ہے تو کام زیادہ اور تیز ہوتا ہے۔
- (ج) عام طور پر کسی کے کہنے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔
- (د) کبھی خود کام کر لیتا ہوں اور کبھی دوسروں کے کہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔
- (ه) ہمیشہ چوکوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

خصوصیت: راہ نمائی (Leadership)

ممکنہ کیفیات

- (الف) لیڈر بننے کی شدید آرزو ہے۔
- (ب) اکثر گروپ میں لیڈر کی حیثیت سے ابھر جاتا ہوں۔
- (ج) کبھی کبھی لیڈر کی حیثیت سے ابھر جاتا ہوں۔
- (د) ہمیشہ دوسروں کی پیروی و اقتدا کرتا ہوں۔

(ہ) خصوصیت: سماجی رویہ (Social Attitude)

مکملہ کیفیات

(الف) دوسروں کی خاطر ہمیشہ قربانی دینے کے لیے تیار رہتا ہوں اور ہر ایک کے کام آتا ہوں۔

(ب) اپنے ساتھ دوسروں کا بھی لحاظ کرتا ہوں۔

(ج) روابط تو رکھتا ہوں لیکن عام اور سادہ

(د) خود میں گم ہوں۔ دوسروں میں کم دلچسپی رہتی ہے۔

(ہ) اکثر لوگ میرے دشمن ہیں۔ کوئی میرا دوست نہیں۔

اس طرح اگر آپ اپنے خصائص کے بارے میں کوئی حقیقت پسندانہ رائے قائم کریں گے تو عملی زندگی میں صحیح رویوں کا تعین کر سکیں گے۔

۶۔ اپنے کام کے طریقہ اور اسٹائل اور زندگی کے سلسلہ میں اپنے اپروچ کو سمجھیے۔ بیشک آپ ہر طریقہ سے کام کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنے فطری طریقہ کار کو آپ اختیار کریں گے تو کام سہل اور مسرت بخش ہو جائے گا۔ بائیں ہاتھ سے بھی لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں لکھنے کا عمل دشوار، مشقت سے پر اور نہایت تکلیف دہ ہو جائے گا۔ اس کے بجائے اپنے فطری رجحان کے مطابق آپ سیدھے ہاتھ سے لکھیں گے تو یہ عمل نہایت آسان اور سہل ثابت ہوگا۔ اپنے فطری طریقہ کار اور اسٹائل کے مطابق کام کرنے میں سہولت کا یہ اصول زندگی کے تمام معاملات میں صادق آتا ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل چار چیزیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

(الف) زندگی کے عام معاملات میں آپ کا رد عمل کیسا ہوتا ہے۔ منظم اور سوچا سمجھا یا وقتی اور فوری۔

(ب) آپ غور کیجیے کہ آپ کے لیے درج ذیل میں سے کون سا بیان درست ہے:

☆ میں تمام امور کو منظم دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ جو کچھ میں کر رہا ہوں یا کرنے جا رہا ہوں اس کو جانوں اور سمجھوں۔

☆ میرے ذہن میں جب جو کام آئے میں کر گزرتا ہوں۔ ترتیب اور تنظیم کے ساتھ کاموں کو انجام دینا میرے لیے دشوار ہے۔

اگر پہلا بیان صحیح ہے تو آپ کو میٹنگوں، پلاننگ، شیڈولنگ وغیرہ چیزوں سے عبارت ماحول میں کام کرنا چاہیے۔ اگر کوئی غیر متوقع صورت حال پیش آجائے اور اس کے نتیجے میں کوئی ڈرامائی تبدیلی واقع ہو جائے تو اس کا مقابلہ کرتے ہوئے آپ پریشان ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ ایسے ماحول کو منتخب کریں جہاں ایک ڈگر پر ترتیب کے ساتھ کام انجام دیا جاسکتا ہے اور جہاں ہر چیز پہلے سے طے شدہ اور Routine ہو۔

اس کے برخلاف اگر دوسرا بیان درست ہو تو میٹنگوں، پلاننگ، وغیرہ سے آپ کو وحشت ہوگی اور آپ کو زیادہ لچکدار کام کا ماحول اختیار کرنا چاہیے۔ جہاں کام لچکدار ہوں۔ کسی ایک مخصوص ڈگر پر نہ ہوں۔ ایسے ماحول میں کام جہاں ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے اور کاموں کی حیثیت روٹین کی ہوتی ہے۔ آپ کے لیے نامناسب ہے۔

(ب) آپ فیصلے کس طرح لیتے ہیں؟ بتائیے کون سا بیان درست ہے؟

(۱) میرا اپنا اپروچ غیر جانبدارانہ اور غیر جذباتی ہوتا ہے اور مکمل طور پر منطق اور دلائل پر منحصر ہوتا ہے۔

(۲) میں دوسروں کے جذبات و احساسات کا خیال رکھتے ہوئے ہمدردانہ اپروچ کو ترجیح دیتا ہوں۔

اگر پہلی بات درست ہے تو آپ ایسے ماحول میں خوش رہ سکتے ہیں جہاں Objectivity کو اہمیت دی جاتی ہے اور اعداد و شمار اور معلومات کے تجزیہ و تحقیق سے بحث ہوتی ہے۔ اور اگر دوسرا بیان درست ہے تو آپ کو ایسی ماحول میں کام کرنا چاہیے جہاں انسانی رشتوں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اور لوگوں سے تعلقات اور ان کو مشورہ دینے کا کام ہوتا ہے۔

(ج) جب آپ اپنی توانائی کو جمع کرنا چاہتے ہیں اور دوبارہ تروتازہ ہونا چاہتے ہیں تو بتائیے آپ کیا اقام کرتے ہیں؟

(۱) میں ایسے کام پسند کرتا ہوں جس میں دیگر افراد بھی شامل ہوں۔ مثلاً کوئی پارٹی اٹینڈ کرنا، دوستوں کے ہاں جانا وغیرہ۔

(۲) میں پانے آپ پر وقت صرف کرتا ہوں۔ جیسے موسیقی سننا، مطالعہ کرنا وغیرہ۔ اگر پہلی بات درست ہے تو آپ کو زیادہ عوامی کام منتخب کرنا چاہیے۔ جہاں لوگوں سے مستقل آپ کا تعلق قائم رہے۔ اور اگر دوسری بات درست ہے تو آپ کو ایسا ماحول منتخب کرنا چاہیے جہاں لوگ آپ کو ڈسٹرب نہ کرتے ہوں۔

یہ محض مثالیں ہیں۔ اس طرح آپ مختلف امور کے سلسلہ میں اپنے مزاج کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اور ایسا کام منتخب کر سکتے ہیں جس میں آپ کے لیے کامیابی کے زیادہ امکانات ہوں۔

(۷) اپنی عادات کا صحیح شعور حاصل کیجیے۔ اچھی عادتوں اور بری عادتوں کی لسٹ بنائیے۔ اور ان عادتوں کے فوائد و نقصانات کا اندازہ لگائیے۔ یہ تجزیہ اپنی شخصیت کو پہچاننے میں آپ کی بہت مدد کرے گا۔

مثلاً مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) آپ دن کا کتنا حصہ کام میں صرف کرتے ہیں؟ کسی کام کو کتنی تیزی اور مستعدی سے آپ انجام دے دیتے ہیں؟ (کاہلی/چستی)

(۲) کیا آپ ہمیشہ مسکراتے رہتے ہیں؟ یا توری چڑھائے رہتے ہیں؟

(۳) کسی خلاف طبع بات پر آپ کیا فوری جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یا باشاشت کے ساتھ معاملہ سے نبتے ہیں؟

(۴) کیا آپ کا لباس باوقار ہوتا ہے؟ یا بچکانہ یا بد وضع ہوتا ہے؟

(۵) آپ کا روم سلیقہ سے سجا ہوتا ہے؟ یا نہایت بے ترتیب اور منتشر ہوتا ہے؟

(۶) کیا آپ کو روز غسل کرنے سے دلچسپی ہے؟ یا نہانے سے آپ کو وحشت ہوتی ہے؟

(۷) کیا آپ ہمیشہ سر جھکائے رہتے ہیں؟

اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر وہ عادت جو کسی دوسرے کے اندر دیکھ کر آپ کو افسوس ہوتا ہے اس کے سلسلہ میں خود سے سوال کیجئے کہ کیا یہ چیز میرے اندر بھی پائی جاتی ہے؟ نیز ہر وہ عادت جس پر کسی نے آپ کے سمانے تنقید کی ہے اس کے سلسلہ میں فوری اپنا جائزہ لیجئے۔

(۸) ایک چارٹ بنائیے جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات ترتیب سے لکھی ہوں۔ ان کے سلسلہ میں اپنے رویہ پر غور کیجئے۔ اپنے قریبی ساتھیوں کی کیفیات نوٹ کیجئے اور ان کا مقابلہ کرتے ہوئے ان اوصاف کے سلسلہ میں خود کو A (برائے عمدہ)، B (برائے اوسط)، C (برائے اصلاح طلب) درجے دیجئے۔

اسی طرح ان اچھی اور بری خصوصیات کے سلسلہ میں اپنے ساتھیوں، والدین، بیوی اور بزرگوں و اساتذہ سے پوچھیے کہ وہ آپ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ ان کی آراء کی بنیاد پر بھی ایک دوسرے جدول میں A, B, C گریڈ لکھئے۔ یہ چارٹ آپ کی شخصیت کا ایک عمدہ آئینہ ہوگا۔

مثبت خصوصیات

دینداری ارتقوی، مطالعہ، اعتدال و میانہ روی، خاموشی، نظم و ضبط، عزم و ہمت، قوت ارادی، مستقل مزاجی، کیفیات شعاری، مشقت، سنجیدگی و بردباری، انکساری، عدل و انصاف، محنت، وقار، اطمینان، اعتماد، متانت، صفائی، خوش اخلاقی، چستی و مستعدی، یقین، امید، سچائی، وفا، اعتدال، رواداری، فیاضی، محبت، گرمجوشی، اچھی گفتگو، خوش بیانی، مقصدیت، ہمت، فراست، مشاہدہ، پیش قدمی، توجہ و یکسوئی، بزرگوں کا احترام، مثبت رویہ، اصابت رائے، تنظیم و منصوبہ بندی وغیرہ۔

منفی خصوصیات

گناہ، کھلنڈراپن، بچکانہ پن، بے اعتدالی، باتونی پن، مستراپن، سستی، گندگی،

جھنجھلاہٹ، غصہ، بے اعتمادی، غیر مستقل مزاجی، فضول خرچی، آرام طلبی، غرور و تکبر، انا، نا انصافی، تعصب، خود غرضی، کنجوسی، سرد مہری، بھونڈی گفتگو، ناشائستہ زبان، بے یقینی، مایوسی، بے وفائی، بے مقصدیت، کند ذہنی، ہلکا پن، شک، خوف، حسد، شدت، حیلہ جوئی، تذبذب، لاپرواہی، غیر فعالیت وغیرہ۔

(۹) شخصیت کی پیمائش کے طریقوں میں عام طور پر شخصیتوں کی مندرجہ ذیل خانوں میں درجہ بندی کی جاتی ہے۔ اپنی خصوصیات کا جائزہ لے کر دیکھیے کہ آپ کس درجہ سے متعلق ہیں۔

درجہ	خصوصیات	مناسب شعبہ حیات
۱۔ کارکن یا ورکر کلاس	کامن سینس کم ہوتا ہے۔ پڑھنے لکھنے میں بہت کمزور ہوتے ہیں۔ ذہن اور عقل کا استعمال کم کرتے ہیں۔ سخت محنت اور جسمانی تگ و دو کر سکتے ہیں۔ مضبوط جسم کے مالک ہوتے ہیں۔ سخت سے سخت حالات (موسم وغیرہ) کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔	محنت مزدوری اور جسمانی مشقت کے ایسے کام جن میں دماغ کا استعمال کم ہوتا ہے اور صرف جسمانی محنت سے کام نکل جاتے ہیں
۲۔ ٹیکنیکل و کاروباری	اعلیٰ درجہ کی ذہنی صلاحیتیں نہیں ہوتیں۔ لیکن ٹیکنیکل صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ کامن سینس اچھا ہوتا ہے۔ مطالعہ اور پڑھنے لکھنے سے زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی۔ چیزوں کے بنانے اور درست کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ گھر کا فیوز خود لگائیں گے۔ پنکھا، استری خود درست کریں گے۔ گاڑی خود بنا لیں گے۔ لوگوں سے تعلق و روابط	چھوٹا کاروبار و تجارت اور دوسرے و تیسرے درجہ کی ٹیکنیکل خدمات (مثلاً بڑھئی، مستری، موٹر میکا نک، الیکٹریشن وغیرہ)

	میں دلچسپی ہوتی ہے۔ خوش مزاج اور ملنسار ہوتے ہیں۔	
۳۔ آرٹسٹک	لطیف ذوق رکھتے ہیں۔ ذہنی صلاحیتیں عمدہ ہوتی ہیں۔ فطرت اور فطری مناظر سے محبت ہوتی ہے۔ حسن اور حسین چیزیں چاہے جہاں بھی ہیں لہاتی ہیں۔ اپنے میں منہمک ہوتے ہیں۔ زیادہ سماجی روابط اور تعلقات پسند نہیں کرتے۔	آرٹ اور فنون لطیفہ، ادب، شاعری اور تخلیقی صلاحیتوں سے متعلق تمام میدان۔
۴۔ عملی	اعلیٰ درجہ کی ذہنی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ لوگوں سے روابط و تعلقات بھی ہوتے ہیں۔ خوش مزاج ہوتے ہیں۔ لیکن زیادہ باتیں کرنا پسند نہیں کرتے۔ معتدل مزاج ہوتے ہیں۔ بہت زیادہ جذبات نہیں ہوتے۔	بڑے کاروبار اور اونچی قیادتیں نیز اونچے فنی شعبہ حیات (مثلاً انجینئر، ڈاکٹر، سائنسٹ وغیرہ) جہاں علمی و عملی دونوں صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں۔
۵۔ علمی	بہت اونچی ذہنی صلاحیتیں، پڑھنے لکھنے میں انتہائی انہماک، عملہ مسائل سے کم دلچسپی، لوگوں سے روابط و تعلقات کی کمی، کسی حد تک مردم بیزار۔	اعلیٰ علمی میدان، ریسرچ، تحقیق، فکر و دانش اور اونچی سائنسی خدمات۔

۱۰۔ قرآن مجید علم و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ یہ ہمارے سامنے ہمارے اوصاف کا بھی آئینہ پیش کرتا ہے۔ جب قرآن پڑھیں تو اپنی شخصیت کا جائزہ لیتے رہیں۔ قرآن جن اوصاف اور جذبات کی ستائش کرتا ہے انہیں پڑھتے ہوئے اپنی شخصیت پر نظر رکھیں۔ اور دیکھیں کہ یہ اوصاف کس حد تک آپ کے اندر پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جن

چیزوں کی قرآن مذمت کرتا ہے اور ان سے بچنے کی تاکید کرتا ہے، ان کے سلسلہ میں یہ جائزہ لیتے رہیں کہ کیا آپ کی شخصیت ان سے مکمل طور پر پاک ہے۔ اور اگر نہیں ہے تو یہ منفی صفات کس درجہ میں آپ کے اندر پائی جاتی ہیں؟

اسی طرح قرآن بہت سے اچھے اور بری کردار ان کی خصوصیات کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ان کرداروں سے اپنا موازنہ کریں اور ٹھہر ٹھہر کر اپنی شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے قرآن پڑھیں۔

۱۱۔ اسی طرح تاریخ کی بلند پایہ شخصیات کی سوانح ہائے حیات پڑھیں۔ اور ان کے کردار سے اپنا موازنہ کریں۔ ہر اس خصوصیت کے سلسلے میں جو ان کی کامیابی کا باعث بنی دیکھیں کہ وہ آپ کے اندر کتنی پائی جاتی ہے؟

حضرت محمد ﷺ کی شخصیت تو مکمل خیر کا سرچشمہ اور ہر اچھائی اور بھلائی کا مرکز تھی۔ آپ ﷺ کی سیرت کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لیں۔

اسی طرح بعد کی بلند شخصیات، خصوصاً وہ شخصیات جو ہماری عصر یا ہم سے قریب کے دور میں گزری ہیں آپ کی اپنی شخصیت کے تجزیہ کے لیے ایک بنیاد کا کام دے سکتی ہیں۔

۱۲۔ یہاں محض چند ایسے عملی مشورے دیے گئے ہیں جو عام طالب علم کے کام آسکیں۔ شخصیت کا تجزیہ ہمارے دور میں ایک فن بن چکا ہے۔ اور خالص فنی بنیادوں پر تجزیہ شخصیت کے کئی سائنسی طریقے ایجاد ہو چکے ہیں۔

ہمارا مشورہ ہے کہ ہمارے طالب علم دوست کسی اچھے کنسلٹنٹ (Consultant) سے اپنے رجحان کا امتحان (Aptitude Test) کرائیں۔ اس ٹیسٹ سے انہیں کیریئر، اسٹڈی کے طور طریقوں اور عملی زندگی کے دیگر پہلوؤں سے متعلق فیصلوں میں مدد ملے گی۔

شخصیت کی جانچ کے ٹیسٹ

شخصیت کو جانچنے کے لیے ماہرین نے بہت سے ٹیسٹ وضع کیے ہیں۔ ہمارے خیال

میں ان میں سب سے معیاری ٹیسٹ برکلی کا ٹیسٹ (Berkley Personality Profile) ہے۔ اس ٹیسٹ میں شخصیت کے مندرجہ ذیل پانچ پہلوؤں کی جانچ کی جاتی ہے:

- (۱) اظہار کا انداز (Expression Style): آیا آپ خارج ہیں (Extrovert) ہیں یا داخل ہیں (Introvert) ہیں۔
- (۲) شخصی روابط کا انداز (Interpersonal Skills): آیا آپ لوگوں کے سلسلہ میں بالکل لاتعلق (Inconsiderate) ہیں یا بہت زیادہ ہمدرد اور کام آنے والے؟
- (۳) کام کا انداز: آیا آپ لاپرواہ ہیں یا بہت زیادہ لگن اور سپردگی کے ساتھ کام کرنے والے۔

(۴) جذبات: آیا آپ جذباتی لحاظ سے حساس ہیں یا غیر جذباتی؟

(۵) ذہن: آیا آپ روایت پسند ہیں یا جدت و تنوع پسند۔

مندرجہ ذیل ویب سائٹس پر آپ اپنی شخصیت کا مفت ٹیسٹ کر سکتے ہیں:

- (1) www.keirsey.com/index.html
- (2) www.queendom.com/tests
- (3) od-online.com/webpage/intro.html

علاوہ ازیں درج ذیل عام فہم Guides کے ذریعہ بھی ہم اپنی شخصیت کا خود تجزیہ

کر سکتے ہیں۔

- (1) Self Analysis by L.Ron. Hubbard Pustak Mahal Delhi.
- (2) Chesc your personality. Sudha Publication Delhi.

☆☆☆

شخصیت — ماہرین نفسیات کی نظر میں

Personality – Different View Points

شخصیت ایک جانی پہچانی اصطلاح ہے لیکن اس کی مکمل تشریح بہت مشکل ہے۔ مختلف لوگ مختلف مفہوم لیتے ہیں۔ کچھ لوگ شخصیت کو محض ظاہری شکل و صورت اور جسامت کے سلسلے میں استعمال کرتے ہیں اور کچھ لوگ شخصیت کو اچھی یا بری سیرت کے اظہار کے لیے آسان اصطلاح سمجھتے ہیں۔ بعض اوقات مزاج یا جذباتی خصوصیات کے اعتبار سے ہم کسی کو بے رحم، غصہ ور اور جذباتی کہتے ہیں اور اسے ہی شخصیت قرار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شخصیت ایک نہایت وسیع اصطلاح ہے۔ اس کے دائرے میں کسی شخص کی تمام جسمانی اور ذہنی خصوصیات شامل ہوتی ہے۔ شکل، صورت، جسم، دماغ، تمام اعضاء، احساسات، جذبات، تمام دلچسپیاں، رجحانات، ذہانت، غور و فکر، اکتساب غرض کہ انسان کی تمام خصوصیات شخصیت کو جزو ہوتی ہیں۔ ان خصوصیات میں وہ بھی ہوتی ہیں جو ہمیں ورثہ میں ملی ہیں اور وہ بھی جنہیں ہم نے حاصل کیا ہے۔

شخصیت کی ایک عام لیکن مکمل تشریح اس طرح کی جاتی ہے کہ شخصیت انسان کی مجموعی خصوصیات کا نام ہے۔“

Personality لاطینی زبان کے لفظ Persona سے ماخوذ ہے جس کے معنی نقاب کے ہیں جو کہ اداکار اسٹیج پر پہنچتے ہیں۔ یعنی شخصیت وہ ہے جو دوسروں کو نظر آئے، وہ کردار جو ہم عام زندگی میں ادا کرتے ہیں۔ شخصی صلاحیتوں کا مجموعہ جو کسی آدمی کو کسی کام کے لیے موزوں بنائے۔

اس طرح شخصیت کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک ظاہر، دوسرا باطن۔ ظاہر وہ ہے جو دوسروں کو نظر آئے۔ اور باطن وہ ہے جس سے ہم خود آگاہ ہوں۔ شخصیت کو ہم جسمانی اور ذہنی خصوصیات کی وحدت بھی کہہ سکتے ہیں۔ شخصیت ایک وحدت ہے۔ اس میں مماثل اور متضاد صفات شامل ہوتی ہیں۔ ان صفات کی وجہ سے ایک کردار بنتا ہے۔

شخصیت جامد وساکن نہیں ہوتی بلکہ زندہ اور ہمیشہ فعال ہوتی ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ افراد کی دلچسپیوں، محرکات، رجحانات، عادات، اقدار اور جذبات سے ہونی والی تبدیلی سے شخصیت میں تغیر واقع ہوتا ہے۔

شخصیت فرد کی ذات سے وابستہ ہوتی ہے۔ ہونے والے تغیر و تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس میں ایک تسلسل بھی پایا جاتا ہے۔ جس سے کسی شخص کو پہچانا جاسکتا ہے۔ شخصیت کا بنیادی مفہوم انفرادیت سے عبارت ہے۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد، ایک ہی ماحول میں پرورش پائے ہوئے بچے، ایک ہی پیشہ سے متعلق لوگ اپنے اندر ایک انفرادیت رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر شخص ایک واضح اور جداگانہ شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔

شخصیت کی تشکیل میں ارث یعنی Geredity اور ماحول (Environment) یہ دو بنیادی عناصر کارفرما ہوتے ہیں۔

ماحول + ارث = شخصیت

والدین سے ملنے والی صفات پر ہماری زندگی کی بنیاد ہے۔ مناسب ماحول میں اگر یہ صفات پوران چڑھتی ہیں تبھی بہتر شخصیت کی تعمیر ممکن ہے۔ شرافت، ایمان داری، بہادری، جیسی صفات محض ارث میں نہیں ملتیں بلکہ یہ برسہا برس کی محنت، تعلیم و تربیت، ماحول اور محاسبہ نفس کی وجہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ غرض ارث اور ماحول سے مل کر اور ان کے باہمی عمل اور رد عمل کے نتیجہ میں ہماری شخصیت بنتی ہے۔ اسے ایک مثال کے ذریعہ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بیج ایک زرخیز زمین، پانی، کھاد اور روشنی میں زندہ رہتا ہے اور نشوونما پا کر درخت بن جاتا ہے۔ اگر بیج اچھا ہے اور زمین خراب ہے تو بیج پروان نہ چڑھ سکے گا۔ اور اگر بیج خراب ہے اور زمین اچھی ہے

تب بھی اس کی نشوونما نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے صحت مند شخصیت کی تشکیل کے لیے صحت مند معاشرہ لازمی ہے۔

مادہ پرستی کے اس جدید دور میں کسی فرد کی شخصیت پر ہونے والے اثرات کا ہم بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

گورڈن ڈبلیو ایپورٹ (G.W. Allport) نے اپنی کتاب پر سٹاپی میں شخصیت کی بے شمار تعریفوں کا احاطہ کیا ہے۔

(۱) واٹسن (Wstson) کے نزدیک ”شخصیت ہمارے عاداتی نظام کا نتیجہ ہے جس کا مطالعہ کردار کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔“

چونکہ واٹسن کے نزدیک کردار کی اہمیت تھی لہذا اس نے ذہنی کیفیات و اعمال سے چشم پوشی کی۔

(۲) ایپورٹ (Allport) کے مطابق شخصیت فرد کے عادات و اطوار اور اوصاف کا وہ نمونہ ہے جو ماحول سے مطابقت کا تعین کرتا ہے۔

(۳) ووڈورتھ (Woodworth) کے مطابق شخصیت ہمارے اوصاف کی کلی تنظیم ہے۔ وہ اسے کردار کی مخصوص صفت بھی کہتا ہے۔

(۴) فرائڈ (Freud) جنس اور لاشعور پر زور دیتا ہے۔

(۵) Barnes کے یہاں شخصیت سماجی تنظیم کا نتیجہ ہوتی ہے۔

فرائڈ کا نظریہ

شخصیت کے مطالعہ میں جدید نفسیاتی نظریات کی فہرست میں یہ سرفہرست ہے۔ فرائڈ نے شخصیت کے نظریہ میں جنس (Sex) اور لاشعور پر زیادہ زور دیا ہے۔ اس کے مطابق انسانی ذہن کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

Id (الف)

اس سے مراد وہ لاشعوری قوت ہے جو کہ ہماری تمام صلاحیتوں، قوتوں اور ضرورتوں کا

سرچشمہ ہے۔ اس میں جبلتیں، اضطرابی حرکات، جنسی آرزوئیں پرورش پاتی ہیں۔ یہاں عقل و شعور کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

(ب) Ego

یہ شخصیت کی دوسری منزل ہے جس میں انا کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ انسان انفرادیت پسند ہوتا ہے۔ انا انسان کی خواہشات، آرزوؤں، افعال اور کیفیات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں کہ انفرادی اور معاشرتی کردار کی بنیادیں رکھی جاتی ہیں۔ اور خواہشات کو حالات کے تحت پورا کیا جاتا ہے۔ عموماً یہ مرحلہ سن بلوغت کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔

(ج) Super Ego

شخصیت کی یہ تیسری منزل ضمیر ہے جو انا کو قابو میں رکھتا ہے۔ اس میں ہماری اقدار ہوتی ہیں جو کہ ہمیں نیک و بد کی تمیز سکھاتی ہیں اور ہمیں برے کاموں سے روکتی ہیں۔ یہ عقل و شعور کی انتہائی منزل ہے۔ یہ ایک طرح سے سماجی شعور بھی ہے۔ ضمیر معاشرتی اصولوں سے بنتا ہے۔ اور اس میں تعلیم و تربیت، تجربہ اور آموزش کا دخل ہوتا ہے۔ ہمارا معاشرتی کردار گھر اور باہر کے ماحول سے مل کر بنتا ہے۔

شخصیت کی تشریح میں فروئڈ کے نظریہ کی سب سے بری خرابی یہ ہے کہ وہ صرف جنسی رویہ کے گرد گھومتا ہے حالانکہ اس میں صرف جنسی آرزو کا دخل نہیں ہوتا بلکہ تمام طرح کی خواہشات اور معاملات سے سابقہ پڑتا ہے۔ شخصیت کی نشوونما میں ان تینوں منازل کا پتہ چلتا ہے اور ان کے تعاون و تصادم کا وجود ملتا ہے۔ یعنی Id جو کہ صف لذت کی متلاشی ہوتی ہے کبھی انا کو اپنے قابو میں کر لیتی ہے اور اس طرح ہم سے برے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر انا Id کو قابو میں کرتی ہے اور ہم بہت سے جذبات کی فوری تسکیم کو روکتے ہیں اور ان پر قابو پاتے ہیں۔

فرائڈ کے نظریہ Neo Freudians کو قبول نہ کرنے والے ماہرین نفسیات نے شخصیت کی تفہیم و تشریح کے لیے متبادل نظریات دیے ہیں۔

(۱) ینگ کا نظریہ

ینگ Young نے شخصیت کو دو خانوں میں بانٹا ہے۔ بیرون ہیں Extrovert اور اندرون ہیں Introvert۔ ینگ کے مطابق بیرون میں خارجی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسا فرد جو بیرونی مصروفیات مثلاً کھیل کود، تفریح، تقریبات، محفلوں، دوست و احباب میں دلچسپی لیتا ہے، ہنس مکھ، ملنسار، باتونی، آزاد خیال، حقیقی دنیا میں رہنے والا ہوتا ہے۔ اس فرد کی زندگی ہنگاموں پر موقوف ہوتی ہے۔ وہ سیماب صفت ہوتا ہے۔ اس سے عزیز واقرباء فیض اٹھاتے ہیں۔ اس سے سماج، قوم اور ملک کی تعمیر میں مدد ملتی ہے۔

اندرون ہیں (Introvert) کے بارے میں ینگ کے خیالات ہیں کہ وہ جو اپنی دنیا میں لگن رہتا ہے۔ خاموش، ہنگاموں سے دور، فلسفی، دل میں ہزاروں آرزوؤں اور تمناؤں کو چھپائے ہوئے۔ یہ بہت ہی کم اپنی ذہنی گکھا سے باہر آتا ہے۔ دوست احباب سے یا تو تعلق ہی نہیں ہوتا یا دائرہ بہت ہی محدود ہوتا ہے۔ زندگی کو ہمیشہ مصیبت سمجھتا ہے۔ اندرون بینی اور بیرون بینی کی حدیں کہاں سے شروع اور کہاں ختم ہوتی ہیں یہ کہنا مشکل ہے۔ دونوں میں توازن کا ہونا ہی مشکل ہے۔

وسط ہیں (Ambivert) جو کہ دونوں جہاں کے مزے لوٹتا ہے کچھ دیر اپنی دنیا میں گم رہتا ہے، کچھ دیر باہر کا نظارہ کرتا ہے۔ کبھی دوستوں کی ہنگامہ آرائیوں سے لطف اٹھاتا ہے۔ تو کبھی تنہا ہی رہتا ہے۔ میانہ روی اختیار کرتے ہوئے زندگی گزارتا ہے۔ وسط بینی ہی ایک واحد قسم ہو سکتی ہے جسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

(۲) ایڈلر (Alfred Adler) کا نظریہ

ایڈلر نے جنس کے بجائے احساس برتری (Superiority Complex) کو شخصیت کی بنیاد بتایا ہے۔ اس کے خیال میں ہر بچہ زیادہ سے زیادہ محبت اور توجہ کا بھوکا ہوتا ہے۔ اور اپنی ہر خواہش اور ضد کو پوری کرنا چاہتا ہے۔ یہ سب احساس برتری کی وجہ سے

ہوتا ہے لیکن اس کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی جس سے احساس کمتری پیدا ہوتی ہے۔ ہم سب عزت، دولت، شہرت کے طالب ہوتے ہیں۔

احساس برتری میں ایڈلر بچے کی پیدائش اور تربیت کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اس طرح سے ایڈلر افرائڈ کے نظریات ایام طفولت پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ گوکہ شخصیت کی تعمیر میں اسکول، پڑوس، سن بلوغت، دوست احباب غرض ماحول کے اثرات ہر دور میں اپنا اثر چھوڑتے ہیں۔ بچے کھیل کود سے بہت سارے اوصاف مثلاً تعاون، تعارض، رہنمائی، قربانی وغیرہ سیکھتے ہیں۔

(۳) میکڈوگل (Mc Dougall) کا نظریہ:

میکڈوگل کو دادعائی (Self Assertor) کو شخصیت کی بنیاد سمجھتا ہے۔ گرچہ ہر فرد کا دوسروں سے تعلق ہوتا ہے لیکن وہ خود اپنی ذات پر توجہ دیتا ہے اور ہر موقع پر خود نمائی کا اظہار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زندگی میں مختلف حالات میں دشواریاں ہوتی ہیں۔ کبھی صلح بھی کرنی پڑتی ہے۔ غرض خود ادعائی میں کبھی تعاون (Cooperation) اور کبھی تعارض (Conglict) کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ جذبہ جب غیر معمولی قوت حاصل کر لیتا ہے اور اپنی ذات ہی تمام افعال کا مرکز بن جاتی ہے تو انسان اس کے لیے سب کچھ کر گزرتا ہے۔

میکڈوگل کا یہ جذبہ خود ادعائی کا نظریہ مکمل طور پر صحیح نہیں ہے۔ احساس کمتری کی طرح یہ جذبہ بھی کئی وجوہات سے پیدا ہوتا ہے۔ جس میں ناکامی اور محرومی کا خاصا دخل ہے۔ جذبہ خود ادعائی سے زیادہ اور دوسرے محرکات بھی اتنے ہی اہم ہیں جن کا شمار کیا جانا ضروری ہے۔



شخصیت کے خاصے

(Personality Traits)

مفہوم

شخصیت کا ابتدائی تصور اپنے لاطینی ماخذ کے اعتبار سے نقاب مکھوٹے کا سارہا ہے۔ اس میں بہروپ اور فریب نظر کا عنصر حاوی تھا۔ لیکن قدیم روما کے باشندوں نے رفتہ رفتہ اس کا مفہوم الٹ دیا اور شخصیت سے مراد نمایاں صفات رکھنے والے فرد سے لی جانے لگی۔ شخصیت کی تعریف کا یہ تضاد آج تک یک گونہ دلچسپی کا موضوع ہے۔ اور عمومی معنی اور نفسیاتی معنی میں اپنا فرق ظاہر کرتا ہے۔ عام زندگی میں شخصیت سے ظاہری رنگ و روپ ہی سمجھا جاتا رہا ہے۔ جب کہ بعض فلسفیوں نے اسے عکس باطن تک پہنچا دیا ہے۔ ماہرین نفسیات کے نزدیک شخصیت نہ نقش باطل ہے اور نہ جوہر کامل۔ نفسیات کی اصطلاح میں شخصیت ایک وسیع معنی رکھتی ہے۔ ہر انسان کی اپنی صفات ہوتی ہیں جو اس کے معمولات زندگی میں جھلکتی ہیں۔ اور انکی بدولت اس کی شکلیت کے خدوخال ابھرتے ہیں۔ افراد اپنی حیاتیاتی ساخت اور ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ لہذا ان ہی دونوں کے تعامل کا نتیجہ وہ قرار پاتی ہیں۔ ایسی صورت میں شخصیت کو اپنے ماحول کے ساتھ مخصوص یا متوافق مطابقت کر دانا جاسکتا ہے۔

شخصیت کے پیچیدہ مظاہر کو سمجھنے کی ایک کوشش شخصیت کو مختلف طبعی وضع یعنی ٹائپ میں تقسیم کرنے کی صورت میں ہوتی رہی ہے جیسا کہ روش عام سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا کوئی مغلوب

الغضب کہلاتا ہے کسی کو صابر و شاکر ٹھہرایا جاتا ہے اور کوئی متوازن شخصیت کا حامل قرار پاتا ہے۔
 ٹائپ یا طبعی وضع کے مطابق تقسیم دو قطبی ہوتی ہے۔ لیکن ایسی تقسیم کو موٹے طور پر ہی
 درست قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ پورے طور پر حقیقت کی آئینہ داری نہیں کرتی ہے۔ اس کی سب
 سے نمایاں کمزوری یہ ہے کہ ایسی تقسیم علت اور معلول میں الجھن پیدا کر دیتی ہے۔ کیوں کہ حقائق
 کے مختلف اسباب ہوتے ہیں اور صاف صاف دو صورتوں میں شخصیت کی تقسیم نہیں ہوا کرتی
 ہے۔ جیسا کہ طبعی وضع کے مطابق گردانا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر طبعی وضع کی سب سے زیادہ
 معروف اور مقبول تقسیم ورون ہیں اور بیرون ہیں سامنے آتی ہے۔ لیکن ان انتہاؤں کے مصداق
 شاذ ہی ہوتے ہیں اور ان حدود کے درمیان اکثر و بیشتر یقیناً سما جائیں گے۔ غرضیکہ حقائق کے
 مختلف اسباب ہوتے ہیں اور صاف صاف دو صورتوں میں شخصیت کی تقسیم نہیں ہوا کرتی ہے جیسا
 کہ ٹائپ یا طبعی وضع ظاہر کرتی ہے۔

تعریف

آل پورٹ (۱۹۶۱) نے شخصیت کی تعریف یوں کی ہے کہ
 ”شخصیت فرد کے اندر ان نفسی، طبعی، نظاموں کی حرکی تنظیم ہے جو اس کے مخصوص
 کردار اور خیال کو متعین کرتی ہے۔“

شخصیت کی اس تعریف میں کئی مفروضی شامل ہیں:

(۱) ایک فرد کے مخصوص کردار اور خیال کا تعین کرنے والے عوامل متعدد اور مختلف ہوتے
 ہیں۔

(۲) فرد کے کردار اور خیال کا تعین کرنے والے عوامل اس وقت سب سے اچھی طرح سمجھے
 جاسکتے ہیں جب کہ انہیں افراد کے اندر کم از کم جزوی طور پر ہی نکلتا ہوا مان لیا جائے۔

(۳) کردار کا کوئی بھی حصہ صرف اس وقت با معنی بنتا ہے جب کہ فرد کے پورے حالات
 زندگی کے سیاق و سباق میں سمجھا جائے۔

شخصیت کے جو اوصاف موردِ ثنی ہوتے ہیں، خاندانی تجربات اور زندگی کے واقعات و حادثات پر مبنی ہوتے ہیں، وہ ایسی وضع شخصیت کا موجب ہوتے ہیں جو فرد کی خصوصیت قرار پاتی ہے۔ وہ بلاشبہ شخصیت کی نمایاں خوبیوں کا مرکز ہوتی ہے جو کہ ایک کل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لہذا ایک خاصے کی اس طور پر تعریف کی جاسکتی ہے۔

خاصے (Traits)

خاصے کی حقیقت، شخصیت کے ایک پہلو یا رخ کی ہے جو ایک یکساں اور نمایاں ردِ عمل کے گروپ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور جو کہ ایک فرد کی مطابقت کے عمل کی خصوصیت رکھتا ہے۔ ایک خاصے کردار کی ایک مخصوص اور مستقل کیفیت کی ہوتی ہے جو کہ اس کے مشاغل کے ایک بڑے سلسلے میں اس کی امتیازی صفت بن جاتی ہے اور مدت تک خاصی یکساں رہتی ہے۔

خاصوں کا سب سے اہم پہلو (i) ان کی خصوصیت یعنی امتیازی اوصاف اور (ii) توافق یعنی یکساں رہتا ہے۔

مگر یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ امتیازی وصف یا خصوصیت سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہر فرد بذاتِ خود انوکھا ہوتا ہے اور بعض خاصے ایسے رکھتا ہے گویا کہ جملہ حقوق صرف اس کے پاس محفوظ ہیں۔ دراصل مراد یہ حقیقت ہے کہ ہر فرد جو ایک مخصوص خاصے رکھتا ہے اس کی کیفیت، کیفیت، نوعیت، دوسروں سے شان امتیاز رکھتی ہے۔

اسی طرح اوصاف کی دوسرے پہلو توافق یعنی یکساں ہونے سے یہ حقیقت مراد ہوتی ہے کہ ایک شخص یکساں حالات، یکساں معاملات و معمولات میں تقریباً یکساں روش اختیار کرتا ہے۔

ماہرین نفسیات نے بنیادی خاصوں اور ان کے متضاد الفاظ کی اچھی خاصی طویل فہرست تیار کی ہے۔ ان خاصوں میں سے ہر ایک شخصیت کے پہلو بیان کرتا ہے۔ جیسے

متضاد	بنیادی خاصے
مطیع	غالب
احمق	ذہین
غیر مہذب، بد مذاق	مہذب، با ذوق
بے حس، غیر جذباتی	حساس، نرم دل

ایک فرد کی شخصیت متعدد عناصر کا جوڑ ہوتی ہے۔ ان میں سے کچھ مشاہدے اور پیمائش کی گرفت میں آسانی سے آجاتے ہیں اور کچھ آسانی نہیں آتے۔ مثلاً 'قد' اور 'ذہن' جیسی جسمانی خصوصیات کا مشاہدہ اور پیمائش آسان ہے اور ان کے برخلاف کرداری اوصاف اور ذہنی عادتیں مشکل سے مشاہدے اور پیمائش کی تابع ہوتی ہیں۔

بہر کیف خاصوں کی شناخت اور تجرید و تعریف کر کے نفسیات نے شخصیت کی تفہیم میں قابل لحاظ ترقی کی ہے۔ ایک مبہم اور فلسفیانہ تصور کے ساتھ شخصیت کو وابستہ رکھنے کے بجائے اسے ایک معروضی اور قابل پیمائش نظام خصوصیات بنا دیا ہے۔ تاہم الگ الگ خاصوں پر توجہ کرنے سے یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ انسان کی یکتائی اور سلیمیت پر کہیں حرف نہ آجائے جب کہ ہماری توجہ اس کی الگ الگ صفت شماری کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہماری سعی ترکیب خصائص اور خصوصیات شخصیت کی طرف کبھی کم نہیں ہونی چاہیے۔

شخصیت کے خاصوں یعنی امتیازی اوصاف کی وقعت اور اہمیت کا صحیح طور پر تعین و عرفان اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب کہ ان سے وابستہ اقدار عالیہ اور مقصود و منہاج کا واضح طور پر ادراک ہو اور ان میں قائم و دائم ہونے کی قدر موجود ہو۔ فکر انسانی کی رسائی موجودات تک ہے اور یہ بھی کسی حد تک۔ لیکن ہمیں اپنی ہدایت و تربیت کے لیے کلام الہی اور احادیث و سنن رسول اکرم ﷺ کی سعادت حاصل ہے۔ سورۃ التین کی طرف رجوع کیجیے۔ اس میں صاف طور پر کہا گیا ہے قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سمنین کی اور اس امن والے شہر (یعنی

مکہ معظمہ) کی کہ ہم نے انسان کو خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔ پھر (ان میں جو بوڑھا ہو جاتا ہے) ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی زیادہ پست کر دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان یلے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ پھر کون چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ (ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانویؒ) دیکھیے کلام حق کا آغاز ماحول کے حوالے سے ہوتا ہے، انسان کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ واضح طور پر فرمایا گیا کہ کتنے خوبصورت سانچے میں ڈھالا گیا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ درگت کیا ہو جاتی ہے مگر اس کے ساتھ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایمان اور نیک اعمال ضمانت دیتے ہیں لازوال اجر کی اور یہ اعلان کس کی طرف سے ہے؟ حاکموں کے حاکم کی طرف سے۔ اس طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ازل سے لے کر اب تک کا اہم ادراک ہمیں حاصل ہے۔ اپنے خاصے کو ہم جانتے ہیں اور مقصود و منہاج سے باخبر ہیں۔ بس درکار کیا ہے؟ ایمان اور نیک اعمال۔



قرآن اور انسانی قوتیں، خواہشیں اور جذبات

انسان مختلف قسم کی قوتیں اور صلاحیتیں، رنگارنگ خواہشیں اور ضرورتیں اور گونا گوں جذبات و میلانات لے کر پیدا ہوا ہے۔ وہ غور و فکر کی، استدلال و استنباط کی، ایجاد و اکتشاف کی غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ اسے بولنے کی، دیکھنے کی، سننے کی قوتیں دی گئی ہیں۔ اسے جسمانی طاقت عطا ہوئی ہے۔

اسے بھوک اور پیاس لگتی ہے جس کی وجہ سے وہ کھانے اور پانی کا طلب گار ہوتا ہے۔ دھوپ سے، بارش سے، گرمی اور سردی سے اسے تکلیف پہنچتی ہے، اس تکلیف سے بچنے کے لیے وہ لباس اور مکان کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ وہ محنت و مشقت کے بعد آرام کا اور بیداری کے بعد نیند کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ جنسی خواہش اور اولاد و بقائے نسل کی آرزوئیں رکھتا ہے۔ اور ان آرزوؤں کی تکمیل کیلئے ازدواجی رشتے قائم کرنے کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ اس کے دل میں اپنے اہل و عیال کی، اپنے والدین کی، اپنے قرابت داروں کی، اور اپنے دوستوں کی محبت گھر کیے ہوتی ہے، اس لیے وہ ان کے ساتھ خصوصی شفقت کا رویہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے ابنائے جنس سے گہرا انس رکھتا ہے جس کی بنا پر ان سے الگ تھلگ ہو کر یکہ و تنہا زندگی گزارنے سے وحشت کھاتا اور ان سے مل جل کر رہنے ہی میں سکون قلب پاتا ہے۔

اسی طرح اس کے اندر ایک طرف محبت اور رحم دلی کے، صبر و تحمل کے، صلح اور

درگزر کے، مسرتوانبساط کے جذبات موجود ہیں، تو دوسری طرف وہ بغض اور سخت دلی کے، غصہ و نفرت کے، لڑائی اور انتقام کے، رنج و غم کے جذبات سے بھی خالی نہیں ہے۔
 انسان کے اندر پائی جانے والی ان مختلف قوتوں اور خواہشوں کو قرآن حکیم نے کس نگاہ سے دیکھا ہے؟ اس سوال کو ذہن میں رکھ کر جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اس کی یہ آیتیں آتی ہیں:

(الف) انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کے متعلق

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(النحل: ۷۸)

”اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا جب کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمہیں کان، آنکھیں اور دل دیے ہیں تاکہ تم شکر گزار بنو۔“

اس آیت اور اسی مفہوم کی دوسری بہت سی آیتوں سے صاف نظر آتا ہے کہ قرآن کی نگاہ میں کان اور آنکھ اور دل یعنی سننے اور دیکھنے سوچنے سمجھنے کی طاقتیں اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی نعمتیں ہیں جن سے انسان کو نوازا گیا ہے اور یہ ایک جانی بوجھی حقیقت ہے کہ یہی وہ طاقتیں ہیں جو انسانی علوم و معارف کا سرچشمہ ہیں۔ اس لیے ان نعمتوں سے نوازے جانے کا مطلب دراصل یہ ہے کہ انسان تجربے، مشاہدے اور کشف حقائق کی نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو شے اللہ کی نعمت ہو وہ قدر و احسان مندی کے گہرے جذبے سے ہاتھوں ہاتھ لینے کی ہوتی ہے، برتنے اور فائدہ اٹھانے کے لیے ہوتی ہے، رائیگاں اور معطل چھوڑ رکھنے کے لیے نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ انسان کو دیکھنے اور سننے کی، سوچنے اور سمجھنے کی اور استنباط و استدلال کی جو قوتیں دی گئی ہیں، قرآن چاہتا ہے کہ وہ ان کا پورا پورا استعمال کرے اور ان میں سے کسی کو بھی معطل اور بے کار نہ ہونے دے۔

(ب) انسان کی مادی ضرورتوں اور خواہشوں کے متعلق

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ: ۲۹)

”وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔“

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (حجر: ۲۰)

”اور ہم نے اس (زمین) میں تمہاری معیشت کے ذرائع فراہم کر دیے ہیں۔“

ان آیتوں کا متن اس حقیقت کی شرح ہے کہ اس زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب انسان کے لیے ہے اور اسے پیدا ہی اس غرض سے کیا گیا ہے کہ وہ اس سے متمتع ہو، اپنے ضرورتیں پورے کرے، آرام اٹھائے اور مسرت حاصل کرے۔ اس لیے اس سے منہ موڑنا اور اسے پانے کے لیے قابل ترک قرار دے لینا منشاء کدواندی کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے۔ چنانچہ صرف اصولی طور پر اتنا ہی کہنے پر اکتفا نہیں کر لیا گیا کہ زمین کی ساری چیزیں انسان کے استفادے کے لیے پیدا کی گئی ہیں بلکہ اس بات کی اسے صراحتاً ہدایت بھی کی گئی ہے کہ وہ ان سے استفادہ کرے۔

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا

وَلَا تُسْرِفُوا (الاعراف: ۳۱)

”اے اولاد آدم! ہر نماز کے وقت اپنا سامان زینت (لباس) پہن لیا کرو اور کھاؤ پیو،

البتہ فضول خرچی نہ کرو۔“

یعنی عام حالات میں تو کیا، اللہ کی عبادت کے وقت بھی وہ سامان زینت (یعنی لباس) استعمال کرنے سے نہ رکنا چاہیے جو انسان کے خالق حکیم نے اس کے لیے پیدا کر رکھا ہے۔ اسی طرح کھانے پینے کی چیزیں بھی استعمال کے لیے اور اپنی فطری ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اسے مہیا کی گئی ہیں اور وہ اس کے لیے ہرگز قابل اجتناب نہیں ہیں۔ ان کے سلسلے میں جو بات قابل اجتناب ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کے استعمال میں صحیح حدود سے تجاوز

نہ کیا جائے، اسی طرح اس بات کی بھی ہے کہ ان کے استعمال کو غلط یا ناپسندیدہ نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے ہی کو انسانیت اور عبدیت کے شایان شان تصور کیا جائے۔ چنانچہ جن لوگوں کا نظریہ دین داری اس تصور سے کسی بنا پر اتفاق نہ کرتا تھا، ان کے بارے میں زبرد تو بیخ کے انداز میں فرمایا گیا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ

(الاعراف: ۳۲)

”اے پیغمبر! کہو اس سامان زینت کو جسے اللہ نے پانے بندوں کے لیے پیدا کر رکھا ہے نیز رزق کی پاک اور ستھری چیزوں کو (ان کے لیے) کس نے حرام (منوع) ٹھہرا دیا ہے؟“

اس لیے حقیقت واقعہ صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ قرآن کی نظر میں اس دنیا کی ساری چیزیں انسانوں کے برتن ہی کے لیے پیدا کی گئی ہیں بلکہ اس سے کہیں آگے یہ ہے کہ وہ لوگ سلامت فکری سے یکسر محروم اور سخت سزاوار ملامت ہیں۔ جو اپنے منعم حقیقی کے عطا کیے ہوئے اس سامان حیات کو کسی وقت اور کسی خیال کے تحت بھی قابل اجتناب سمجھ بیٹھیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا

(روم: ۲۱)

”اس کی نشانیوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس

سے جوڑے پیدا کیے ہیں تاکہ تم ان کے پاس سکون پاؤ۔“

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ (الشعراء: ۱۶۶)

”اور تم اس چیز کو چھوڑ دیتے ہو جسے تمہارے رب نے تمہارے لیے پیدا کر رکھا ہے

یعنی اپنی بیویوں کو۔“

یہ ارشادات قرآنی اس امر کی کھلی شہادت ہیں کہ عورت کو حکیم و دانایا خالق نے جن مقاصد اور مصالح کی خاطر پیدا کیا ہے، ان میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ مرد کی جنسی ضرورت

کی تکمیل کرے اور اس کے لیے سکون خاطر کا ذریعہ بنے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ
وَالْحِسَابَ وَكُلُّ شَيْءٍ فَصْلَانَهُ تَفْصِيلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۲)
ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے..... تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش
کرو..... الخ۔“

یہ آیت ان بہت سی آیتوں میں سے ایک ہے جو اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ اللہ
کا فضل تلاش کرنا یعنی روزی کمانا اور زندگی کی ضرورتیں فراہم کرنا ایک ایسا کام ہے جسے اللہ خود
چاہتا ہے کہ کیا جائے۔

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ
(البقرة: ۱۸۷)

”..... اور اس چیز کے طلب گار بنو جسے اللہ نے تمہارے لیے مقدر فرما رکھا ہے۔“

”اس چیز“ سے مراد اولاد ہے جیسا کہ سیاق کلام سے بالکل واضح ہے۔ اس فرمان
خداوندی سے معلوم ہوا کہ اولاد کی طلب دوسرے لفظوں میں بقائے نوع کی خواہش و کوشش اور
نسل خیزی کا جذبہ قرآن کی نگاہ میں کوئی ناپسندیدہ جذبہ نہیں ہے، بلکہ ایک پسندیدہ اور مطلوب
جذبہ ہے کیوں کہ اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ ہدایت فرما رہا ہے۔

چنانچہ اولاد کی طلب اور بقائے نوع کی خواہش کے پسندیدہ ہونے ہی کا تصور ہے جس
کی بنا پر قرآن حکیم نے صنف نازک کو ”کھیتی“ سے تشبیہ دی ہے۔

(نسائکم حرث لکم) اور اولاد کو جگہ جگہ اللہ کی نعمت اور اس کا احسان قرار دیا ہے۔

مثلاً سورہ نحل میں صراحت سے فرمایا گیا ہے کہ:

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ
بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبَالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ
اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ۝ (النحل: ۷۲)

”اللہ نے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائی ہیں اور تمہاری ان بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزوں کی روزی مہیا کی۔ تو کیا یہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے اور اللہ کی دی ہوئی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔“

ظاہر ہے اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولاد اور اس کی طلب کوئی ناپسندیدہ چیز ہوتی تو اس طرح بات ہرگز نہ فرمائی ہوتی جس سے بیٹے اور پوتے صاف طور سے اللہ کی بخشی ہوئی نعمت قرار پائے ہیں۔

(ج) انسان کے فطری جذبات کے متعلق

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم: ۲۱)

”..... اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور شفقت پیدا کر دی ہے۔“

یہ ارشاد الہی بتاتا ہے کہ انسانوں کے مابین خصوصاً بیوی اور شوہر کے درمیان محبت اور شفقت و رحم دلی کا جو جذبہ پایا جاتا ہے وہ کسی خاص سبب کے بغیر یوں ہی جو دمیں نہیں آ گیا ہے بلکہ یہ ان کے پیدا کرنے والے کا ارادہ اور اس کی حکمت ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان کا سینہ ان جذبات سے معمور ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو کوئی شک نہیں کہ ان جذبات کا پایا جانا اور مسلسل کارفرما رہنا خدائے علیم و حکیم کے منشا کے عین مطابق اور اس کی نظر میں پسندیدہ ہے۔

قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ وَاللَّذِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى

(البقرہ: ۲۱۵)

”اے نبی! بتادو کہ تم اپنا جو مال بھی خرچ کرو وہ والدین کے لیے قریبی رشتہ داروں

کے لیے اور یتیموں کے لیے ہو.....“

ان الفاظ میں دوسروں کی معاشی کد مت اور اعانت کی بات جس انداز سے کہی گئی ہے وہ اس حقیقت کی کھلی ہوئی عکاسی کرتی ہے کہ اس بارے میں اپنے والدین اور اعزہ و اقارب کو دوسروں پر مقدم رکھنے کا جذبہ ایک صحیح اور معقول جذبہ ہے اور اللہ کا حکم ہے کہ اس جذبہ کو ہرگز

نظر انداز نہ کیا جائے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو والدین اور اقرباء کا ذکر مقدم نہ رکھا گیا ہوتا۔ چنانچہ صرف یہیں نہیں بلکہ جہاں کہیں بھی افراد انسانی کے بارے میں حسن اخلاق اور ادائے حقوق کی وصیت فرمائی گئی ہے، وہاں سب سے پہلے والدین اور اقرباء ہی کے نام لیے گئے ہیں۔ مثلاً: **وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ..... الخ (النساء: ۳۶)** ظاہر ہے کہ یہ ہر موقع پر والدین اور اقرباء کے ذکر کا مقدم ہونا بلاوجہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ خود ان افراد کو دوسرے لوگوں پر اس معاملے میں ترجیح اور اولیت دینا چاہتا ہے۔ میراث کے قانون (سورہ نساء: آیت ۱۲، ۱۱) میں اور اس قانون کے نزول سے پہلے وصیت کے احکام (سورہ بقرہ: ۱۸۰) میں والدین اور اقرباء کے سوا اور کسی کو متوفی کے ترکے میں سرے سے حق دار تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے۔ جو اس امر کا روشن ترین ثبوت ہے کہ اگر انسان اپنے ماں باپ اور اپنے اعزہ و اقارب کو حسن سلوک میں اولیت دینا چاہتا ہے تو اس کا خدا بھی اس کے اس فطری جذبے کو پوری طرح قابل پذیرائی قرار دیتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ

(فتح: ۲۹)

”محمد اللہ کے رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں، منکرین حق کے لیے سخت ہیں۔“
قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا

(ممتحنہ: ۴)

”تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھ ہو رہنے والوں (کے طرز عمل) میں ایک اچھا نمونہ ہے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ یقیناً ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھو کر پوج رہے ہو، بڑے (بیزار) ہیں ہم تمہارا انکار کر چکے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض کا ظہور

ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ تم (بھی ہماری طرح) ایمان والے ہو جاؤ۔“
یہ دونوں آیتیں اس امر کا بہ آواز بلند اعلان کر رہی ہیں کہ قرآن کی نظر میں صرف نرمی،
محبت، رحم دلی اور دوستی و یگانگی کے فطری جذبات ہی مطلوب و مستحسن نہیں ہیں بلکہ انسان کی
سرشت میں درشتی، عداوت اور بغض و نفرت کے جو جذبات پائے جاتے ہیں وہ بھی اپنی اہمیت
رکھتے ہیں۔ اور اپنے اپنے مواقع پر وہ بھی کچھ کم مطلوب و مستحسن نہیں ہیں۔ چنانچہ ان آیتوں میں
آپ صا دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ خدا کے باغی اور اس کے دین کے دشمن ہوں، ان سے سختی،
عداوت اور بغض و نفرت کا رویہ ہی ان کی رو سے سچی دین داری اور حقیقی خدا پرستی کا رویہ ہے اور
ان سے نرمی اور محبت برتنا نیکی کا نہیں بلکہ معصیت کا کام ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ

(صف: ۴)

”بلاشبہ اللہ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔“

اس آیت سے اور اسی طرح کی دوسری بہت سی آیتوں سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ
جنگ کا جذبہ بھی ایک کارآمد اور قیمتی جذبہ ہے اور اپنے محل پر اس کا ظہور لازماً ہونا چاہیے۔ اسی
میں اللہ کی خوشی ہے۔ یہی اس کا مطالبہ ہے۔

قرآن مجید کے انارشادات سے انسان کی فطری قوتوں، انکی جبلی خواہشوں اور
ضرورتوں اور اس کے طبعی جذبات کے متعلق اس کے جس نقطہ نظر کا اظہار ہو رہا ہے اس کے لانے
والے رسول ﷺ نے پانے بیانوں سے اسے اور زیادہ واضح کر دیا ہے۔ آپ کے ان بیانوں میں
سے چند ایک یہ ہیں:

☆ ”پورے دن کی خاموشی (یعنی اپنی قوت گویائی کو بالارادہ معطل رکھنا) صحیح نہیں۔“

(لا صمات الی اللیل. ابو داؤد)

چنانچہ ایک عورت نے مکمل طور پر خاموش رہ کر حج کرنے کی نیت کر رکھی تھی، اس لیے
بالکل چپ رہتی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے اسے حکم
دیا کہ ایسا نہ کرے اور فرمایا: ”اسلام میں یہ جائز نہیں ہے، یہ ایک جاہلی عمل

- ہے۔“ (فان هذا لا يحل هذا من عمل الجاهلية. بخاری جلد اول، باب ايام الجاهليه)
- ☆ ”اللہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے کے اوپر اس کی بخشی ہوئی نعمت کے اثرات ظاہر اور نمایاں رہیں۔“ ان اللہ يحب ان يرى اثر نعمه على عبده (مشکوٰۃ. کتاب اللباس)
- ☆ حلال روزی کمانا فرض نمازوں کے بعد فرض ہے۔ طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة (مشکوٰۃ. باب الکسب)
- ☆ سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔“ (التاجر الصادق الامین مع النبیین والصدیقیین والشهداء. مشکوٰۃ. باب المسابله فی المعامله)
- ☆ میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، تو جس کسی نے میری سنت سے روگردانی کی وہ میرا نہیں۔“ (التزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی. بخاری)
- ☆ تمہاری اپنی شرم گاہوں (کے ذریعے قضاے شہوت) میں بھی ثواب ہے۔“ (فی بضع احدکم صدقة. مسلم)
- ☆ چنانچہ حضرت عثمان بن مظعون نے خصی ہو جانے کی اجازت مانگی تو آپ نے انکار کر دیا۔ (مسلم کتاب النکاح)
- ☆ زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے شادی کرو۔“ (تزوجوا الودود الودود. ابوداؤد)
- ☆ یقیناً تمہارے رب کے تم پر حقوق ہیں، تمہارے اپنے نفص کے (بی) تم پر (کچھ) حقوق ہیں، تمہارے اہل و عیال کے (بھی) تم پر (کچھ) حقوق ہیں۔ پس ہر حقدار کے حقوق ادا کرو۔“ (ان لربک علیک حقاً ولنفسک علیک حقاً ولاهلک علیک حقاً فاعط کل ذی حق حقه. بخاری. کتاب الصوم)

☆ ”بالتیقین تمہارے جسم کے بھی تم پر کچھ حقوق ہیں اور یقیناً تمہاری آنکھوں کے بھی تم پر کچھ حقوق ہیں اور یقیناً تمہاری بیوی کے بھی تم پر کچھ حقوق ہیں اور یقیناً تمہارے ملاقاتی کے بھی تم پر کچھ حقوق ہیں۔“ (ان لجسدک علیک حقواوان لعینیک علیک حقواوان لزوجک حقواوان لزورک حق۔ بخاری۔ کتاب الصوم)

☆ ”جو کچھ بھی تم (اپنی ضرورتوں کے سلسلہ میں) خرچ کرتے ہو وہ بھی تمہارے لیے صدقہ (یعنی کارِ ثواب) ہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو۔“ (مہما انفقت فہو لک صدقة حتی اللقمة ترفعها فی فی امرأتک۔ بخاری۔ کتاب النفقات)

☆ ”.....یہ (یعنی اپنے کسی عزیز کے غم و فات سے نکلنے والا آنسو) ایک رحمت ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کر رکھا ہے۔“ (.....ہذہ رحمة جعلها اللہ فی قلوب عبادہ۔ بخاری۔ کتاب الآداب)

☆ ”جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی، اللہ ہی کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے روکا، اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔“ (من احب للہ و ابغض للہ واعطى للہ و منع للہ فقد استكمل الايمان۔ ابوداؤد)

☆ ”راہِ خدا میں لڑنا اور اللہ پر ایمان رکھنا سب سے افضل عمل ہے۔“ (ان الجهاد فی سبیل اللہ و الايمان باللہ افضل الاعمال۔ مسلم)

آیات اور احادیث کی یہ ہمہ گیر اور تفصیلی شہادتیں بیک زبان کہہ رہی ہیں کہ اسلام اور قرآن کے نزدیک انسان کے اندر پائی جانے والی ایک ایک فطری قوت اور خواہش اور جذبہ اس کی شخصیت کا لازمی جزو ہے اور ان میں سے ہر ایک شے اس کے لیے اہم حکمتوں اور مصلحتوں کی حامل ہے، یہ شخصیت اپنی صحیح تعمیر و ارتقاء کے لیے نیز اپنی مطلوبہ کارکردگی کے لیے جن اسباب و ذرائع کی محتاج ہے، یہ قوتیں اور خواہشیں اور یہ جذبات اور مطالبات بھی انہیں میں شامل

ہیں۔ معیاری انسانیت اور معیاری کد پرستی موقوف ہے اس بات پر کہ ان میں سے ایک ایک کا حق ادا کیا جائے، اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے اور انہیں مناسب انداز میں بہر حال پورا کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا، ان قوتوں کو معطل کر لیا گیا، ان جذبات کو کچلا اور دبایا گیا، ان خواہشوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا تو یہ خالق کے منشا کی کھلی ہوئی مخالفت اور اس کی حکمت تخلیق کی صریح ناقدر شناسی ہوگی اور اپنے کو بھی اس مرتبہ و مقام سے محروم کر لینا ہوگا جو کمال انسانیت اور کمال خدا پرستی کا واقعی مرتبہ و مقام ہے۔ چنانچہ انسانی خلقت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کہ یہ صریح ارشاد اور اعلان موجود ہے کہ:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

”ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے۔“

”بہترین ساخت“ میں پیدا کرنے کا مفہوم واضح طور پر صرف یہ ہے کہ انسان کو ٹھیک انہیں ظاہری اور باطنی قوتوں سے آراستہ کر کے پیدا کیا گیا جن کا اس کے مقصد آفرینش نے پانی زبان احتیاج سے تقاضا کیا تھا۔ ان میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جو اس مقصد کی راہ میں مزاحم تو کیا ہوتی، اس کے لیے نامطلوب اور غیر ضروری ہی ہوتی۔

ایسا کیوں؟ انسان کے اندر پائی جانے والی قوتوں اور خواہشوں اور جذبات کو قرآن حکیم نے اس کی شخصیت کے ضروری اجزاء کیوں ٹھہرایا ہے؟ اس سولا کا مختصر جواب یہ ہے کہ قرآن جس دین کا داعی ہے وہ دین فطرت ہے۔ (فطرت۔ اللہ التي فطر الناس علیہا۔ (روم) یعنی اس کی بنیاد ٹھیک اس فطرت پر رکھی گئی ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور اسے احکام و ہدایات میں اس فطرت کے صحیح اور متوازن تقاضوں سے ذرہ برابر بھی انحراف روا نہیں رکھا گیا ہے۔ جب دین قرآنی کی حیثیت اور نوعیت یہ تھی تو قرآن کے نزدیک انسان کی ساخت کو ہر پہلو سے بہترین ساخت پر ہونا ہی چاہیے تھا اور پھر اس کے نتیجے میں ضروری تھا کہ انسانی شریعت جن عناصر اور اجزاء سے بھی مرکب تھی، اس کی اندر جو قوتیں اور خواہشیں بھی موجود تھی، اس میں جو مطالبات اور جذبات بھی سموائے گئے تھے، وہ ان سب کی پذیرائی کرتا، سب کو قدر کی

نگاہوں سے دیکھتا، سب کے حقوق تسلیم کرتا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا، اگر ان میں سے کسی کو بھی وہ انسان کے دینی ارتقاء کی راہ کا پتھر سمجھ کر اسے معطل بنا رکھنے یا دبا اور کچل کر بے جان بنا ڈالنے کی تلقین کرتا تو یہ واضح طور پر اس کے موقف کے سرنا سرخلاف ہوتا اور ایسا کر کے وہ اپنے تصورات کی خود ہی تکذیب کر بیٹھتا۔

(دین کا قرآنی تصور)



شخصیت کی تعمیر میں مذہب اسلام کا رول

شخصیت کی تعمیر و ترقی میں مذہب و عقیدے کا رول ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ کوئی بھی مذہب یا عقیدہ ہو وہ اپنے متبعین و معتقدین پر گہرے اثرات چھوڑتا ہے۔ معتقد کا اعتقاد اپنے مذہب پر جتنا گہرا ہوگا اسی قدر عمیق اثرات اس کی شخصیت پر پڑیں گے۔

ایک دہریہ خدا کے وجود کا انکار کرتا ہے۔ ایک مشرک عقیدہ کفر و شرک میں مبتلا ہوتا ہے، مسیحیت کا علمبردار اپنے دین پر قائم ہوتا ہے، یہودیت کا حامد اپنے عقیدے پر جمنا ہے اور ہندومت کا پیامی اپنے مذہب کا پیرو ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، سکھ مت، بدھ مت اور جین مت وغیرہ کے شیدائی اپنے اعتقادات کو اپنے مذہب سے کس کر بانڈھتے ہیں۔ ان کا یہ رویہ محض ایک رویہ ہی نہیں ہوتا بلکہ قلب و ذہن میں مخصوص عقیدے کو بٹھانے کے نتیجے میں ان کی شخصیت پر مخصوص قسم کے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔

اسی طرح مذہب اسلام کے ماننے والے فرد کی شخصیت بھی اپنے دین سے متاثر ہوتی

ہے۔

چونکہ اسلام اللہ رب العزت کا پسندیدہ اور اس کے نزدیک واحد قابل قبول دین ہے لہذا اس نے انسان کی زندگی کے جملہ پہلوؤں میں نکھار پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت کی تعمیر و ترقی پر بھی خاص توجہ دی ہے۔ ایک پکا سچا مومن دین اسلام کی بدولت اپنی شخصیت میں وہ نکھار پیدا کرتا ہے جو کسی دوسرے مذہب کے پیروکار میں نہیں ہو سکتا کہ یہ ایک فطری دین ہے اور انسان کی نفسیات اور اس کی ضروریات کے عین مطابق بھی۔

شخصیت کی قدر و منزلت

اسلام انسان کی شخصیت کی قدر کرتا ہے اور اس کے وجود کو حد درجہ اہمیت دیتا ہے
 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ
 النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا

(المائدة: ۳۲)

”جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ
 سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے
 تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔“

عقیدہ اسلام کا ایک بنیادی پہلو یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اشرف المخلوقات ہے۔
 ساری کائنات اس کے لیے مسخر کی گئی ہے۔ اس کا سراگر جھٹکا ہے تو خدائے لم یزل ولا یزال کے
 سامنے، اسے اگر ڈرنا ہے تو صرف وحدہ لا شریک لہ سے، اس کے سامنے دنیا کی ساری چیزیں بیچ
 ہیں۔ یہ عقیدہ انسان کی شخصیت کو احساس کمتری سے نکال کر احساس بندگان اور بے اطمینانی و عدم
 اعتمادی سے نکال کر سکون و اطمینان اور خود اعتمادی کی طرف لاتا ہے۔ وہ بخوبی سمجھتا ہے کہ دنیا کی
 جملہ چیزیں محتاج محض ہیں۔ قادر مطلق اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ مجھے ان سے متاثر ہونے
 کے بجائے ان سے استفادہ کرتے ہوئے اس دنیا میں اپنی ڈیوٹی بجالانی ہے۔

اس اعتقاد کے نتیجے میں انسان کے اندر بہادری بھی پیدا ہوتی ہے۔ وہ بخوبی سمجھتا ہے
 کہ اگر کوئی اسے ذرہ برابر فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ، دنیا کی کوئی ہستی اس کا
 بال بیکا نہیں کر سکتی۔ اس کے سامنے حدیث شریف کے یہ الفاظ ہوتے ہیں:

واعلم ان الامة لو اجتمعت علی ان ینفعک بشیء لم
 ینفعوک الا بشیء قد کتبه اللہ لک ولو اجتمعوا علی ان

يَضْرُوكُ بَشِيءٌ لَّمْ يَضْرُوكِ الْاِبَشِيءُ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيكَ .

(الحديث)

”اور جان لو سارے لوگ اگر مل کر بھی تم کو ذرہ برابر فائدہ پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ مل کر تم کو ذرہ برابر نقصان پہنچانا چاہیے تو نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے خلاف لکھ رکھا ہے۔“

اس احساس کے ساتھ بندہ بڑی مصیبتوں اور ظالم سے ظالم حکمرانوں کے سامنے دلیری کے ساتھ ڈٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ان جادوگروں کا تذکرہ ہے جن کی شخصیت اسلام لانے سے قبل کچھ تھی اور قبول اسلام کے بعد ان کی شخصیت میں بلا کی بہادری آ گئی۔

وَأَلْقَى السَّحْرَةَ سَاجِدِينَ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّ هَذَا لَمَكْرٌ مَّكْرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ لَتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ قَالُوا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ وَمَا نَنقِمُ مِنْآ إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۝

(الاعراف: ۱۲۰ تا ۱۲۶)

”اور جادوگر سجدے میں گر پڑے، کہنے لگے ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر، موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ فرعون نے کہا میری اجازت کے بغیر تم اس پر ایمان لے آئے۔ یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اسی دارالسلطنت میں کی تاکہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کر دو۔ اچھا تو اس کا نتیجہ اب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹا دوں گا اور اس کے بعد تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا بہر حال ہمیں پلٹنا اپنے رب کی طرف ہے۔ تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ

ہماری رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آگئیں تو ہم نے انہیں مان لیا۔ اے رب
ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اٹھا تو اس حال میں کہ ہم تیرے
فرمانبردار ہوں۔“

مضبوط کردار اسلامی عقائد سے ممکن ہے

انسان کی ذات میں نکھار کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی شخصیت دور رخ پن سے
پاک ہو جائے۔ دور خاپن ایک بڑی بھیانک اور خطرناک بیماری ہے۔ آج پورا کا پورا معاشرہ اور
سماج اور میں گرفتار ہے۔ بڑے سے بڑے ذمہ دار آدمی کے اوپر سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ آدمی
اندر کچھ بولتا ہے بہار کچھ۔ ایک گھر کے لوگ بھی ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ
عقیدہ اسلام کی دین ہی ہے کہ وہ آدمی کو ہر لحاظ سے کھرا اور خالص اور آئینہ کی طرح صاف
وشفاف بنا دیتا ہے۔ دنیاوی مفادات، مال و اسباب حتیٰ کہ جان کی محبت بھی اسے اس راستے سے
نہیں ہٹا سکتی۔

حق گوئی، ایفاء عہد، اور اپنے موقف پر جماؤ و ثابت قدمی جیسے اوصاف حمیدہ انسان کی
شخصیت کو نکھارتے اور اس کو جلا بخشنے ہیں۔ اسلام اپنے ماننے والے کے اندر یہ صفات اس انداز
سے پیدا کر دیتا ہے کہ وہ لوگوں میں ممتاز اور فرشتہ صفت سمجھا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ بَعْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ
وَالصَّرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُونَ ۝ (البقرة: ۱۷۷)

”اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے پورا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت
میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔“

عقیدہ آخرت عظیم قوت نافذہ

عقیدہ اسلام کا ایک اہم پہلو تصور آخرت بھی ہے۔ آخرت میں اللہ رب العالمین کے

سامنے جو ابد ہی کا احساس اجتماعیت کے اندر نکھار پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ فرد کی شخصیت کو بھی سنوارتا ہے۔ عقیدہ آخرت کو تسلیم کرنے کے نتیجے میں انسان کے اندر یتیموں کے لیے دل میں رحم کا جذبہ، مسکینوں اور مجبوروں کے لیے الفت اور ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ جو دنیا میں اس کو حیوانی خواہشات کا غلام نہیں بناتا بلکہ ملکوتی صفات سے متصف کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں برے کاموں سے روکنے اور بھلے کاموں پر ابھارنے کے لیے اس سے بہتر کوئی قوت نافذ نہیں ہے۔ بصورت دیگر اس کے اندر حد درجہ رذیل اور حیوانی خصالتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالذِّينِ فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ وَلَا
يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمَسْكِينِ (الماعون: ۱-۳)

”تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے۔ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔“

عبادات — تعمیر شخصیت کا فطری نظام

اسلام کے اندر جو فرائض ہیں وہ صرف اجتماعیت، معاشرے اور سماج کی اصلاح ہی نہیں کرتے بلکہ واجبی طور پر فرد کی شخصیت کو تعمیری خطوط پر پروان چڑھاتے اور اسے حد درجہ نکھارتے ہیں۔ نماز فرد کے اندر اللہ رب العزت کی یاد اور اس کا استحضار بدرجہ اتم پیدا کرتی ہے۔ واقم الصلوٰۃ لذكوری۔ وہ کہیں بھی چلا جائے اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ جذبہ انسان کی شخصیت کو اخلاق فاضلہ کے بام عروج پر پہنچا دیتا ہے۔ وہ جیتے جی کوئی سفلی حرکت نہیں کر سکتا۔ کوئی طاقت اس کے قدم جادہ مستقیم سے پھسلا نہیں سکتی۔

روزہ انسان کے اندر اللہ رب العزت کا تقویٰ پیدا کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ
مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة: ۱۸۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو روزہ تمہارے اوپر فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا کہ تم متقی ہو سکو۔“

تقویٰ کا مطلب یہی ہے کہ انسان جو کام کرے اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔ اس کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے حد درجہ اخلاص کے ساتھ اپنے سارے اعمال انجام دے۔ یہ جذبہ انسان کی شخصیت کو نکھارتا اور اسے اونچا اٹھادیتا ہے۔

زکوٰۃ کے اثرات اجتماعی اور معاشرے پر بے شمار ہیں مگر فرد کی ذات پر اس کے اثرات جو مرتب ہوتے ہیں وہ انسان کی شخصیت کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ بائیں طور کہ غریبوں، یتیموں، بیواؤں، لاچاروں اور مفلسوں کے تئیں اس کے اندر جذبہ رحم پیدا ہوتا ہے۔ ان کے دکھ درد کو سمجھنے والا بنتا ہے۔ انسان کی عظمت کا راز یہ ہے کہ وہ حیوانوں کی طرح صرف اپنے لیے نہ جئے بلکہ دوسروں کے لیے جینا سیکھے۔

ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔
”زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔“

ٹھیک اسی طرح حج انسان کی شخصیت کے اندر یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ تو آفاقی مخلوق ہے۔ ساری دنیا سے حق کے پروانے اپنے رب کی دعوت پر سر سے کفن باندھے لیک پکارتے ہوئے حاضر ہیں۔ تو بھی اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ تو تنہا نہیں ہے بلکہ اتنی بڑی اجتماعیت تیرے ساتھ ہے اور یہ اجتماعیت مرہون منت ہے تیرے اس عہد کی جسے تو نے اپنے رب تعالیٰ سے باندھا ہے۔ یہ دنیا کچھ بھی نہیں ہے۔ اصل تو آخرت ہے۔ دنیا تو بنائی گئی ہے تیرے لیے مگر تو آخرت کے لیے جی رہا ہے۔ تو والہانہ انداز میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے جو ہر شے کا بلا شرکت غیرے مختار کل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان اس کی شخصیت پر اثر ڈالتا ہے کہ وہ سب سے بڑا ہے۔ سب اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس کے اندر سے یہ صدا آتی ہے۔ کانی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے۔

لیک اللهم لیک لیک لا شرک لک لیک ان الحمد

والنعمة لك والملك لا شريك لك .

”حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں، ساری حمد نعمتیں اور بادشاہت تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔“

اسلام کی جملہ تعلیمات فرد کی شخصیت کی تعمیر اور اس کو جلا بخشنے میں بھرپور کردار ادا کرتی ہیں کہ یہ تعلیمات فطری ہیں اور انسان کے جسم و جانس ے ہم آہنگ ہیں۔ فرد کے اس دنیا میں آتے ہی اس کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے کا عمل دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت سے شروع ہوتا ہے اور پھر عمر کی مختلف منزلوں سے گزرتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ اسلام کی تعلیمات اس کی شخصیت کو اس طور پر نشوونما دیتی ہے کہ وہ اس دنیا میں اللہ کا متقی بندہ، ایک فرض شناس آدمی، بنی نوع انسان کے لیے ایک حکیم داعی، اقامت دین کی راہ میں اپنی ساری صلاحیتوں کو باحسن طریق استعمال کرنے والے مجاہد اور اس دنیا سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے آخرت کے لیے زیادہ سے زیادہ توشہ اکٹھا کرنے والے زیرک انسان کی زندگی گزارتے ہوئے اپنے رب سے جا ملتا ہے اور جانکی کے وقت اس کی شخصیت پکار کر کہتی ہے توفنی مسلما والحقنی بالصالحین .

☆☆☆

انسانی زندگی پر عقیدہ توحید کا اثر

اب ہم بتائیں گے کہ لا الہ الا اللہ کے اقرار سے انسان کے زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور اس کو نہ ماننے والا دنیا اور آخرت میں کیوں نامراد ہو جاتا ہے۔

(۱) وسیع النظری

اس کلمہ پر ایمان رکھنے والا کبھی تنگ نظر نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسے خدا قائل ہوتا ہے جو زمین و آسمان کا خالق، مشرق و مغرب کا مالک اور تمام جہان کا پالنے والے پوسنے والا ہے۔ اس ایمان کے بعد ساری کائنات میں کوئی چیز بھی اس کو غیر نظر نہیں آتی، وہ سب کو اپنی ذات کی طرح ایک ہی مالک کی ملکیت اور ایک بادشاہ کی رعیت سمجھتا ہے۔ اس کی ہمدردی اور محبت و خدمت کسی دائرے کی پابند نہیں رہتی۔ اس کی نظر ویسی ہی غیر محدود ہو جاتی ہے جیسی خود اللہ تعالیٰ کی بادشاہی غیر محدود ہے۔ یہ بات کسی ایسے شخص کو حاصل نہیں ہو سکتی جو بہت سے چھوٹے چھوٹے خداؤں کا قائل ہو، یا خدا میں انسان کی محدود اور ناقص صفات مانتا ہو یا سرے سے خدا کا قائل ہی نہ ہو۔

(۲) خودداری

یہ کلمہ انسان میں انتہا درجہ کی خودداری اور عزت نفس پیدا کر دیتا ہے۔ اس پر اعتقاد رکھنے والا جانتا ہے کہ صرف ایک خدا تمام طاقتوں کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی نفع پہنچانے والا نہیں، کوئی مارنے اور جلانے والا نہیں، کوئی صاحب اختیار اور با اثر نہیں۔ یہ علم و یقین اس کو خدا کے سوا تمام قوتوں سے بے نیاز اور بے خوف کر دیتا ہے، اس کی گردن کسی مخلوق کے آگے نہیں جھکتی، اس کا ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلتا، اس کے دل میں کسی کی بزرگی کا سکہ نہیں بیٹھتا یہ صفت

سوائے عقیدہ توحید کے اور کسی عقیدہ سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ شرک اور کفر اور دہریت کی لازمی خاصیت یہ ہے کہ انسان مخلوقات ک آگے جھکے، ان کو نفع و نقصان کا مالک سمجھے، ان سے خوف کھائے اور ان ہی سے امیدیں وابستہ رکھے۔

(۳) منکسر المزاجی

خودداری کے ساتھ یہ کلمہ انسان میں انکساری بھی پیدا کرتا ہے، اس کا قائل کبھی مغرور اور متکبر نہیں ہو سکتا، اپنی قوت اور دولت اور قابلیت کا گھمنڈ اس کے دل میں سما ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے خدا ہی کا دیا ہوا ہے۔ اور خدا جس طرح دینے پر قادر ہے اسی طرح چھین لینے پر قادر ہے۔ اس کے مقابلہ میں عقیدہ الحاد کے ساتھ جب انسان کو کسی قسم کا دنیوی کمال حاصل ہوتا ہے تو وہ متکبر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے کمال کو محض اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ اسی طرح شرک اور کفر کیس اتھ بھی غرور پیدا ہونا لازمی ہے کیونکہ مشرک اور کافر اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ خداؤں اور دیوتاؤں سے اس کا کوئی خاص تعلق ہے جو دوسروں کو نصیب نہیں۔

(۴) پاکیزہ نفسی

اس کلمہ پر اعتقاد رکھنے والا اچھی طرح سمجھتا ہے کہ نفس کی پاکیزگی اور ایک نیک عمل کے سوا اس کے لیے نجات اور فلاح کا کوئی ذریعہ نہیں کیوں کہ وہ ایک ایسے خدا پر اعتقاد رکھتا ہے جو بے نیاز ہے، کسی سے کوئی رشتہ نہیں رکھتا، بے لاگ عدل کرنے والا ہے اور کسی کو اس کی خدائی میں دخل یا اثر حاصل نہیں۔ اس کے مقابلہ میں مشرکین اور کفار ہمیشہ جھوٹی توقعات پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں کوئی سمجھتا ہے کہ خدا کا بیٹا ہمارے لیے کفارہ بن گیا ہے، کوئی خیال کرتا ہے کہ ہم خدا کے چہیتے ہیں اور ہمیں سزا مل ہی نہیں سکتی۔ کسی کا گمان یہ ہے کہ ہم اپنے بزرگوں سے خدا کے ہاں سفارش کرا لیں گے۔ کوئی اپنے دیوتاؤں کو نذر و نیاز دے کر سمجھ لیتا ہے کہ اب اسے دنیا میں سب کچھ کرنے کا لائسنس مل گیا ہے۔ اس قسم کے جھوٹے اعتقادات ان لوگوں کو ہمیشہ گناہوں اور

بدکاریوں کے چکر میں پھنسائے رکھتے ہیں اور وہ ان کے بھروسہ پر نفس کی پاکیزگی اور عمل کی نیکی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ رہے دہریے تو وہ سرے سے یہ اعتقاد ہی نہیں رکھتے کہ کوئی بالاتر ہستی ان سے بھلے یا برے کاموں کی باز پرس کرنے والی بھی ہے۔ اس لیے وہ دنیا میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں۔ ان کے نفس کی خواہش ان کی خدا ہوتی ہے اور وہ اس کے بندے ہوتے ہیں۔

(۵) پر امیدی

اس کلمہ کا قائل کسی حال میں مایوس اور دل شکستہ نہیں ہوتا۔ وہ ایک ایسے خدا پر ایمان رکھتا ہے جو زمین و آسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے، جس کا فضل و کرم بے حد و حساب ہے اور جس کی قوتیں بے پایاں ہیں۔ یہ ایمان اس کے دل کو غیر معمولی تسکین بخشتا ہے۔ اس کو اطمینان سے بھر دیتا ہے اور ہمیشہ امیدوں سے لبریز رکھتا ہے۔ چاہے وہ تمام دنیا کے دروازوں سے ٹھکرا دیا جائے۔ سارے اسباب کا رشتہ ٹوٹ جائے اور وسائل و ذرائع ایک ایک کر کے اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ پھر بھی ایک خدا کا سہارا کسی حال میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اسی کے بل بوتے پر وہ نئی امیدوں کے ساتھ کوشش پر کوشش کیے چلا جاتا ہے۔ یہ اطمینان قلب عقیدہ توحید کے سوا اور کسی عقیدے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ مشرکین اور کفار اور دہریے چھوٹے دل کے ہوتے ہیں، ان کا بھروسہ محدود طاقتوں پر ہوتا ہے، اس لیے مشکلات میں بہت جلد مایوسی ان کو گھیر لیتی ہے اور اکثر ایسی حالتوں میں وہ خودکشی تک کر گزرتے ہیں۔

(۶) عزم و توکل

اس کلمہ کا اعتقاد انسان میں عزم اور حوصلہ اور صبر توکل کی زبردست طاقت پیدا کر دیتا ہے۔ وہ جب خدا کی خوشنودی کے لیے دنیا میں بڑے کام انجام دینے کے لیے اٹھتا ہے تو اس کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے کہ میری پشت پر زمین و آسمان کے بادشاہ کی قوت ہے۔ یہ خیال اس میں پہاڑ کی سی مضبوطی پیدا کرتا ہے اور دنیا کی ساری مشکلات اور مصیبتیں اور مخالف طاقتیں مل کر بھی اس کو اپنے عزم سے نہیں ہٹا سکتیں۔

(۷) شجاعت

یہ کلمہ انسان کو بہادر بنا دیتا ہے۔ دیکھو! آدمی کو بزدل بنانے والی دراصل دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک تو جان اور مال اور بالچوں کی محبت دوسرے یہ خیال کہ خدا کے سوا کوئی اور مارنے والا ہے۔ اور یہ کہ آدمی اپنی تدبیر سے موت ٹال سکتا ہے۔ لا الہ الا اللہ کا اعتقاد ان دونوں چیزوں کو دل سے نکال دیتا ہے۔ پہلی چیز تو اس لیے نکل جاتی ہے کہ اس کا قائل اپنی جان و مال اور ہر چیز کا مالک خدا ہی کو سمجھتا ہے اور اس کی خوشنودی کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ رہی دوسری چیز تو وہ اس وجہ سے باقی نہیں رہتی کہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کے نزدیک جان لینے کی قدرت کسی انسان یا حیوان یا توپ یا تلوار یا لکڑی یا پتھر میں نہیں ہے۔ اس کا اختیار صرف خدا کو ہے اور اس نے موت کا جو وقت مقرر کر دیا ہے اس سے پہلے دنیا کی تمام قوتیں مل کر بھی چاہیں تو کسی کی جان نہیں لے سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے سے زیادہ بہادر دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلہ میں تلواروں کی باڑھ اور گولیوں کی بوچھاڑ اور فوجوں کی یورش سب ناکام رہ جاتی ہے۔ جب وہ خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے بڑھتا ہے تو اپنے سے دس گنی طاقت کا بھی منہ پھیر دیتا ہے۔ مشرکین اور کفار اور دہریے یہ قوت کہاں سے لائیں گے؟ ان کو تو جان سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ موت دشمن کے لانے سے آتی ہے اور ان کے بھاگنے سے بھاگ سکتی ہے۔

(۸) شان بے نیازی

لا الہ الا اللہ کا اعتقاد انسان میں قناعت اور بے نیازی کی شان پیدا کر دیتا ہے۔ حرص و ہوس اور شک و حسد کے رکیک جذبات اس کے دل نے نکال دیتا ہے۔ کامیابی حاصل کرنے کے ناجائز اور ذلیل طریقے اختیار کرنے کا خیال تک اس کے ذہن میں نہیں آنے دیتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے زیادہ دے جس کو چاہے کم دے۔ عزت اور طاقت اور ناموری اور حکومت سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ اپنی مصلحتوں کے لحاظ سے جس

کو جس قدر چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ ہمارا کام صرف اپنی حد تک جائز کوشش کرنا ہے۔ کامیابی اور ناکامی خدا کے فضل پر موقوف ہے۔ وہ اگر دینا چاہے تو دنیا کی کوئی قوت اسے روک نہیں سکتی اور نہ دینا چاہے تو کوئی طاقت دلو نہیں سکتی۔ اس کے مقابلہ میں مشرکین اور کفار اور دہریے اپنی کامیابی اور ناکامی کو اپنی کوشش اور دنیوی طاقتوں کی مدد یا مخالفت پر موقوف سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان پر حرص اور ہوس مسلط رہتی ہے۔ کامیابی حاصل کرنے کے لیے رشوت، خوشامد، سازش اور ہر قسم کے بدترین ذرائع اختیار کرنے میں انہیں باک نہیں ہوتا۔ دوسروں کی کامیابی پر رشک و حسد میں جلے مرتے ہیں اور ان کو نیچا دکھانے کی کوئی بری سے بری تدبیر بھی نہیں چھوڑتے۔

(۹) احساسِ جوابدہی

سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اعتقاد انسان کو خدا کے قانون کا پابند بناتا ہے۔ اس کلمہ پر ایمان لانے والا یقین رکھتا ہے کہ خدا ہر چھپی اور کھلی چیز سے باخبر ہے۔ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اگر ہم رات کے اندھیرے میں اور تنہائی کے گوشے میں بھی کوئی گناہ کریں تو خدا کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ اگر ہمارے دل کی گہرائی میں بھی کوئی برا ارادہ پیدا ہو تو خدا تک اس کی خبر پہنچ جاتی ہے۔ ہم سب سے چھپا سکتے ہیں مگر خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ سب سے بچ سکتی ہیں مگر خدا کی پکر سے بچنا ممکن نہیں۔ یہ یقین جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی زیادہ انسان اپنے خدا کے احکام کا مطیع ہوگا۔ جس چیز کو خدا نے حرام کیا ہے وہ اس کے پاس بھی نہ پھٹکے گا اور جس چیز کا اس نے حکم دیا ہے وہ اس کو تنہائی اور تاریکی میں بھی بجالائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھ ایک ایسی پولیس لگی ہوتی ہے جو کسی حال میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور اس کو ایسی عدالت کا کھٹکا لگا رہتا ہے جس کے وارنٹ سے وہ کہیں بھاگ ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم ہونے کے لیے سب سے پہلی اور ضروری شرط لا الہ الا اللہ پر ایمان لانا ہے۔



شخصیت—دعاؤں کے آئینہ میں

دعا بندگی رب کی ایک پیاری شکل ہے۔ دعا انسان کی نجات و فلاح کے لیے لازمی ذریعہ ہے۔ دعا سے رحمت الہی جوش میں آتی ہے۔ دعا برستی ہوئی رحمتوں کی بارش کے لیے دامن پھیلا دینے کا نام ہے۔ دعا اپنی عبودیت اور رب کی ربوبیت کا سچا اور پاکیزہ اعتراف ہے۔ دعا رب ذوالجلال کی قوت کو بندہ عاجز کی بے بسی کے شامل حال کرنے کی تدبیر ہے۔ دعا ایک سادہ اور آسان عمل ہے لیکن رب کریم کو بہت محبوب اور نتائج کے لحاظ سے بہت زبردست ہے۔

دعا کے مختلف پہلوؤں پر اہل فکر و قلم نے لکھا ہے۔ اچھی سیرت کی تشکیل اور مثالی شخصیت کی تعمیر میں دعاؤں کا اہم رول ہوتا ہے۔ اسلام کی مطلوبہ سیرت کی تیاری میں جہاں عقائد کا بنیادی کردار ہے، عبادات کا کلیدی رول ہے وہیں ایک مخصوص عبادت یعنی دعا کا بھی حصہ اتنا اہم ہے کہ اس پر مستقل طور سے گفتگو کی جائے۔

ہم دعا کرتے وقت اپنے رب کریم سے بہت کچھ مانگتے ہیں۔ گناہوں سے مغفرت چاہتے ہیں۔ جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ جنت کی آرزو کرتے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ ہم ایک اچھی سیرت اور عمدہ کردار بھی مانگتے ہیں۔ جہاں ہم جنت کی خواہش کرتے ہیں وہیں ایسے کردار کی نمنا بھی کرتے ہیں جو جنت میں داخل ہونے کے لیے ضروری اور اشد ضروری ہے۔ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَّ عَمَلٍ۔ اے اللہ میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور جنت سے قریب کرنے والا ہر قول و عمل بھی مانگتا ہوں۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جن دعاؤں کی تعلیم دی ہے ان کے الفاظ میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں ایک نہایت دلآویز اور بڑی ہی پیاری شخصیت نظر آتی ہے۔ ایک مکمل، ہمہ گیر اور مسلسل ترقی کی شاہراہ پر سفر کرتی شخصیت، ایسی شخصیت جس کا ہر پہلو دلکش اور روشن و تابناک ہے۔ ممکن نہیں کہ ان دعاؤں کا عکس کسی زندگی پر پڑے اور وہ زندگی تاریک رہ جائے، روشنی سے محروم رہ جائے۔

تو ہی مالک تو ہی نگہبان

شخصیت کا خالق بھی خدا ہے اور اس کا نگہبان بھی وہی ہے۔ شخصیت کی تعمیر و تزئین اگر ہو سکتی ہے تو اسی کی توفیق اور مدد سے، بندہ مومن اپنی سیرت کو بنانے اور سنوارنے کی جہاں ہر تدبیر کرتا ہے وہیں وہ رب کریم سے توفیق و مدد کا بھی خواستگار ہوتا ہے۔ اللہم آت نفوسنا تقواہا و زکھاہا انت خیر من زکھاہا انت ولیہا و مولاہا۔ ”اے اللہ! ہمارے نفس کو تقویٰ عطا کر اور اسے سنوار دے۔ تو وہ سب سے بہتر ہستی ہے جو اسے سنوارے تو ہی اس کا نگہبان اور مالک ہے۔“

اچھی عبادت

عبادت کو شخصیت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ جو انسان عبادت گزار نہ ہو وہ انسان کامل ہو ہی نہیں سکتا۔ عبادت کو بہتر سے بہتر بنانا مومن کا ^{مط} نظر ہوتا ہے۔ اللہم اعنی علی زکرک و شکرک و حسن عبادتک۔ ”اے اللہ! میری مدد کر کہ میں تیرا ذکر کروں تیرا شکر گزار بنوں اور تیری بہتر سے بہتر عبادت کر سکوں۔“

کامیابی کی شاہراہ پر

مثالی شخصیت ہمیشہ ترقی کی راہوں پر گامزن رہتی ہے۔ اس کو ٹھہراؤ اور توقف راس نہیں آتا۔ زندگی کا ہر آنے والا لمحہ اس کے لیے خیر و بھلائی کے نئے مواقع لاتا ہے۔ اس کی زندگی خیر و برکت کا بہتا دریا ہوتی ہے جو خشک زمینوں کو سیراب کرتا جاتا ہے۔ اجعل الحیاة زیادة لی

فی کل خیر۔ ”اے اللہ! زندگی کو میرے لیے خیر و بھلائی میں اضافہ کا ذریعہ بنا۔“

آئیڈیل کی چاہ میری چاہ

مومن کا آئیڈیل رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ ہے۔ وہ اسی نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے۔ اور انہیں خطوط پر اپنی سیرت کی تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی آرزوؤں اور امنگوں میں بھی اتحاد ہو۔ جو رسول ﷺ نے مانگا وہی وہ بھی مانگے۔ جب تقلید و اتباع اس درجہ کمال کا ہو کہ شوق اور چاہ بھی یکساں ہو جائے تو اس آفتاب ﷺ جہاں تاب کا عکس ضرور سیرت و کردار پر نظر آئے گا۔ بندہ مومن کی تمنا ہوتی ہے کہ اس کا کل شخصیت کی خوبیوں کا کچھ حصہ اس کی زندگی پر بھی نظر آنے لگے۔ اللہم انی اسألک خیر ما سالک بہ نیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ”اے اللہ! میں وہ تمام بھلائی کی چیزیں تجھ سے مانگتا ہوں جو تیرے نبی محمد ﷺ نے تجھ سے مانگی تھیں۔“

متحرک و فعال

اچھی شخصیت کے لیے متحرک و فعال ہونا ضروری ہے۔ جمود و تعطل اور فرصت و فراغ سیرت کے لیے زہر سے زیادہ خطرناک ہے۔ بندہ مومن ایسی ہر چیز سے پناہ مانگتا ہے جو اسکی راہ میں رکاوٹ بنے۔ وہ دل و دماغ اور پر پرواز سب کو آزاد رکھنا چاہتا ہے۔ اللہم انی اعوذ بک من الهم والحزن و اعوذ بک من العجز والکسل و اعوذ بک من الجبن والبخل و اعوذ بک من غلبة الدین وقهر الرجال۔ ”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر مندی اور غم سے، پناہ چاہتا ہوں بے بسی اور کاہلی سے، پناہ چاہتا ہوں بزدلی اور کنجوسی سے، پناہ چاہتا ہوں قرض کے بوجھ اور لوگوں کی زبردستی سے۔“

جو طائر لاہوتی ان بیڑیوں سے آزاد ہو اس کی حد پرواز کون جان سکتا ہے۔

یقین و اعتماد

ایسا یقین جو ہر مشکل کو آسان اور ہر دوری کو نزدیک کر دے، کامیابی کے سفر کے لیے

ضروری زادراہ ہے۔ یقین کی قوت آدمی کو غیر معمولی بنا دیتی ہے۔ وہ بے پناہ قوت کا مالک ہو جاتا ہے۔ قوت ارادی کے سوتے یقین کی چٹان سے ہی پھوٹتے ہیں۔ ومن الیقین ماتھون بہ علینا مصائب الدنيا۔ ”اے اللہ! ہمارے نسیب میں ایسا یقین رکھ دے کہ جس کے ذریعہ تیرے حکم سے دنیا کی تمام مصیبتیں ہمارے لیے آسان ہو جائیں۔“

نورانی شخصیت

شخصیت کتنی ہی بن سنور جائے وہ ادھوری اور بے رونق رہے گی اگر اسے وہ نور حاصل نہ ہو جو اللہ کے پسندیدہ بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ نور صف چہرے پر ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ شخصیت کے گوشے گوشے سے جھلکتا ہے۔ اس نور کی بدولت شاہراہ زندگی ہزار اندھیروں کے باوجود روشن رہتی ہے۔ قیامت کے روز تو یہ نور ہر آنکھ کو صاف نظر آئے گا۔ اس نور کی عظمت اور دلکشی دیکھنا ہو تو سورہ مجادلہ سے سورہ تحریم تک کی اکثر سورتوں میں دیکھ سکتے ہو۔ اللہم اجعل فی قلبی نورا و فی سمعی نورا و فی بصری نورا و عن یمینی نورا و عن شمالی نورا و من بین یدی نورا و من خلفی نورا و من فوقی نورا و من تحتی نورا و اعظم لی نورا یوم القیامة۔ ”اے اللہ! میرے دل میں نور ڈال دے، میرے کان اور میری آنکھ میں نور ڈال دے، میری دائیں اور بائیں جانب نور کر دے، میرے اوپر اور میرے نیچے نور کر دے، اور قیامت کے روز میرے نور کو بڑا کر دے۔“

اعتدال اور توازن

عموماً نارمل حالات میں بھی زندگی کے مختلف معاملات میں توازن برقرار رکھنا دشوار ہوتا ہے۔ غیر معمولی حالات میں توازن پر باقی رہنا بہت ہی مشکل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن دعاؤں کے آئینے میں نظر آنے والی شخصیت ہر حال میں توازن کی خوبی سے آراستہ رہتی ہے۔ خوش حالی یونگ حالی اس کی خو پر آئینے میں آتی۔ اسألک القصد فی الفقر والغنی۔ ”اے اللہ! میں تجھ سے تنگ حالی اور خوش حالی ہر حال میں اعتدال مانگتا ہوں۔“ دنیا اور آخرت کے

سلسلے میں بھی اس کا ذہن بالکل صاف اور متوازن ہوتا ہے۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار۔ ”ہمارے رب! ہمیں دنیا اور آخرت کی بھلائی دے اور آگ کی سزا سے بچالے۔“

استقامت

کامیاب شخصیت کے لیے استقامت لازمی ہے۔ بہت ساری رکاوٹیں محض استقلال و ثبات سے دور ہو جاتی ہیں۔ عزم کی پختگی سے فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک۔ ”اے دلوں کو بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جمائے رکھ۔“ اللہم انی اسألك الثبات فی الامر و اسألك عزيمة الرشید۔ ”اے اللہ! میں تجھ سے امر حق پر جسے کی توفیق مانگتا ہوں ار تجھ سے راست روی میں پختگی کی دعا کرتا ہوں۔“

محفوظ بھی محافظ بھی

شخصیت کی حفاظت ایک مستقل ضرورت ہے۔ شاہراہ زندگی پر کامیابی کے مرحلے سر کرتی ہوئی شخصیت کسی بھی لمحے کسی لغزش سے دوچار ہو کر یا کسی دام میں گرفتار ہو کر ناکامی کھائیوں میں گر سکتی ہے۔ یا بدنامی کے دلدل میں پھنس سکتی ہے۔ مثالی شخصیت نہ صرف یہ کہ محفوظ ہوتی ہے بلکہ دوسروں کی محافظ و پاسبان بھی ہوتی ہے۔ اس کی ذات نہ ضرر گزیدہ ہوتی ہے نہ ضرر رساں ہوتی ہے۔ اللہم انی اعوذ بک ان اضل او ازل او اظلم او اظلم او اجھل او یجھل علی۔ ”اے اللہ! مجھے اس سے محفوظ رکھ کہ میں پھسل جاؤں یا گمراہ ہو جاؤں میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے میں بدسلوکی کروں یا میرے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔“ شخصیت کے حد درجہ محفوظ ہونے کی علامت یہ ہے کہ دشمن کو کبھی ہنسنے کا موقع نہ ملے۔ اللہم انی اعوذ بک من شماتة الاعداء۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع ہاتھ آئے۔“

نافعیت پسندی

اس دنیا میں کچھ چیزیں نافع اور مفید ہیں۔ جب کہ کچھ چیزیں مضر اور نقصان دہ۔ کامیابی یہ ہے کہ بے نفع چیزوں کے درمیان سے ہی نافع چیزوں کو چن لیا جائے۔ اللہم انی اعوذ بک من علم لا ینفع۔ ”اے اللہ! میں ایسے علم سے پناہ چاہتا ہوں جو مفید نہ ہو۔“ اللہم انفعنی بما علمتنی و علمنی ما ینفعنی و زدنی علما۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے مجھے علم بخشا ہے اسے تو میرے لیے نفع بخش بنا دے اور وہ کچھ مجھے سکھا جس سے مجھے فائدہ پہنچے اور میرے علم میں اضافہ فرما۔“

مطمئن اور بے نیاز

بندہ مومن مایوسی سے دور امید و امنگ کی روشنی میں اپنا سفر طے کرتا ہے۔ اس سارے سفر میں وہ حد درجہ مطمئن نظر آتا ہے۔ اپنے سلسلے میں اللہ کے ہر فیصلے کو خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے۔ اسألک الرضا بعد القضاء۔ اے اللہ! میں تیرا فیصلہ صادر ہونے کے بعد اس پر رضامند ہونے کی توفیق مانگتا ہوں۔“ یہ عظیم اطمینان اس کے اندر خودداری کو طاقت دیتا ہے اور اسے حد درجہ بے نیاز بنا دیتا ہے۔

بے نیازی انسان کے رتبہ کو بلند کرتی ہے۔ معاشرہ کا محبوب فرد وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے بے نیاز رہے لیکن دوسروں کے لیے ناگزیر بھی ہو۔ اغننی بفضلك عن سواک۔ ”اے اللہ! اپنا فضل فرما کر مجھے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے۔“

وہ اپنی خودداری اور بے نیازی بچانے کے لیے مفلوک الحالی سے بھی بچنا چاہتا ہے۔ اللہم انی اعوذ بک من الجوع فانہ بئس الضجیع۔ ”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک سے بچنے کے لیے کیونکہ وہ برا شریک حال ہے۔“ اللہم انی اعوذ بک من زوال نعمتک و تحول عافیتک۔ ”اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیری بخشی ہوئی نعمت ختم ہو جائے اور تیری عطا کی ہوئی عافیت پھر جائے۔“

اچھا رویہ

شخصیت کی پوشاک اس کا رویہ اور کردار ہوتا ہے۔ اسی سے اس کے بارے میں پہلی رائے قائم ہوتی ہے۔ اللہم اھدنی لصالح الاعمال والاخلاق لایھدی لصالحہا ولا یصرف سیئھا الا انت۔ ”اے اللہ! تو مجھے نی اعمال اور اچھے اخلاق کا راستہ دکھاتیرے سوا کوئی نہیں جو اس کی رہ نمائی کر سکے اور برے اعمال و اخلاق سے پھیر سکے۔“

پاکیزہ وصحت مند

افکار کی بلندی، کردار کی پاکیزگی اور رویہ کی عمدگی کے ساتھ ساتھ ظاہری صفائی ستھرائی اور جسمانی طاقت و صحت مثالی شخصیت کے عناصر میں شامل ہیں۔ صحت و طاقت شخصی ارتقاء کے مزید مواقع فراہم کرتی ہے۔ مظہر کی خوشنمائی اور پاکیزگی لوگوں سے قریب کرتی ہے اور اچھی رائے بنانے میں معاون ہوتی ہے۔

اللہم عافنی فی بدنی۔ اے اللہ! مجھے جسمانی عافیت عطا کر۔ اللہم متعنا باسماعنا و ابصارنا و قوتنا ما اھیبتنا۔ اے اللہ! ہمارے کان آنکھ اور ہماری طاقت کو تاحیات سلامت رکھ کہ ہم ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اجعلنی من المتطہرین۔ اے اللہ مجھے پاک و صاف رہنے والا بنا۔ الحمد للہ الذی کسانى ما واری به عوراتى واتجمل به فی حیاتی۔ شکر و سپاس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے یہ لباس پہنایا جس سے میں اپنی شرم گاہ کو چھپاتا ہوں اور اس میں اپنی زندگی میں تربیت حاصل کرتا ہوں۔

یہ ایک کامل و دلآویز شخصیت کے کچھ پہلو ہیں۔ بہت روشن اور بہت تابناک گوشے۔ دعاؤں کے آئینے میں جھانک کر دیکھیں تو ایسے بے شمار پہلو نظر آئیں گے اگر ہم پانی دعاؤں کے سلسلے میں مخلص اور سنجیدہ ہو جائیں تو یقیناً ان کا پرتو اپنی زندگی پر دیکھ سکیں گے۔ اے اللہ ہماری دعاؤں کو ہمارے حق میں قبول فرما۔



سیکھنا — شخصیت کے ارتقاء کی اہم بنیاد

LEARNING

معلمین و ماہرین نفسیات نے سیکھنے پر کسی اور مضمون کے مقابلہ میں زیادہ زور دیا ہے۔ سیکھنے کو تطابق پذیری Adoption اور مفاہمت Adjustment بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ مسکولریا دماغی ایڈجسٹمنٹ کی شکل میں ایک قسم کی تطابق پذیری ہے۔ سیکھنے کے عمل میں آپ کا سابقہ متفکرانہ ایڈجسٹمنٹ سے پڑتا ہے۔ اور سیکھنے کے لیے آپ کا یہ ذہنی ایڈجسٹمنٹ اپنے آپ میں ایک لطیف آرٹ ہے جس کا استعمال ذہین افراد بڑی ہنرمندی و خوبصورتی سے کرتے ہیں۔ یہ کسی اسکول میں یا کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں عمر کی کوئی قید نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ایک ذہین اور سیکھنے کا دلدادہ شخص سیکھنے کے عمل کو گود سے گورتک جاری رکھ سکتا ہے۔ سبق دل کی آہٹ سے بھی حاصل ہوتا ہو جاتا ہے۔ اور ہنگامہ حیات سے بھی۔ طبل جنگ سے بھی حاصل ہوتا ہے اور ناقوس امن کی دھیمی اور میٹھی صداؤں سے بھی۔ درس زندگی دشمن سے بھی ملتا ہے اور دوست سے بھی۔ خوش نوائی بھی کوئی اشارہ دیتی ہے اور کسی کی تلخ نوائی بھی دل و دماغ پر اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی کا بھی کوئی پیغام ہوتا ہے اور آلام مصائب کے خارزاروں میں الجھی ہوئی زیست بھی دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں کو کچھ نہ کچھ دے کر جاتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ سبق کہیں منفی راہوں سے ملتا ہے تو کبھی مثبت راستے سے۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں سیکھنا ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں کوئی حد بندی یا پابندی نہیں۔ یہ ہوا اور پانی سے بھی زیادہ عام اور آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہے بشرطیکہ سیکھنے والا ہو اور سیکھنا چاہ رہا ہو۔

یہ عمر، جنس، ذات، نسل، برادری، ملکی و غیر ملکی، وقت، مقام، دولت، غربت ہر چیز سے بالاتر ہے۔ یہ چیزیں نہ تو اس پر اثر انداز ہوتی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔ مختصر یہ کہ سیکھنا ہر جگہ، ہر وقت، ہر زمانہ اور ہر شکل میں ممکن ہے۔ لیکن یہ جہاں ایک ذہین اور بیدار آدمی کے لیے بازار حیات میں سب سے آسانی سے ملنے والی شے ہے تو وہیں ایک کند ذہن اور غافل انسان کے لیے زندگی کی سب سے مشکل ترین چیز ہے۔ کچھ لوگ علم و فہم کے یہ موتی زیادہ تیزی سے اور زیادہ مقدار میں حاصل کر لیتے ہیں جب کہ ان کے مقابلے میں کچھ دوسرے لوگ ایسے ذخیرے سے بہت محدود انداز میں اور اور بہت سست رفتاری کے ساتھ کچھ حاصل کر پاتی ہیں۔ بعض وقت تدریج کے ساتھ سیکھنا سود مند ہوتا ہے، لیکن زندگی میں بعض وقت ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب سیکھنے اور عمل کرنے میں بجلی کی سی تیزی دکھانی پڑتی ہے۔ جیسے جنگ میں دشمن کے پینتروں اور اس کے دست و بازو کی حرکتوں کو دیکھ کر سیکھنے کا عمل سرعت کے ساتھ مکمل کر کے کوئی فیصلہ لینا پڑتا ہے۔ ان ساعتوں میں زیادہ اور دیر تک سوچتے رہ جانے کا مطلب موت و ہلاکت کو دعوت دینا ہوتا ہے، جو ان نزاکتوں کو نہیں بھانپ پاتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے محروم رہ جاتا ہے۔ سوچنے کی سطح کی طرح سیکھنے کی سطح بھی افراد کی فطری و نچی صلاحیتوں پر منحصر ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سیکھنے کے لیے بہت زیادہ ذہین ہونا ہر حالت میں ضروری ہے۔ اگر فکر پیداواری Productive Thinking ہے تو سیکھنا ممکن ہے۔ اسی طرح سوچ مثبت اور عمل پیہم ہو تو کم ذہین آدمی بھی حوصلہ بخش نتائج تک پہنچ سکتا ہے۔

سیکھنا کیا ہے

سیکھنے کا تعلق کمال فہم سے ہے۔ کسی مسئلے کو سمجھ لینے اور کسی مسئلے کو تہ تک پہنچ جانے اور کسی گتھی کو سلجھانے کی پوزیشن میں آ جانے، کسی کے بغیر یا کسی کی بے بصری اور کسی کی خوبی یا خامی کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد ہی سیکھنے کے عمل کا آغاز ہوتا ہے۔ کوئی چیز سمجھ سے بہار ہو تو پھر سیکھنا کیسے اور کیوں کر ممکن ہے؟ لیکن سیکھنے کا انحصار صرف قوت فہم اور دماغی صلاحیت پر ہی منحصر

نہیں۔ بلکہ یہاں اندرونی چاہت کا بھی دخل ہے جسے آپ طلب، خواہش اور میلان بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے معاشیات میں طلب Demand ہے۔ معاشیات میں طلب کی تعریف دو بنیادی اجزاء کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ ہیں (۱) حقیقی خواہش جو ضرورت سے وابستہ ہو، (۲) اور اس خواہش کی تکمیل کی استطاعت۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو طلب حقیقی نہیں مانی جاسکتی۔ اسی طرح سیکھنے کا معاملہ ہے۔ اس کے لیے جہاں کہیں قوت فہم و قوت دماغ ضروری ہے، وہیں اس سے کہیں زیادہ اندرونی خواہش کی اہمیت و ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لیے کہ خواہش ہی کسی کو ذہنی طور سے کچھ سیکھنے کے لیے آمادہ کرتی ہے۔ سیکھنے کی دور دور تک کوئی تمنا ہی نہ ہو تو قوت فہم اپنا کام نہیں کر سکتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اندرونی رجحان و میلان یا خواہش کسی مسئلے کے دوسرے پہلوؤں کے مقابلے میں زیادہ فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ آپ اگر نہ چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کو کچھ نہیں سکھا سکتی۔ چاہے وہ آدمی ہو یا مشین۔ اسی طرح کوئی واقعہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اگر آپ ہر چیز سے لاتعلقی رہنا چاہیں تو اس کے واقع ہونے سے نہ آپ کی صحت پر کوئی اثر پڑے گا اور نہ ہی دل و دماغ کی دنیا میں کوئی موج اٹھے گی۔ ہاں اگر بہت ذہین نہ ہو کر اوسط درجہ کے فہم و ذہانت کے مالک ہوں مگر اس کے ساتھ ہر چیز سے کچھ سیکھنے کی خواہش رکھتے ہوں تو عمر اور وقت کے لحاظ سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور خود سیکھنے کے عمل میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ پختگی پیدا کر سکتے ہیں۔ اور معیار و مقدار میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ ایسے میں نہ تو کان میں پڑنے والی پہلی اذان بے اثر ثابت ہوگی اور نہ ہی ماں کی میٹھی لوریاں اور باپ کی تنبیہ بے معنی نظر آئے گی اور نہ ہی ہم جو لیوں کی شرارتیں اور دلجوئیاں۔ نہ ہی جگنوؤں سے لے کر ستاروں کی چمک میں آپ کچھ تلاش کرنے سے باز آئیں گے اور نہ ہی شاخ سے پتوں کے گرنے اور زلزلوں سے زمین کے کاٹنے جیسی کیفیات سے آپ سرسری گزرنا چاہیں گے۔ پہاروں کی بلندیاں، ارض و سما کی وسعتیں، ابر نیساں کی جھڑیاں، بہار کی دلربائیاں، خزاں کی دل آزاریاں، سیاروں کا باہمی تکرار، آتش فشاں کی غضب ناکیاں، موت و حیات کے ظہور، حادثات کی مداخلت، ناطق و غیر ناطق حیوانوں میں فرق، رشتوں کی نزاکتیں، سنگ ریزوں میں

موتیوں کا اور پھول کے پیچھے خار کا وجود یا کسی کی سسکیاں اور کسی کے فلک شگاف نعرے غرض کہ آپ کی خواہش اور آپ کی قوت فہم نہ یہ کہ صرف ہر شے میں آپ کے لیے معلومات کا ایک خزانہ فراہم کرے گی اور آپ کو اثر پذیر ہونے پر مجبور کرے گی بلکہ یہ خوبی آپ کو آپ کے فہم و فراست کے مطابق تطابق پذیری Adoption اور اخذ و استفادہ کے مرحلے تک بھی پہنچا سکتی ہے۔ یہیں پر ایک اور باریک نکتے کو سمجھتے چلئے کہ بہت زیادہ ذہین یا عبقری انسان بھی اگر تفکر Thinking میں لاپرواہی برتے تو وہ چھوٹے سے چھوٹے فیصلوں میں حیرت انگیز غلطیاں کر سکتا ہے۔ اس لیے ذہانت Intelligence اور تفکر Thinking اسکے باوجود کہ بہت حد تک مترادف ہیں۔ یہ دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ ذہانت کسی انسان کی ذاتی صلاحیت اور اس کی اندرونی شخصیت کا ایک حصہ ہے جو خدا کا ودیعت کردہ ہے۔ جب کہ اس ذہانت کو کام میں لا کر سوچنا اور غور و فکر کرنا اور غور و فکر کر کے کسی مناسب و مفید نتیجے تک پہنچنا ایک عمل کا نام ہے۔ یعنی ذہانت ایک آلہ ہے اور تفکر و تدبیر ایک عمل ہے۔ آلہ و عمل میں جو تعلق و تلازم ہے وہی ان دونوں میں ہے۔ ذہین ترین شخص بھی اگر اپنے قدرتی آلے کا استعمال نہ کرے یا اس میں سستی و لاپرواہی برتے تو وہ ذہین ہوتے ہوئے بھی قوت تفکر سے محروم رہے گا۔ اور غور و فکر کے مطلوبہ نتائج کا حصول اس کے لیے ناممکن بنا رہے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنی سوچ کے نازک ترین عمل کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے ذہین آدمی کو بھی حد درجہ محتاط و بیدار مغز رہنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح جب ذہانت تفکر کے ساتھ انصاف کرے گی تو سیکھنے کے نئے نئے دروازے خود بخود وا ہوتے چلے جائیں گے۔ ذیل میں مذکور گراف میں او آئی جیکبسن OI Jucabsen نے ان مشکلات کی نشاندہی کی ہے جو انجام دہی کے وقت ظاہر ہوتی ہیں اور ان پر اسی لحاظ سے توجہ دینی پڑتی ہے۔

Arithmeti
Cardrivin
Concentration
Dress
Drinking
Eating
Facial Expression
Holding Tools
Holding Utensils
Improved
Memorising
Observation
Pronunciation
Singing
Speech
Spelling
Spending
Typing
Vocabulary
Walking

بہت مشکل
Least
Difficult

کم مشکل
Less
Difficult

مشکل
Difficult

بہت مشکل
Very
Difficult

از حد مشکل
Most
Difficult

اهداف کے حصول میں سیکھنے کی اہمیت

ذہانت جو کہ سیکھنے سے براہ راست تعلق رکھتی ہے اس کی تعریف ہے کسی شخص کی وہ مکمل صلاحیت جس کی مدد سے وہ بامقصد سرگرمیاں انجام دیتا ہے اور عقلی و منطقی انداز میں سوچتا ہے تاکہ حالات کا صحیح انداز میں سامنا کر سکے۔ عقلیاتی Rationally انداز میں سوچنے کا مطلب ہے بامعنی و مدلل Reasonably & Sensibly طریقے سے سوچنا۔ یہ دونوں اصطلاحات لوگوں کے لیے ایک معنی رکھتی ہیں۔ اپنی دماغی صلاحیتوں کے استعمال کے وقت آپ کو عقلی اور تجزیاتی انداز میں سوچنا چاہیے اور اسی کے لحاظ سے واقعات کو توجیہ کرنی چاہیے۔ لیکن توجیہی عمل Reasoning میں آپ قابل فہم انداز میں Sensibly سوچ بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی۔ دونوں کا یکساں امکان رہتا ہے۔ بہر حال کسب ہی معاملے میں استدلالی و تجزیاتی ذہنیت کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ ہر اقدام، ہر عمل اور ہر فیصلے کے پیچھے کوئی معقول وجہ، کوئی اطمینان بخش دلیل اور کوئی قابل فہم توجیہ ہونی چاہیے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی بلا سوچے سمجھے کوئی فیصلہ کر لیتا ہے اور بعد میں اپنا چہرہ بچانے کی غرض سے اسے ڈھوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے اسے بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہر نظریے اور تصور کے پیچھے کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہونی چاہیے۔ اگر آپ کوئی تصور اختیار کرنے جا رہے ہیں تو آپ کو اس موقع سے اپنی ذہانت کا بھرپور استعمال کرنا چاہیے جو کہ سیکھنے Learning کی کلید ہے تاکہ آپ یہ فیصلہ کر سکیں کہ فی الواقع کیا اکتینا کرنا چاہیے اور کسے رد کرنا چاہیے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ زیادہ تر لوگ ایسا نہیں کرتے یا نہیں کر پاتے اور دھیرے دھیرے سیکھنے کی روح کو مردہ کر لیتے ہیں۔

سیکھنے کے عمل کا آپ کی شخصیت کے ارتقاء میں بہت بنیادی مقام ہے۔ آدمی کو ٹھوکر وہیں لگتی ہے جہاں وہ سیکھنے کے عمل کو ترک کر دیتا ہے۔ زندگی سے موت تک جاری رہنے والا سیکھنا آپ کے ارتقاء میں اہم ترین مقام اس وجہ سے رکھتا ہے کہ اسی کے توسط سے ارتقاء کی منزلیں طے ہوتی ہیں اور آپ اپنے اہداف تک پہنچتے ہیں۔ چونکہ سیکھنا واضح طور سے آپ کی ذہانت ہی

ہے جس کی مدد سے آپ اپنے مقاصد حاصل کر پاتے ہیں۔ گویا جہاں غور و فکر اور ذہانت کا معقول استعمال ہو وہیں سیکھنے کا عمل ہے اور جہاں سیکھنے کا عمل جاری رہتا ہے وہیں پر فی الواقع مقاصد کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ اگر آپ نے کسی ہدف تک پہنچنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور یہ طے کر لیا ہے کہ منزل پر پہنچ کر ہی دم لیں گے تو آپ کو ہر مرحلے پر ٹھہرنا اور ٹھہر کر سوچنا ہوگا، بایں ہمہ منزل تک رسائی کے لیے ہر قدم پر سیکھتے ہوئے اپنی ذہانت اور دماغی صلاحیتوں کا بڑی چابک دستی سے استعمال کرنا ہوگا کیوں کہ ذہانت کے ساتھ سیکھنے میں ہی حصول مقصد کی ضمانت ہوتی ہے۔ ذہانت کے استعمال اور سیکھنے کے عمل میں رخنہ پڑ جانے سے بھٹکنے کا قوی امکان رہتا ہے۔ سوچنے کا عمل نامکمل سمجھا جائیگا اگر ہم سوچنے کے درمیان ٹھہرنے کی عادت نہ ڈالیں، سوچنا تو عام بات ہے لیکن رک کر سوچنا خاص ہے۔ بے تکان سوچتے رہنے اور دل و دماغ کو ایک خاص سمت میں ہانکتے جانے سے ٹھہر کر اپنے فکر و خیال کا جائزہ لینے کا موقع نہیں ملتا جب کہ ٹھہر کر سوچنا اور اپنی فکر و عمل کا جائزہ لینا ذہانت کی پہچان ہے اور اسی سے سیکھنے کے اہم مراحل طے ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ غور و فکر کرنا اور اپنے خیالات کو ترتیب دینا ہی چھوڑ دیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ آپ اپنی سوچ کے تمام زاویوں کا جائزہ لیتے رہیں جو کہ ایک خاص ماحول میں ظاہر ہوتی ہے اور یوں اپنے تمام خیالات و نظریات یا تصورات کو ایک جگہ نقل کر لیں اور ہر ایک پر نظر ثانی کریں تاکہ اس میں ضروری ترقی Improvement ہوتی رہے اور آپ اس کے حسن و قبح کو دوسروں کی یاد دہانی سے پہلے ہی محسوس کر سکیں۔ اگر آپ جائزہ و معائنہ Checking کا یہی عمل برابر جاری رکھتے ہیں تو آپ ایک ہی آئیڈیا میں دو یا اس سے زائد امپروومنٹ (ترقی) دیکھیں گے۔ اس طرح آپ کو بہترین اور اصلاح شدہ Improved شکل کے اختیار کرنے کا موقع مل جائے گا اور ساتھ ہی آپ اس کا ہر پہلو ملاحظہ کر کے دیکھ بھی لیں گے کہ آپ کے لیے بہتر کیا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ انتخاب تو بہترین کا کرو لیکن انتخاب سے پہلے کسی چیز یا خیال کا ہر پہلو دیکھ لو۔

اس سلسلے میں یہ آخری نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ کسی خاص نتیجہ فکر کو تو اپنایا جاسکتا ہے لیکن آپ کے دماغی خلیے جو کہ کسی فکر یا خیال کو باہر آنے کی اجازت دیتے ہیں بالکل غیر موروثی

ہیں۔ اس ورثے کا انتقال ممکن ہوتا ہے اور نہ ہی ان پر کوئی دوسرا قبضہ کر سکتا ہے۔ یہ وہ غیر موروثی عنصر ہے جو انفرادی فرق کو قائم رکھتا ہے۔ اس سے کوئی عبقری Genius کہلاتا ہے کوئی اوسط دماغ کا آدمی Average Person اور کوئی دماغی طور سے مفلوج فرد Mentally Retarded Individual۔ اس ترتیب میں سیکھنے کی صلاحیت بڑی اہمیت رکھتی ہے جو کہ دماغی مرتبے کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دماغی طور سے لاچار لوگوں میں غور و فکر کی عادات کا مستحکم ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے ان کی سیکھنے کی صلاحیت بھی ناقابل تصور حد تک کم ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنے مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہو سکتے ہیں آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں، مگر ایک عبقری شخص کا کیس اس سے بالکل مختلف ہوگا جس کا ہدف اس کی ذہانت اور سیکھنے کی صلاحیت کے لحاظ سے عام لوگوں کے مقابلے میں بہت بلند ہوتا ہے۔ بلاشبہ علامہ اقبال نے ان نوجوانوں میں جن کی منزل انہیں آسمانوں میں نظر آتی ہے، عقابانی روح کے ساتھ عبقری روح بھی دیکھی ہوگی۔

سیکھنے کا جذبہ

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ سیکھنے کے عمل کو آگے بڑھانے میں سیکھنے کے جذبہ کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ یہ جذبہ موجود ہو تو عمل پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے اور اگر بی مفقود ہو تو ہمیشہ ادھورا رہتا ہے۔ اگر آپ کی کوئی ذہنی عادت Mental Habit بن گئی ہے اور وہ غلط ہے تو اس کو ختم کرنے کے لیے اس کے بالکل برعکس مشق کرنی پڑتی ہے اور اسے دماغ کے خلیوں سے دھیرے دھیرے کھرچنا پڑتا ہے اور اس میں شعوری کوشش کا بڑا دخل ہوتا ہے جو ایسا نہیں کر پاتا اس کے دل و دماغ سے نہ چاہتے ہوئے بھی وہی بات نکلتی ہے جو پہلے سے بیٹھی ہوئی ہو، اور سیکھنے کا معاملہ صفر رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ غور و فکر کر کے غلط بات کو چھوڑنے اور صحیح بات کو اختیار کرنے کے لیے ذہنی طور سے آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کی ایک بری عمدہ مثال قرآن سے دی جاسکتی ہے۔ اور وہ ہے مشرکین مکہ کا شرک و بت پرستی کا راستہ چھوڑ کر توحید کے صراط مستقیم کی طرف آنے پر راضی نہ

ہونا۔ جو لوگ قرآن کا مطالعہ بدقت نظر کریں گے وہ یہ نکتہ واضح طور سے محسوس کریں گے کہ قرآن کے نزدیک چاہنا اور نہ چاہنا اصل مسئلہ کا سبب ہوتا ہے۔ اور اسی پر فکر و خیال کی صحت و عدم صحت کا انحصار ہوتا ہے۔ چنانچہ کفار و مشرکین کی ہٹ دھرمیوں اور ہرزہ سرائیوں کا خلاصہ وہ مختصر اس طرح کرتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لارہے ہیں کیوں کہ وہ ایمان لانا نہیں چاہتے۔ یہ جملہ بہت سادہ ہے اور قرآن نے جگہ جگہ اسے الفاظ کی جزوی ترمیم کے ساتھ بار بار دہرایا ہے۔ مگر یہ جو گہرائی رکھتا ہے اسے صرف قرآن کا ایک سچا طالب علم ہی محسوس کر سکتا ہے۔

ایک اور سادہ و عام فہم مثال سے بھی اسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کو کسی لفظ کے غلط تلفظ کی عادت سی پڑ گئی ہے تو اس عادت کو چھوڑنے کے لیے جو کچھ آپ کو کرنا ہے وہ بس یہ ہے کہ اس لفظ کو دہراتے ہوئے آپ بالقصد پرانے تلفظ کو زبان سے کھر پیچے۔ اور صحیح تلفظ کو اس پر چڑھانے کی کوشش کیجیے۔ یہ کام آسان نہیں ہے لیکن اگر آپ نے ٹھان لیا کہ خر بوزہ کو خر بوجہ نہیں بلکہ صحیح تلفظ کے ساتھ خر بوزہ ہی بولیں گے یا پڑھیں گے تو آپ اس جنگ میں کامیاب ہو کر رہیں گے۔ جب بھی اس لفظ کے استعمال کا وقت آئے گا آپ محسوس کریں گے کہ خر بوزہ کا جب بالکل اچھل کر آپ کی زبان پر آنا چاہے گا اور کبھی کبھی بے شعوری میں آپ اسے دہرا بھی جائیں گے اور کبھی ایسا ہوگا کہ عبارت شروع کرنے سے پہلے یہ تصور کرنے کے باوجود کہ اس بار کم بخت خر بوزہ کو خر بوزہ ہی پڑھیں گے اسے خر بوجہ کبھی نہیں ہونے دیں گے آپ کا ذہن وہاں پہنچ کر بھٹک جائے گا یا پھر ایسا ہوگا کہ روانی قائم رکھنے کے لیے آپ کی نظر اگلی سطر پر ہوگی اور موقع پاتے ہی خر بوزہ پر خر بوجہ حاوی ہو جائے گا۔ دیکھا آپ نے ایک معمولی تصحیح لفظ کے لیے کس قدر اندرونی شعور کی ضرورت پیش آتی ہے اور جس چیز کو سیکھنا ہے اس پر دل، دماغ اور نظر کو کس طرح ہر وقت مرکوز رکھنا پڑتا ہے اور پرانے تلفظ سے بار بار کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ یہی حال کسی فکر و نظریہ کے رد و قبول کا بھی ہے۔ جس تصور و نظریہ کو آپ نے پہلے غلط سمجھا تھا لیکن بعد میں وہ صحیح نکلا یا جسے صحیح سمجھا تھا وہ غلط نکلا تو صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط ذہن نشین ہی نہیں بلکہ دل نشین کرنے کے لیے آپ کو ایک اندرونی کشمکش سے گزرنا پڑے گا اور اپنے اندرونی شعور اور خواہش کو اتنا موثر و طاقتور

بنانا پڑے گا کہ وہ صحیح و غلط یا حق و باطل میں فرق و امتیاز کے حقیقی معیار پر کسی موقع پر بھی کوئی سمجھوتہ کرنے کے لیے بھول سے بھی تیار نہ ہو۔

سائنس دانوں اور ماہرین نفسیات کے نزدیک عادت چاہے وہ جسمانی ہو یا ذہنی وہ جتنی مضبوطی سے کسی کے اندر جڑ پکڑے ہوئے ہوتی ہے اس کا دور کرنا اتنا ہی کٹھن ہوتا ہے۔ یہ بات عام طور سے صحیح مانی جاتی ہے کہ بچپن میں جو چیز دل و دماغ پر نقش ہو جاتی ہے اس کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کا زائل کرنا بھی اتنا ہی مشکل ثابت ہوتا ہے جو عادت کسی شخص کے اندر جتنا پہلے رچ بس گئی ہو اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے اتنی ہی طویل مدت درکار ہوتی ہے ادھر آپ نے اسے دبایا ادھر وہ پھراٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ایک بار آپ اس کا سر جھکائیں گے دوسرا موقع ملتے ہی وہ اتنی ہی زور سے سراٹھا کر کھڑی ہو جائے گی۔ اسی لیے کسی خیال یا کسی عادت کو کبھی کبھی دبانے کی بجائے (اگر آپ اسے غلط سمجھتے ہیں تو) کچلنا پڑتا ہے۔

سیکھنے کے وسائل

جس طرح سیکھنے میں اندرونی محرکات کا کلیدی رول ہوتا ہے اسی طرح اس کے وسائل کا بھی سیکھنے والی شخصیت سے بڑا گہرا ربط ہوتا ہے۔ سیکھنے کا سب سے بڑا سبب سے پہلا سبب سے موثر وسیلہ کسی انسان کی اپنی ذہانت و صلاحیت ہوتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ اس کی ذات کا پس منظر بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ سیکھنے کی ذاتی صلاحیتیں اور ذہانت کے لحاظ سے سیکھنے کی سطح بھی متعین ہوتی ہے۔ اس طرح کے کچھ وسائل و اسباب میں سے فرق و تمیز کی صلاحیت، جانچنے کی مہارت، ترجمہ کی صلاحیت اور شناخت کرنی کی صلاحیت شامل ہیں۔ اس میں آپ جن مہارتوں کا اضافہ کر سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔ تجربہ کی صلاحیت، قوت فیصلہ، محسوس کرنے اور بھانپنے کی صلاحیت، Perception ربط و تعلق قائم کرنے کی صلاحیت، معاونت و تعاون کی صلاحیت، تسلیم و توثیق Recognition کی صلاحیت، اندرونی و داخلی تنظیم، یادداشت، (قوت حافظہ) قوت فہم، قوت تخیل اور خود آ مادگی Self Motivation اور انتقال ذہنی وغیرہ۔ یہ وہ مہارتیں اور

صلاحیتیں ہیں جو انسان کے لیے سیکھنے کی راہیں ہموار کرنے میں موثر ترین وسیلہ ثابت ہوتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ صلاحیتیں افراد کے لحاظ سے کھپتی بڑھتی رہتی ہیں اور ان میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ لیکن اپنی ان صلاحیتوں کو کم پاتا ہے تو وہ مرکوزیت Concentration اور غور و فکر یا قوت تفکر Thinking سے اس میں اضافہ کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے اندرونی خواہش پہلی شرط ہوگی۔ خواہش کیا ہے یہ بتایا جا چکا ہے۔

اسی طرح سیکھنے کا ایک اور اہم وسیلہ، جسے لوگ عام طور سے نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن وہ سیکھنے کے عمل کو نتیجہ خیز بنانے میں بہت مفید ثابت ہوتا ہے، یہ ہے کہ ہر وقت فوجی انداز کی تربیت و ہدایت کا اہتمام کیا جائے۔ یہ طرز رہنمائی آدمی کو تربیت کے نقطہ نظر سے بالکل سیدھا اور ہموار کر دیتی ہے۔ اس سے اس کی مجموعی شخصیت کے نشیب و فراز اسی طرح درست ہوتے ہیں جس طرح کوئی رولر سڑک کو دبا دبا کر ہموار اور مسطح کرتا ہے۔ اسی فوجی اصطلاح میں Drill کہا جا سکتا ہے۔ یہ ڈرل یا رہنمائی میکائیکل، موسیقی، سائنس اور فنون لطیفہ کے میدان Artistic Fields میں بھی کام آسکتی ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ آپ اپنی سمجھ بوجھ اور عقل و فہم سے جو کریں گے وہ تو ہے ہی لیکن ساتھ ہی کسی کا مشورہ یا بروقت اصلاح و تنقید یا کسی بزرگ کی تنبیہ و توجیح آپ کی سیکھنے کی صلاحیتوں کو چار چاند لگا سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کسی موجودہ سرگرمی کو اپنے کام کا حصہ نہ سمجھیں اور اسے انجام دینے میں بیزاری محسوس کریں یا اس میں خود کو ملوث کرنے کو ہی وقت کا ضیاع تصور کریں، لیکن اپنے کسی افسر، یا ڈائریکٹر یا رفیق یا معتبر ناقد اور جو ہر شناس مربی کی ہدایت یا مشورہ پر اسے کرنے کا ڈھنگ سیکھ لیں اور اس میں آپ کو لطف آنے لگے تو یہی اضافی صلاحیت آپ کی ترقی کا باعث بھی بن سکتی ہے اور آپ کے دائرہ فہم Learning Capacity کو کئی گنا بڑھا سکتی ہے۔

یہاں دو ایسے اصولوں کا ذکر بہتر ہوگا جو کہ سیکھنے (تعلیم) اور سکھانے (تعلیم) میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ یہ ہیں (۱) آسان سے مشکل کی طرف بڑھنے کا عمل (۲) معروف و معلوم سے غیر معلوم کی طرف بڑھنے کا عمل۔ یہ تعلیم و تربیت کے دو بنیادی اصول ہیں جنہیں عام طور

سے اسکول کی تعلیم میں اپنایا جاتا ہے۔ اور یہی چیز آسان سے مشکل اور اہم اور معلوم و معروف سے گیر معلوم و غیر معروف کی منزل تک پہنچنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔ اسی طرح ماں باپ کی تربیت، مفید ماحول، اعزہ و احباب کے مشورے، افسروں کے احکام، متعلقہ دستاویز، کتابوں رہنمائی اور عام آنے والے واقعات اور قریبی و پسندیدہ لوگوں کے کارنامے Performance ان سب کو ہم سیکھنے کے خارجی وسائل میں شامل کر سکتے ہیں۔

اس طرح کبھی کبھی نئے تجربات بھی سیکھنے کے دروازے کھول دیتے ہیں جو بظاہر بند نظر آتے ہیں جب کسی کے حصے میں مسلسل ناکامی آرہی ہو تو اسے نئے تجربات سے ہچکچانا نہیں چاہیے۔ البتہ اس طرح کے مواقع پر سوچنے کی صلاحیت کا بھرپور استعمال کرنا، ایک ایک جزو کا جائزہ لینا اور نئے پرانے تجربات کا باہم موازنہ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اگر نئے تجربات کے وقت مناسب غور و فکر سے کام لیا جائے اور مقصد سے پوری دلچسپی قائم رکھی جائے تو اس سے کبھی کبھی حیرت انگیز و غیر متوقع نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ بعض بڑے تجربات کرتے ہوئے یا مشکلات کا مقابلہ کرتے ہو وقت کبھی کبھی مقصد سے دلچسپی کو اس حد تک بڑھانا پڑتا ہے کہ سوتے جاگتے اسی کا بھوت سر پر سوار رہے۔ اس سے کبھی کبھی وہ چیز لحوں میں نظر آجاتی ہے جو مدتوں غور و فکر کے بعد بھی ہاتھ نہیں آتی۔ اور اس چیز کو اس مخصوص ساعت ذہن میں یا کسی اور جگہ محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ کیا جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ ہم اسے ہمیشہ کے لیے کھو دیں اور وہ دوبارہ ہمارے ہاتھ نہ لگے۔

کسی چیز کو سیکھنے کے لیے سب سے پہلے خود کا تجزیہ کرنا اور سمجھنا پڑتا ہے اور خود یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ ہمارا دماغ ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔ کبھی کبھی لاشعوری طور پر ہمارے اندر ایک فکر جاگزیں ہوتا ہے۔ جو ہمیں کسی نکتہ کو سمجھانے میں کلید کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ہم خود اس کا تجزیہ کرنے میں اور اس تک پہنچنے میں ناکام رہتے ہیں۔ گتھی کا سرا تلاش کرنے کے لیے اور اپنی سوچ کا بہترین نتیجہ حاصل کرنے کے لیے اپنے اندر کچھ خصوصی صلاحیتوں کو ترقی دینی پڑتی ہے جن میں سب سے زیادہ اہم فکر و نظر ہے۔ اس کا مطلب ہے ذہن کو ان سمتوں میں مرکوز کرنا جو کسی

سوچ کا تجزیہ کر کے اسے کوئی شکل دیتی ہیں۔ فکر کے یہ دھارے خود کار اور خود رو ہوتے ہیں مگر تجزیہ و تنقیح کے عمل سے گزار کر انہیں کام کا بنا کر پڑتا ہے۔ اگر وہ پسندیدہ و مطلوب ہوں تو انہیں نظر انداز کر جائیے ورنہ ان سے آپ کی کچھ پیچیدگیاں مزید بڑھ جائیں گی۔ مفید فکر کو اخذ کرنے یا دماغ کے بیابان سے چننے کے لیے جو عموماً خصوصیت درکار ہوتی ہیں ان کا خلاصہ درجہ ذیل ٹیبل میں فیصد کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔ فیصد سے ضرورت کی شدت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

انگلش متبادل	%
Allocation	80%
Association	60%
Clarification	100%
Classification	60%
Combination	80%
Comparison	100%
Differentiation	100%
Discrimination	100%
Valuation	100%
Examination	80%
Identification	100%
Interpretation	90%
Interrelation	100%
Isolation	95%
Judgment	100%
Recognition	90%
Separation	100%

سیکھنے کے لیے فکری تجزیہ سے متعلق کچھ دوسری صلاحیتیں بھی ضروری ہوتی ہیں۔ جیسے:

- | | | |
|-------------------|-------------------|-----|
| (Ambitions) | اندرونی جذبات | (۱) |
| (Initiative) | اقدام | (۲) |
| (Industriousness) | جفاکشی و سخت جانی | (۳) |
| (Patience) | صبر و تحمل | (۴) |
| (Firmness) | ثبات قدمی | (۵) |
| (Thoroughness) | جامعیت | (۶) |
| (Perseverance) | تسلل | (۷) |

ہم بہترین فکری تجزیہ کے اہم و بنیادی وسائل کو درج ذیل نکات میں سمیٹ سکتے ہیں۔ جو بہترین فکری نتائج پیدا کرنے کے لیے ضروری ہیں:

- (۱) احتیاط و ہوشیاری
- (۲) بہترین اور بروقت فیصلے
- (۳) باریک بینی سے جہات و عناصر کا تجزیہ، تقسیم اور شناخت
- (۴) مقصد کا تعین
- (۵) درجہ بندی و معیار بندی
- (۶) مرحلہ واریت
- (۷) بصیرت

سیکھنا مختلف صورتوں کا ایڈجسٹمنٹ ہے

انسان کی زندگی مختلف النوع ایڈجسٹمنٹوں سے عبارت ہے۔ اس کی راہ حیات میں آنے والے بعض پتھروں کو توڑنا، بعض کو تراشنا، بعض کو بالکل ہٹا دینا اور بعض کو دوسروں کے ساتھ جوڑ کر نئی شکل میں قبول کرنا پڑتا ہے۔ اسی توڑ پھوڑ اور اٹھا چٹخ کا نام ایڈجسٹمنٹ ہے۔ یوں تطابق

پذیریوں Adaptions اور ہموار کاریوں Levellings اور نوع بہ نوع تطبیقات و ترتیب Adjustments ایک سلسلہ ہے جو برابر ہمارے ساتھ لگا رہتا ہے۔ اس ایڈجسٹمنٹ سے انصاف کے ساتھ عہدہ براہونے کا نام کامیاب زندگی ہے۔ اس لیے جب ہم ایمانداری کے ساتھ اس کا سامنا کرتے ہیں تو وہ ہمارے علم و فہم کے معیار کو بلند تر کر دیتا ہے۔

اس ایڈجسٹمنٹ پر اس میں پیش آمدہ حالات کے لحاظ سے یا تو خود کو تبدیل کیا جاتا ہے یا پھر مناسب رسپانس دیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ عمومی تفریقات و امتیازات، رویے میں اختلاف یا تصور اور طریقہ کار میں فطری فرق کی وجہ سے ہمارے ذہن، ہماری عادات اور رویوں میں اپنی جگہ بناتا ہے اور اس طرح ایک فطری نظام کے تحت مسائل کو حل کرنے میں ہماری مدد کرتا ہے۔ لیکن اس ایڈجسٹمنٹ کو تحت الشعور سے شعور میں لانے کے لیے سیکھنے کے تمام عمومی تقاضوں کو پورا کرن پڑتا ہے اور اس ایڈجسٹمنٹ کی عدم صلاحیت یا اسے اپلائی کرنے میں ناکام رہ جانے کے نتیجے میں ہم کبھی کبھی نازک ترین صورت حال میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ہماری کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر پہلے ہمیں ذہنی انتشار اور پھر ذہنی انحطاط تک پہنچا دیتی ہے۔ ایک سروے کے مطابق امریکہ میں ہر سال ایسے ہزاروں، لاکھوں ملتے ہیں جو حقیقی ایڈجسٹمنٹ سے فرار یا اس کے عمل میں ناکام رہنے کی وجہ سے ذہنی انتشار کا شکار ہو کر دماغی علاج کے مراکز میں بھرتی ہو جاتے ہیں۔ نیچے کچھ ایسی ہی کیفیات کی ایک فہرست دی گئی ہے جن سے کامیابی کے ساتھ خود کو نکالنے کے بعد ہی ہم ایڈجسٹمنٹ کے مثبت ثمرات تک خود کو پہنچا سکتے ہیں۔

(۱) یاس و قنوطیت

(۲) عدم تشفی

(۳) اندیشہ زیاں

(۴) اندیشہ ناکامی

(۵) پے در پے ناکامیاں

(۶) شکوک و شبہات

- (۷) ذہنی انتشار
 (۸) ذہنی انحطاط
 (۹) صدمہ و غم
 (۱۰) اندیشہ خطا
 (۱۱) اندیشہ فریب
 (۱۲) احساس کمتری
 (۱۳) جسمانی و ذہنی کمزوری و بیماری
 (۱۴) قوت کار کی کمی
 (۱۵) عدم تحفظ کا احساس
 (۱۶) ذاتی مسائل
 (۱۷) پراگندہ خیالی
 (۱۸) تلون مزاجی
 (۱۹) تلخ مزاجی
 (۲۰) باغیانہ افکار
 (۲۱) تناؤ
 (۲۲) ذہنی و فکری بے ترتیبی

یہ وہ خنڈقیں ہیں جو کسی بھی شخص کے سامنے دوران عمل آ سکتی ہیں۔ کبھی تو ان کا علم پہلے سے ہوتا ہے اور کبھی عین تجربہ کے وقت یہ اچانک ظاہر ہو کر ہمارا امتحان لیتی ہیں۔ اس امتحان میں پورے اترنے کے لیے ان کی مخالف سمتوں میں پورے عزم و حوصلہ اور اندرونی قوت کی مدد سے خود کو ڈھکیلنا پڑتا ہے اور خالق کل سے استقامت کی دعا کرنی پڑتی ہے۔ یعنی ذہنی و قلبی صلاحیت، عزم و ہمت، سچی لگن اور خالص آرزو اور طاقتور طلب و جستجو تک مدعائے کلام ایک بار پھر آ کر رک گیا۔ اس لیے کہ مشکل گھاٹیوں کو سر کرنے والی اور خارزاروں کی اصل فاتح یہی شیء ہے۔ یہاں

تک کہ موت و حیات کے مالک اور کامیابی کی توفیق دینے والے رب رحیم سے مدد کی دعا بھی ہماری اندرونی طلب و خواہش اور داخلی عزم و ارادہ کا ہی مظہر بن کر سامنے آتی ہے۔ مختصر یہ کہ سیکھنے کا عمل اگر جاری رہے تو ان دلدلوں سے بہ آسانی نکلا جاسکتا ہے۔ لیکن انہیں کلیتاً نظر انداز کر کے نہیں بلکہ انہیں تلخ حقائق تسلیم کر کے یا تو ہم ان کے ساتھ ایڈجسٹمنٹ کر کے اپنے لیے راہیں بنائیں یا پھر تبدیلی لانے کی کوشش کریں۔ ہر دو صورتوں میں ہماری ذہانت کا امتحان ہوگا۔

رکاوٹیں

یہیں پران پہلوؤں کی طرف نشاندہی کر دینا بھی مفید ہوگا جو آدمی کو صحیح اور مثبت سمت میں سوچنے سے باز رکھتی ہیں، اس کی فکر کو بالیدہ نہیں ہونے دیتیں اور اس کے اندر کی خوابیدہ صلاحیتوں کے بیدار ہونے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان دہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے حق میں کوئی بھی مناسب فیصلہ نہیں لے پاتا۔ اور جب وہ خود کو فیصلے لینے کی پوزیشن میں پاتا ہے تو اس وقت تک زندگی کا بہت سا راپانی وقت کے پل کے نیچے سے بہہ چکا ہوتا ہے اور یہی چیز اس کی زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی بن جاتی ہے۔ سیکھنے اور سوچنے کی راہ مارنے والے ان پہلوؤں سے حد درجہ محتاط نہ رہا جائے تو وہ ذہن سے زہین آدمی کو پریشان کر کے رکھ دیتے ہیں۔

دوسرے یہ اس سیکھنے کے عمل کو صرف حفظ تک محدود نہ رکھا جائے۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ کچھ چیزیں آپ کو پہلے سے یاد ہوتی ہیں لیکن راہ مارنے والی باتوں سے محتاط نہ رہنے کی وجہ سے آپ عین وقت پر پچیدگی میں پڑ جاتے ہیں۔ تاریخ اور جغرافیہ کے طالب علموں کے ساتھ یہ اکثر ہوتا ہے اور یہی معاملہ قرآن کو بے سمجھے بوجھے پڑھنے والوں کا ہے۔ اس قسم کے قرآن خواں بسا اوقات کسی آیت کا پس منظر معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی ضرورت کے تحت انہیں بے موقع نقل کر کے اپنی جہالت کا بھرپور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اس فکری مغالطہ Thought Traps کے اسباب بنیادی طور سے درج ذیل ہیں:

- (۱) اہم اور غیر اہم میں فرق کرنے کی صلاحیت کا فقدان۔
 - (۲) ضروری تیاری کی کمی۔
 - (۳) کسی کا زکونا مکمل ہی چھوڑ کر مطمئن ہو رہنا۔
 - (۴) ایک ہی طریقہ کار تمام مشکلات کو حل کرنے کے لیے استعمال کرنا۔
 - (۵) متعلقہ و ملحقہ پہلوؤں سے بے خبری۔
 - (۶) کسی کی اندھی تقلید کرنا اور آگے والے کے پیچھے یہ دیکھے بغیر چل دینا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔
 - (۷) مشکلات کے سلسلے میں پہلے سے ہی کوئی رائے قائم کر لینا اور ان پر غور کر کے کوئی نتیجہ نکالنا۔
 - (۸) مسائل پر غیر دانش مندانہ و انتہا پسندانہ رخ اختیار کر لینا۔
 - (۹) یہ طے کر کے بیٹھ جانا کہ ایک خاص قسم کے لوگ اسے سیکھ نہیں سکتے، یا اسے حاصل نہیں کر سکتے۔
- یہ علم و عمل کے مستقل موانع ہیں جن کے ازالے کی بعض تدابیر کی طرف سطور بالا میں رہنمائی موجود ہے۔

مطالعے کی کارگاہ

عام طور سے دل و دماغ کی صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور انہیں صحیح رخ دینے کے لیے کچھ مستقل مشقیں کرنی پڑتی ہیں۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ صحیح عادتوں کو مستحکم ہونے کا موقع ملتا ہے اور غلط عادات و اطوار کو زائل کرنے کا ماحول بنتا ہے۔ ان متواتر مشقوں سے غلط عادتیں کس طرح صحیح عادتوں کے لیے جگہ خالی کر کے باور یا بستر سمیٹ لیتی ہیں ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ انہیں مشقوں میں سے ایک مطالعہ کی مشق ہے۔ مطالعہ دماغ کے خلیے کو کھولتا ہے اور فکری دھاروں کو صحیح رخ دیتا ہے اور ہمارے تصورات کو پختہ کرتا ہے۔ اس سے پہلے سے جے

جمائے غلط خیالات کو اکھاڑنے میں مدد بھی ملتی ہے اور سیکھنے کے مراحل میں ترقی بھی ہوتی ہے۔ یوں مطالعہ سے پوری شخصیت کا ارتقاء ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ درج ذیل کام کیے جائیں:

(۱) ضرورت کے مطابق مطالعہ کیا جائے اور چیزوں کو صحیح تناظر میں سمجھنے کے لیے اس کی طرف دل و دماغ کو یکسو کیا جائے اس بحث میں مطالعہ برائے تفریح کو کوئی مقام حاصل نہیں۔

(۲) مطالعہ کو مطلوبہ سمت میں رکھنے کے لیے موضوع سے متعلق تمام مواد فراہم رکھے جائیں۔

(۳) فراہم شدہ مواد کا بھی جائزہ لیا جاتا رہے اور اس میں وقت کے ساتھ ترقی لائی جائے۔

(۴) مطالعہ کے لیے ایک خاص مقام اور جگہ کا انتخاب کیا جائے اور اسے ایک ایسی تجربہ گاہ میں بدلنے کی کوشش کی جائے جہاں ہم اپنی ذہانت اور دائرہ کار کے لحاظ سے چیزوں کو سمجھ اور پرکھ سکیں۔

(۵) ضروری اصولوں، واقعات، تاریخ اور عناصر کو جتنا زیادہ ممکن ہو، آپ اپنے دماغ میں محفوظ کر لیں اور جو کچھ آپ کی یادداشت میں جائے کوشش یہ ہو کہ وہ کم ہونے کی بجائے زیادہ ہو۔

(۶) جو کچھ آپ پڑھیں یا سیکھیں اور یاد کریں اس کا توجیہ پہلو بھی آپ کی نظروں میں ہو پھر عقلی طور سے آپ اس سے پوری طرح مطمئن ہوں۔ تاکہ وقت پڑنے پر اپنی معلومات سے آپ صحیح نتائج بھی نکال سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ صرف معلومات کا ڈھیر بن کر رہ جائے اور آپ خود اس کی بروقت کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

(۷) علوم و فنون پر اپنے مطالعے سے آپ مناسب رائے قائم کرنے اور خیالات ترتیب دینے کی پوزیشن میں آنے کی کوشش کریں۔ اس سے تمام چیزوں پر تنقیدی نظر رکھنے کی آپ کے اندر عادت پیدا ہوگی اور خود کو اندھی تقلید تک محدود نہ رکھ سکیں گے۔

(۸) مطالعہ میں بھی دوسروں سے رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ لیکن اس میں بھی داخلی محرکات کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

مطالعہ کے سلسلے میں جو سب سے اہم بات ہے وہ یہی کہ وہ ہمیشہ بامقصد ہونا چاہیے۔ مطالعہ کا مقصد جتنا اعلیٰ و ارفع ہوگا اتنی ہی اس میں گہرائی و گیرائی ہوگی اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مطالعہ بامقصد نہ ہو تو اسے مطالعہ کہنا ہی غلط ہے۔ تفریح کرنے یا سفر کرنے میں وقت گزارنا بھی مطالعہ ہے۔ یہ مطالعہ بالکل مختلف ہے جو سیکھنے میں آپ کے لیے کلیدی رول ادا کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ جس طرح مقاصد کے لحاظ سے سیکھنے کی سطح متعین ہوتی ہے اسی طرح مطالعہ کا معیار بھی مقاصد متعین کرتے ہیں۔

سیکھنے میں ارتقاء

عمر کے کسی مرحلے میں آپ اپنے سیکھنے کا دائرہ Learning Capacity اپنی سیکھنے کی حقیقی صلاحیت Learning Ability کو بروئے کار لا کر بڑھا سکتے ہیں۔ آپ کے دائرہ علم و فہم میں وسعت و اضافہ ہر جگہ اور ہر دور میں ممکن ہے بشرطیکہ آپ اس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے خود کو آمادہ کر لیں۔

آدمی زندگی بھر سیکھتا رہے اس کے باوجود وہ انصاف سے دیکھے گا تو سیکھنے کا زیادہ تر حصہ باقی رہے گا۔ اس لیے سیکھنے کے پہرے کو کبھی بھی کسی غلط فہمی میں آ کر روک نہیں دینا چاہیے۔ یہ بات آسان ہے کہ ایک حد کو پہنچ کر صورت حال کو اس انداز میں قبول کر لیا جائے اور اس میں طلب و اضافہ کے لیے ہاتھ پیر مارنا بند کر دیا جائے۔ یا جو کچھ حاصل ہو اس پر اکتفا کر کے بیٹھ رہا جائے۔ یہ سیکھنے کے معاملے میں انتہائی غلط اور مفاہمت آمیز رویہ ہے۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ عشق کے امتحان میں پورا اترنے کے لیے ستاروں سے آگے دوسرے جہاں بھی تلاش کرنا چاہیے اور صورت حال کا بغور جائزہ لے کر یہ دیکھنا چاہیے کہ ابھی آپ اپنے لیے اور کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ اور کس طرح اپنی شخصیت کو مزید ترقی ار نشوونما دے سکتے ہیں۔ یہ طریقہ کچھ خاص

مطالعہ، رہنمائی اور تیاری کا تقاضا کرتا ہے۔ نیچے علم و فہم میں ارتقاء کے تعلق سے ایک آسان سا خط فہم Learning Curve کی مدد سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ ڈائی گرام یہ دکھاتا ہے کہ کس طرح آپ اپنے سیکھنے یا علم فہم کے خط ارتقاء کو تیزی سے اوپر لے جاسکتے ہیں۔ آپ کی مشق و محنت اگر مضبوط بنیادوں پر مستقل و مسلسل ہو تو آپ کے سیکھنے کا گراف ترقی کرتا رہتا ہے اور دن بدن آپ کی لرننگ کپاسٹی بڑھتی رہتی ہے۔ ان میں کبھی کسی مخصوص و ناگہانی واقعہ کی وجہ سے ہیبت زدہ اتار چڑھاؤ آسکتا ہے لیکن یہ کیفیت وقتی ہوتی ہے جس کی تلافی تسلسل اور دوام کی مدد سے کی جاسکتی ہے۔ یہ ارتقاء ابتدا میں بہت تیزی سے آتا ہے (جیسا کہ گراف میں دکھایا گیا ہے) لیکن بعد میں بالعموم وہ تیزی نہیں رہ جاتی۔ لیکن سعی پیہم اور تجدید عمل کی وجہ سے اس میں اضافہ بہر حال ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح کوشش اور صلاحیتوں کے مناسب استعمال سے کسی دماغی کام یا جسمانی عمل (جیسے ٹائپنگ، ڈرائنگ یا ڈرائیونگ وغیرہ) میں علم و فہم کے اپنے گراف کو ہم بلند اور مزید

بلند رکھ سکتے ہیں۔ نیچے گراف میں اسی رویے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور یہ نمایاں گیا گیا ہے کہ جہد مسلسل سے کس طرح ایک ذہن آدمی کم وقت میں زیادہ سیکھ سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس مین اندرونی محرکات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر آپ کا ہدف بہت بلند ہے تو یقیناً آپ کے عزائم بھی بلند ہو گے اور کبھی بھی اپنے ہدف سے نیچے کی کسی چیز پر مطمئن نہیں ہوں گے۔ اس لیے آپ اپنے کسی مقصد یا پروجیکٹ کو گھبرا کر یا بدل ہو کر پس پشت ڈالنے کی غلطی نہیں کیجیے۔

سیکھنے کے مواقع کا استعمال

ایسا اکثر ہوتا ہے کہ آپ وقت پر سیکھنے کے مواقع گنوا بیٹھتے ہیں اور پھر بعد میں اس کی تلافی کرنا چاہتے ہیں لیکن اس وقت آپ کے سامنے ہزار ہا مشکلات آکھڑی ہوتی ہیں۔ آپ کے پاس وقت کم ہوتا ہے۔ سیکھنے کی قوت گھٹ جاتی ہے۔ وسائل قابو میں نہیں آتے اور آپ اس پوزیشن میں بھی نہیں رہتے کہ آپ کو کیا سیکھنا چاہیے اور کیا نہیں۔ ان حالات میں سوچ کو مثبت رخ دینے کے لیے اور سیکھنے کے صحیح راستے پر چلنے کے لیے کچھ بنیادی کام کرنے پڑتے ہیں جو یہ ہیں:

- (۱) ذہن کو مقصد کی طرف بالکل یکسو کر دیا جائے۔
 - (۲) مزید وقت یا مواقع ضائع نہ کیے جائیں۔
 - (۳) ابتدا سے جائزہ لے کر دیکھا جائے کہ کیا کیا چیزیں آپ نہیں سیکھ سکے اور ان کی وجہ سے آپ میں کیا کمی ہے۔
 - (۴) جن چیزوں کو نہ سیکھنے کی وجہ سے آپ خود کو نامکمل یا ناکام محسوس کرتے ہیں ان پر ترجیحی توجہ دیجیے اور فاضل وقت نکال کر ان کی جلد تلافی کرنے کی کوشش کیجیے۔
- مثال کے طور پر ایک کمزور طالب علم کے لیے عام فوٹ شدہ مواقع Missed Opportunities کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں۔
- (۱) حساب کے بنیادی اصول نہ جاننا۔

- (۲) کسی زبان کے بنیادی قواعد (گرامر) سے ناواقف ہونا
- (۳) کسی لفظ کا صحیح تلفظ نہ کر پانا یا اسے صحیح طور سے ادا کرنے کی خواہش نہ رکھنا یا مقامی لہجہ کو ترجیح دینا۔
- (۴) قرأت (ریڈنگ) پر توجہ نہ دینا۔
- (۵) تیز ریڈنگ بالکل نہ کر پانا۔

ان مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ابتدائی لاپرواہی سے کس طرح کسی طالب علم میں بنیادی خامیاں رہ جاتی ہیں۔ اور ان خامیوں کے پس منظر سے پوری طرح آگاہی حاصل کیے بغیر طالب علم کی مایوس کن کمزوریاں دور نہیں کی جاسکتیں۔ اس مظال پر ایک اعلیٰ درجہ کی فیصلوں اور علمی و عملی سرگرمیوں کو قیاس کر سکتے ہیں۔ اور یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کن کن جگہوں پر ہم عام طور سے کاہلی اور تغافل سے کام لیتے ہیں۔

سیکھنے کے سلسلہ میں فوت شدہ مواقع Missed Opportunities کو دوبارہ اپنے لیے مفید بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی کمیوں کا بہت ٹھنڈے دل و دماغ سے جائزہ لیں اور حتی الامکان جھلانے یا مایوس ہونے سے پرہیز کریں جس سے دل و دماغ غور و فکر کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں اور اپنی کمیوں پر قابو پا کر سیکھنے کے نئے امکانات تلاش نہیں کر پاتے۔ کامیابی کی یہی اصل کلیہ ہے۔



ذہانتی آزمائش اور شرح ذہانت

Intelligence Tests & Intelligence

Quotient

”ذہانت“ ان نعمتوں میں سے ایک ہے جس کی ہر انسان آرزو اور تمنا رکھتا ہے۔ کسی بھی میدان میں فرد کی کامیابی کا بڑا انحصار اس کی ذہانت پر ہوتا ہے۔ ایک ذہین آدمی کے لیے کامیابی کے امکانات نسبتاً زیادہ ہوتے ہیں وہ خود بھی کامیاب ہوتا ہے اور اس ادارہ اور منصوبہ کو بھی کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ جسے اس کی خدمات حاصل ہوتی ہیں۔ اسی لیے جہاں ہر آدمی اپنی ذہانت کی جانچ کرتا ہے وہیں ادارے اور کمپنیاں بھی اپنے ملازمین یا ملازمت کے امیدواروں کی ذہانت کا جائزہ ضروری سمجھتی ہیں۔

اسی ضرورت کے پیش نظر مختلف ذہانتی آزمائشیں وجود میں آئیں۔ ان آزمائشوں کے ذریعہ یہ پتہ لگایا جاتا ہے کہ کوئی فرد کتنا ذہین ہے؟ آج کل کیریئر کے انتخاب اور اس کی منصوبہ بندی سے قبل بھی ذہانتی آزمائشیں کی جارہی ہیں۔ ان آزمائشوں کے ذریعہ یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کس کورس میں فرد کی کامیابی کی کیا امکانات ہیں۔ اسے کون سا کورس اور کیریئر منتخب کرنا چاہیے۔ اور کون سا اس کے لیے مشکل ثابت ہو سکتا ہے۔

کسی کی ذہانت کا قطعی تعین ناممکن ہے

گزشتہ باب میں یہ وضاحت آئی ہے کہ ذہانت کی کوئی جامع تعریف بہت مشکل

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کی ذہانت کا قطعی تعین بھی بہت مشکل ہے۔ ایک فرد کسی ایک معاملہ میں غیر معمولی قابلیت کا حامل ہوتا ہے لیکن دوسرے معاملات میں نہایت بدھو ثابت ہوتا ہے۔ بین الاقوامی شہرت یافتہ اسکالر سے بھی زندگی کے عام معاملات میں بسا اوقات بڑی احمقانہ حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ کوئی شخص زبان دانی میں بہترین لیاقت کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن میکانکی صلاحیتوں میں ناکام قرار پاتا ہے۔ یہ مثالیں ذہانت کے قطعی تعین کو بہت مشکل بنا دیتی ہیں۔

لیکن ان استثنائی صورتوں کے باوجود ایک آدمی کی عام ذہنی سطح کا اندازہ لگانا ممکن ہے۔ وہ کتنی جلدی اور کتنی آسانی سے کسی چیز کو سمجھ لیتا ہے؟ اس کا حافظہ کتنا صحیح اور تیز ہے؟ وہ کتنی پھرتی اور تیزی سے کسی چیز کو سیکھ سکتا ہے؟ اپنی معلومات کے مفید استعمال کی اس میں کتنی صلاحیت ہے؟ ان سوالات کے جوابات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ متعلقہ فرد کے لیے اپنے میدان میں کامیاب ہونے کے کیا امکانات پائے جاتے ہیں؟ انہی حقائق کو جاننے کے لیے مختلف ذہانتی آزمائشیں

Intelligence Tests تیار کی گئی ہیں۔

نابالغ بچوں کی ذہانتی آزمائش

ذہانت کی آزمائش بچوں میں بہت آسان ہے۔ بچہ کی عمر جیسے جیسے بڑھتی ہے وہ زیادہ پیچیدہ سوالات کو حل کرنے اور معاملات کو سمجھنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے۔ اور ہر عمر کے بچہ میں معاملات کو سمجھنے کی ایک اوسط صلاحیت ہوتی ہے۔ مثلاً چار سال کا بچہ عام طور پر اشیاء کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ان کی تعداد تین ہے یا چار ہے۔ یہ اوسط صلاحیت ہے۔ اگر کوئی بچہ دو سال کی عمر میں ہی اس صلاحیت کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اوسط سے کہیں زیادہ ذہین ہے اور اگر کوئی چھ سال کا بچہ بھی اس صلاحیت کا مظاہرہ نہیں کر پاتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذہانت اوسط درجہ سے نہایت کم ہے۔

نئے سائنس کے ٹیسٹ

فرانسیسی ماہرین نفسیات نئے اور سائنس نے اس صدی کے اوائل میں مذکورہ بالا

حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بچوں کی ذہانتی آزمائش کا ایک طریقہ ایجاد کیا۔ جسے نئے اور سائنس ٹیسٹ کہا جاتا ہے۔ بعد میں مختلف سائنسدانوں نے اس میں مناسب ترمیمات کیں۔ اس ٹیسٹ میں مختلف نفسیاتی تجربات کے ذریعہ ہر عمر کے لیے کچھ مخصوص آزمائشیں متعین کی گئی ہیں۔ چار سال کی عمر کے ساتھ اگر کوئی آزمائش متعین کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چار سال کا ایک اوسط ذہین بچہ وہ آزمائش حل کر سکتا ہے۔

فرض کیجیے کہ چار سال کے کسی بچہ کی ذہنی آزمائش کرنی ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ چھ سال کے بچہ کے لیے متعین آزمائش حل کرے۔ وہ اگر حل نہ کر پائے تو پانچ سال کے بچہ کے لیے درج آزمائش دی جاتی ہے۔ اس طرح جس عمر کی ذہانتی آزمائش وہ کامیابی سے مکمل کر لے اسے اس کی ذہنی عمر Mental Age کہا جاتا ہے۔

بعض اور زیادہ ترقی یافتہ آزمائشوں میں ذہنی عمر صرف سالوں میں ظاہر کرنے کی بجائے مہینوں میں ظاہر کی جاتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر عمر کے لیے چھ آزمائش مخصوص ہوتی ہیں۔ اور بچہ کو اوپر کی عمر سے آزمائش حل کروائی جاتی ہیں۔ اگر وہ چھ میں سے ایک یا دو آزمائش صحیح حل کرتا ہے تو ہر آزمائش کے لیے دو مہینے دیے جاتے ہیں۔ اور جس عمر کی تمام چھ آزمائشیں وہ کامیابی سے مکمل کرے اس عمر میں یہ مہینے جمع کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی سات سال کا بچہ ہے۔ فرض کیجیے وہ دس سال کی عمر کیا آزمائشوں میں سے ایک آزمائش حل کرتا ہے۔ نو سال کی دو اور آٹھ سال کی تمام آزمائشیں حل کر لیتا ہے، تو چونکہ اس نے آٹھ سال کی عمر کی تمام آزمائشیں حل کر لی ہیں اس لیے اب مزید آزمائشیں حل کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سمجھا جائے گا کہ وہ نچلی تمام آزمائش حل کر لے گا۔ اس لیے اس کی ذہنی عمر اس طرح نکالی جائے گی۔

$$8 \text{ سال تک کی تمام آزمائشیں} \quad 8 \times 12 = 96$$

$$9 \text{ سال کی دو آزمائشیں} \quad 2 \times 2 = 04$$

(ایک آزمائش کے لیے دو مہینے)

$$10 \text{ سال کی ایک آزمائش} \quad 1 \times 2 = 02$$

(۱۰۲ مہینے)

اس طرح اس بچہ کی ذہنی عمر 102 Mantal Age مہینے قرار پائے گی۔
 بچہ کی ذہنی عمر Mental Age اور اس کی فطری عمر Chronicle Age کا تناسب
 اس کی شرح ذہانت (I.Q) کہلاتا ہے۔
 اس طرح مذکورہ مثال میں بچہ کی فطری عمر (۷×۱۲) ۸۴ مہینے ہے اور اس کی ذہنی عمر
 ۱۰۲ مہینے ہے۔

اس لیے اس کا IQ = ۱۰۲ × ۱۰۰ / ۸۴ ہوگا۔

اس طرح IQ فارمولا اس طرح ہوگا۔

$$I.Q. = \frac{\text{Mental Age}}{\text{Chronicle Age}} \times 100$$

شرح ذہانت = ۱۰۰ × ذہنی عمر

فطری عمر

اس طرح ایک اوسط بچہ کی ذہنی عمر اور فطری عمر مساوی ہوگی۔ اس لیے اس کی شرح
 ذہانت ۱۰۰ یا ۱۰۰ کے آس پاس ہوگی۔ کنڈز ہن بچہ کی ذہنی عمر اس کی فطری عمر سے کم ہوگی۔ اس
 لیے اس کا IQ ۱۰۰ سے بہت کم ہوگا۔ اور ایک ذہین بچہ کی ذہنی عمر چونکہ فطری عمر سے زیادہ ہوگی
 اس لیے اس کا IQ ۱۰۰ سے بہت زیادہ ہوگا۔
 IQ کے اعتبار سے افراد کی درج ذیل گروہوں میں درجہ بندی کی جاتی ہے۔

وضاحت	I.Q	گروہ
عجوبہ روزگار صلاحیت، تاریخ ساز کارناموں اور حیرت انگیز کاموں کی صلاحیت۔	۱۴۰ سے اوپر	عجقری Genius
اعلی ترین درجہ کی ذہنی صلاحیت، نمایاں کارناموں کی صلاحیت۔	130-139	اعلیٰ ذہنی Super Intelligent

بہترین دماغی صلاحیت، اونچے درجے کے کاموں اور قیادت و سیادت کی صلاحیت۔	110-119	بہت ذہین Very Intelligent
اوسط سے زیادہ ذہنی کاموں کو کرنے اور اونچی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی صلاحیت۔	90-109	اوسط Average
ذہنی کام کرنے کی صلاحیت کا نہ ہونا۔ جسمانی اور تکنیکی کاموں میں اچھی کارکردگی اور عقل عام کا استعمال ممکن۔	80-89	کند ذہن Dull
ذہنی کام کرنے کی صلاحیت نہ ہونا۔ عام کاموں میں بھی عقل عام کی کمی۔	70-79	مکتر Inferior
لکھنا پڑھنا ممکن۔ اپنی ذمہ داریاں سنبھالنا ممکن۔ روزی کمانا ممکن لیکن ہائی اسکول سطح کی معلومات رکھنا اور بہتر طریقہ سے میٹرک پاس کرنا مشکل۔	50-60	بدھو Moron
کچھ لکھ پڑھ لینا ممکن، بندھے ٹکے فرائض ممکن، آسان کام ممکن، تعلیم دینا بہت مشکل، ذمہ داریاں سنبھالنا بہت مشکل۔	26-49	بے وقوف Imbecile
عام زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ عقل سے مکمل محروم، خطرات سے بچنا بھی ممکن نہیں۔ ۳ سال کے بچہ کی سطح کی عقل۔	25 سے کم	اجمق Idiot

کسی بھی انسانی گروہ میں عام طور پر اوسط یا اوسط سے متصل گروہوں (کنڈزہن، ذہن) کے افراد پائے جاتے ہیں۔ غیر معمولی، ذہنی صلاحیت رکھنے والے افراد کی بھی کمی ہوتی ہے۔ اور نہایت پست درجہ کی صلاحیت رکھنے والے افراد کی بھی۔ مثال کے طور پر ۲۰۰ بچوں پر کیے گئے ٹسٹ کے نتائج ملاحظہ فرمائیے۔

اس طرح جو گراف بنتا ہے وہ شکل میں بتایا گیا ہے۔ اس سے ہ معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً 62.5 فیصد لوگ درمیانی تین درجوں سے متعلق ہوتے ہیں۔

گروہ	تعداد	فیصد
فطین	02	(1%)
اعلیٰ ذہین	06	(2%)
بہت ذہین	13	(6.5%)
ذہین	24	(12%)
اوسط	75	(37.5%)
کند ذہین	24	(12%)
کمتر	13	(6.5%)
بدھو	05	(2.5%)
بے وقوف	02	(1%)
احتمق	01	(0.5%)

بالغ افراد کی ذہانتی آزمائش

چونکہ ۱۸ سال کے بعد ذہانت میں بہت زیادہ ترقی نہیں ہوتی اور معاملات کو سمجھنے کی صلاحیت ایک حد پر پہنچ کر قریب قریب رک جاتی ہے۔ اس لیے ذہنی عمر اور فطری عمر کا یہ تصور بالغ افراد کے لیے قابل عمل نہیں ہے۔

چنانچہ بالغ افراد کی ذہانتی آزمائش کے لیے ہر عمر کے بالغ افراد کے لیے یکساں طور پر کچھ ٹسٹ رکھے گئے ہیں۔ ان ٹیسٹس میں کامیابی کا تناسب ہی ان کی شرح ذہانت IQ قرار پاتا ہے۔

ان آزمائشوں کی دو قسمیں ہیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کے لیے الفا آزمائش اور ناخواندہ لوگوں کے لیے بیٹا آزمائش۔ بیٹا آزمائشوں میں رنگ برنگے لکڑی کے Cubes تصاویر ماڈلز وغیرہ کا استعمال کر کے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ افراد کی ذہنی سطح کیا ہے۔

الفا آزمائشوں میں آزمائش متعین ہتی ہے اور تحریری پرچہ کی صورت میں ہوتی ہے۔
 متعین وقت میں پرچہ حل کرنا ہوتا ہے۔ اور حل شدہ پرچہ کی جانچ کے ذریعہ فرد کا IQ معلوم
 کیا جاتا ہے۔

افراد کی صلاحیتیں گونا گوں ہوتی ہیں۔ اور کامیابی کے لیے مختلف طریقوں سے ذہن کا
 استعمال ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے ایک مکمل ذہانتی آزمائش وہی قرار پائے گی جو مختلف میدانوں
 میں افراد کی ذہنی صلاحیت کی جانچ کرے۔

یہی وجہ ہے کہ عام طور پر ذہانتی آزمائشوں میں مختلف طریقوں سے ذہانت کی جانچ کی
 جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک اہم ذہانتی آزمائش یہاں پیش کی جا رہی ہے۔
 اسے ۳۰ منٹ میں حل کر لیجیے۔ اور حل کرنے کے بعد دیے گئے جوابات سے اپنے
 جوابات کا موازنہ کیجیے۔ درست جوابات کا تناسب آپ کی شرح ذہانت ہے۔

اس کے علاوہ انٹرنیٹ پر بھی بہت سے IQ ٹیسٹ مندرجہ ذیل URLs پر مفت ٹیسٹ
 حل کر کے آپ اپنی شرح ذہانت معلوم کر سکتے ہیں۔

- (1) WWW.Iqestclub.com
- (2) WWW.regulance.com/iq/eng/iqI.html
- (3) intelligencetest.com/quizzes/quizL/index
- (4) bookrags.cim/iqtest
- (5) WWW.queencom.com/iq.html
- (6) highiqsociety.org/common/iqtest.htm

ذہانتی آزمائش

وقت ۲۰ منٹ

☆ مندرجہ ذیل سوالات میں دیے گئے اعداد کے سلسلوں میں ایک خاص منطقی ترتیب
 ہے۔ اس ترتیب کو پہچان کر سوالہ نشان؟ کی جگہ مناسب عدد درج کیجیے۔

- (1) 3,5,8,13,21,?

- (2) 4,5,,8,17,44,?
 (3) 3,4,8,17,33?
 (4) 11,9,7,5,3,?
 (5) 3,6,18,72,306,?
 (6) 30,29,27,26,24,23,21,20,?

☆ اردو رسم الخط کے حروف کے مندرجہ ذیل سلسلوں میں سوالیہ نشان ”؟“ کی جگہ مناسب حروف درج کیجئے۔

حروف: اب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ژ ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک
 ل م ن و ہ ء ی ے بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ۔

(7) ات ج خ؟

(8) ت ج دز؟

(9) ب پ ٹ ج ڈ؟

☆ مندرجہ ذیل سوالات کی خالی جگہوں میں کوئی حرف اس طرح درج کیجئے کہ ذومعنی الفاظ بن جائیں۔

(10) ش ار [] س رت

(11) م ق ص [] ف ت ر

(12) ح ے [] ع ل ی م

☆ مندرجہ ذیل سوالات میں سے ہر ایک میں، ایک کے ماسوا تمام الفاظ میں کوئی مشترکہ خصوصیت پائی جاتی ہے ایک غیر متعلق لفظ کو علیحدہ کیجئے۔

(13) لندن، بغداد، لاہور، دہلی، واشنگٹن []

(14) وہیل، شارک، بھینس، ہرن، شیر []

(15) غالب، اقبال، پطرس، جگر، فیض []

☆ مندرجہ ذیل سوالات میں سلسلہ کو جاری رکھنے والی شکل پہچانئے اور کی جگہ متعین کیجئے۔

(16)

(17)

(18)

(19)

(20)

(21)

(22)

☆ مندرجہ ذیل میں ایک کے ماسوا تمام شکلوں میں کوئی مشترکہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔
علحدہ یا غیر متعلق شکل کو پہچانیے۔

(23)

(24)

☆ مندرجہ ذیل سوالات ۲۵ تا ۲۸ میں سے ہر ایک میں دیے گئے مکتبہ سے مشابہ مکتبہ
پچپائیے۔

(25)

☆ صحیح نتیجہ کون سا ہے؟
۳۰ سال قبل ایک کاریگر کو ایک کرسی بنانے کے لیے ۵ گھنٹے درکار ہوتے تھے آج اسے
اس کے لیے صرف ۳۰ منٹ درکار ہیں۔

- (a) آدمی زیادہ محنتی بن گیا ہے۔
(b) بیروزگاری کے ڈر سے لوگ تیزی سے کام کرنے لگے ہیں۔
(c) کرسیوں کا عرصہ حیات کم ہو گیا ہے۔
(d) پیداوار بہت بڑھ گئی ہے۔
(e) کاریگروں کے پاس فضول وقت بہت تھا۔

- (30) شراب پی کر ڈرائیونگ کرنے سے حادثات ہوتے ہیں۔
(a) لوگ زیادہ شراب پینے لگے ہیں۔
(b) قانونی حدود توڑ کر ڈرائیونگ نہیں کرنی چاہیے۔
(c) شراب پی کر ڈرائیونگ کرنے سے حادثہ کا امکان ۲۰ فیصد ہے۔
(d) شراب ڈرائیونگ کی صلاحیت کو متاثر کرتا ہے۔
(e) شراب زیادہ بکنے لگی ہے۔

- (31) کرسمس کے پیریڈ میں کھلونوں کی فروخت بڑھ جاتی ہے۔
- (a) سردیوں میں بچے گھر کھیلنا پسند کرتے ہیں۔
- (b) کرسمس کے تقریبات نصف تحفے کھلونوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔
- (c) کرسمس میں تحفے میں کھلونے بھی دیے جاتے ہیں۔
- (d) سردیوں میں زیادہ کھلونے بنتے ہیں۔
- (e) بالغ افراد بھی کھلونوں میں دلچسپی لینے لگے ہیں۔

- (32) آج بدھ ہے۔ گزشتہ کل سے چوتھادن کیا ہوگا؟
- (a) اتوار
- (b) منگل
- (c) جمعرات
- (d) جمعہ
- (e) سنپچر

- (33) کون سا چراغ سب سے زیادہ روشن ہے۔
- چراغ A، چراغ B سے کم روشن ہے۔
- چراغ B چراغ C سے زیادہ روشن ہے۔
- چراغ C اتنا ہی روشن ہے جتنا چراغ D
- چراغ B چراغ D سے زیادہ روشن ہے۔
- چراغ D چراغ A سے زیادہ روشن ہے۔
- (a) چراغ A
- (b) چراغ B
- (c) چراغ C
- (d) چراغ D
- (e) کوئی جواب نہیں۔

(34) گزشتہ برسوں سے پہلے کا دن، سنیچر کے بعد تیسرا دن ہے۔ آج کیا دن ہے؟

- (a) اتوار
(b) پیر
(c) جمعہ
(d) جمعرات
(e) سنیچر

(35) سب سے پست قدر کون ہے؟

عثمان اتنا ہی لمبا ہے جتنا عطاء باسط بکر سے پست قدر ہے۔ بکر عطا سے لمبا ہے۔ عثمان باسط سے پست قدر ہے۔

- (a) عثمان
(b) عطاء
(c) باسط
(d) بکر
(e) کوئی جواب نہیں

(36) ایک تاجر 12000 روپیوں میں چائے کی پتی خریدتا ہے اور 15000 روپیوں میں فروخت کرتا ہے۔ ایک تھیلے پر اگر وہ 500 روپیوں کا نفع حاصل کرتا ہے تو اس کے پاس کتنے تھیلے تھے۔

(37) ۸۷ کلوگرام آلودوڈوں میں رکھے گئے۔ ایک ڈبہ کا وزن دوسرے کے مقابلہ میں ۱۱ کلوگرام کم ہے۔ ہلکے ڈبے میں کتنے آلودوڈ تھے؟

(38) • سے ۲۵ تک تمام اعداد کو باہم ضرب دینے سے کیا جواب آتا ہے؟

صحیح جوابات

1. 33	2. 125	3. 58
4. 1	5. 2160	6. 18
7. ذ	8. ط	9. ژ
10. ح یاع	11. د	12. ت
13. لاہور	14. شارک	15. پطرس
16. (c)	17. (d)	18. (b)
19. (a)	20. (c)	21. (e)
22. (c)	23. (c)	24. (e)
25. (d)	26. (b)	27. (d)
28. (c)	29. (d)	30. (d)
31. (c)	32. (e)	33. (b)
34. (c)	35. (e)	36. (6)
37. (38)	38. (0)	

☆☆☆

حافظہ اور اس کی افزائش

Memory and its Development

۱۔ حافظہ Memory کیا ہے؟

ہم نے ماضی میں جو کچھ دیکھا، سنا، پڑھا اور محسوس کیا ہے، اس کو ذہن میں محفوظ کرنے، دوبارہ ذہن میں لانے، سابقہ کی حیثیت سے پہچاننے کی قوت کا نام حافظہ Memory ہے۔

۲۔ حافظہ کی اہمیت

انسانی زندگی میں حافظہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے ذریعہ ہم اپنے علم کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اور زندگی بھر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اپنے تجربات کو یاد رکھتے ہیں اور عدلی زندگی میں انہیں استعمال کرتے ہیں۔ اپنے وعدہ، قرض اور لین دین کے معاملات یاد رکھتے ہیں۔ مختلف صورتیں اور نام، ان کی خصوصیات اور ان سے متعلق دیگر باتیں یاد رکھتے ہیں، دنیا اور اپنے گرد و پیش کے حالات اور واقعات کو یاد رکھتے ہیں اور دنیا سے باخبر رہتے ہیں۔

اللہ کی حلال کردہ اور حرام کردہ چیزوں کو یاد رکھتے ہیں۔ اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات کو یاد رکھتے ہیں۔ تاکہ پاکبازی زندگی گزار سکیں۔

۳۔ حافظہ کی خصوصیات

اچھے حافظے میں مندرجہ ذیل چار خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے۔

(i) یاد کر لینا یا کسی چیز کا ذہن میں آ جانا

اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بات ہم سے متعلق ہو اور ہمیں متاثر کرے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی ذہن پر اچھی چھاپ پڑے۔

(ii) دیر تک یاد رکھنا

کسی چیز کے دیر تک ذہن میں رہنے کے لیے درج ذیل خصوصیات ضروری ہیں:

(الف) مواد معنی خیز ہو۔ اور اس کے معنی و مطلب معلوم ہوں، بغیر سمجھی ہوئی چیز اگر یاد ہو بھی جائے تو جلد ذہن سے نکل جاتی ہے۔

(ب) مواد دلچسپ ہو۔ ہماری طبیعت اور مزاج سے مطابق ہو۔

(ج) دوسرے مواد کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔

(د) تکلیف، الجھن، پریشانی، وغیرہ کا دباؤ نہ ہو۔

(iii) کسی محفوظ چیز کا بوقت ضرورت آسانی اور سرعت کے ساتھ یاد آ جانا۔

(iv) بے کار باتوں کو بھول جانا۔

بیکار باتیں ہمارے حافظہ کو متاثر کرتی ہیں۔ اس لیے اچھے حافظہ کے لیے ضروری ہے کہ غیر فائدہ بخش اور بے کار باتیں ہم فوری بھول جائیں۔

4- اچھے حافظہ کے لیے ضروری شرائط

ماہرین نفسیات نے اچھے حافظہ کے لیے مندرجہ ذیل شرائط بیان کی ہیں۔

(ا) ایسے وقت یاد کیجیے جب تروتازہ اور تندرست ہوں۔

تھکن، بیماری، پریشانی، بیزاری اور صدمہ کی حالت میں یاد کی ہوئی چیزیں یاد نہیں رہتیں۔ اس لیے اہم چیزوں کو یاد کرنے کے لیے ایسا وقت منتخب کرنا چاہیے جب آپ تروتازہ اور ذہنی و جسمانی لحاظ سے تندرست ہوں۔

(۲) مواد میں دلچسپی لیجیے۔

جو بھی آپ یاد کرنا چاہ رہے ہوں، اس میں دلچسپی لیجیے۔ اگر وہ دلچسپ نہیں ہے تو مختلف طریقوں سے اس کو دلچسپ Interesting بنانے کی کوشش کیجیے۔ پہلے دلچسپی پیدا کیجیے پھر یاد کیجیے۔ بغیر دلچسپی کے کوئی چیز زیادہ دیر حافظہ میں محفوظ نہیں رہ سکتی۔

(۳) یاد کرنے کا مضبوط ارادہ کیجیے۔

جو کچھ آپ یاد کرنا چاہ رہے ہوں اس کے یاد کرنے اور یاد رکھنے کی اہمیت پر خود کو اچھی طرح مطمئن کر لیجیے۔ اور اسے یاد کرنے کا نہایت مستحکم ارادہ فرمائیے۔

(۴) مواد پر اپنی توجہ مرکوز رکھیے۔

یاد کرتے وقت اپنی توجہ کو ادھر ادھر بھٹکنے نہ دیجیے۔ خشوع و خضوع کے ساتھ یاد کیجیے کہ نماز ہم کو یہی ٹریننگ دیتی ہے۔ یاد رکھیے ہر بیرونی خیال آپ کے حافظہ پر ایک زبردست وار ہے۔ دشمن کے ان واروں سے ہوشیار رہیے۔

(۵) بے خوفی برقرار رکھیے

ڈریے نہیں، گھبرائیے نہیں، اعتماد بحال رکھیے۔ کسی چیز کا ڈر اور خوف آپ کے حافظہ پر غلط اثر ڈالتا ہے۔ امتحان میں ناکامی کے کوف سے طالب علم امتحان ہال میں پسینہ پسینہ ہو جاتے ہیں اور سب کچھ بھول جاتی ہیں۔ اگر رات میں پڑھتے وقت اندھیرے سے آپ کو خوف ہوتا ہے یا تنہائی میں ڈر لگتا ہے تو اس خوف اور ڈر کا کوئی علاج ڈھونڈیے۔

(۶) مقصد کو پیش نظر رکھیے۔

آپ کا مقصد آپ کے حافظہ پر اثر انداز ہوگا۔ اگر پڑھنے کا مقصد صرف امتحان ہو تو امتحان کے بعد آپ سب کچھ بھول جائیں گے اور اگر آپ کا مقصد علم کا حصول اور زندگی بھر اس کا استعمال ہو تو آپ کے یاد کرنے کے طریقے بھی مختلف ہوں گے اور محفوظ رکھنے کی صلاحیت بھی۔

(۷) سمجھ کر یاد کیجیے۔

زیر نظر مواد کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ بغیر سمجھے یاد کرنے کی کوشش اگر کامیاب ہو بھی تو یہ کامیابی زیادہ دیر پا اور پائیدار نہیں ہو سکتی اور یاد کرنے کا عمل بھی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

(۸) مواد واضح طور پر پیش کیجیے۔

اگر مواد غیر واضح، غیر مرتب ہو تو پہلے اس کو واضح کیجیے۔ مناسب پیرا گراف، سرخیاں، وغیرہ مواد کی وضاحت میں مدد کرتی ہیں۔

(۹) مواد کی تنظیم و ترتیب قائم کیجیے۔

زیر حفظ چیزوں کو اپنی فطرت کے پیش نظر مناسب ترتیب دے دیجیے۔ اور جو چیزیں آپ کو پہلے سے یاد ہوں یا عام مشاہدہ میں ہوں ان سے مواد کو مربوط کیجیے۔ اس کے لیے درج ذیل طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں:

(الف) مختلف چیزوں میں تعلق قائم کیجیے مثلاً

(i) علامہ شبلی کی پیدائش پر غدر ہوا (۱۸۵۷ء) اور وفات پر جنگ عظیم چھٹری (۱۹۱۴ء)

مولانا آزاد پنڈت نہرو (پ ۱۸۸۹ء) سے ایک سال بڑے تھے۔

(اس مثال میں غدر، جنگ عظیم، پنڈت نہرو کے سن پیدائش سے متعلق معلومات کو علامہ شبلی کی سن پیدائش و وفات اور مولانا آزاد کے سن پیدائش کو یاد کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔)

(ii) راشد کا فون نمبر (24680) جفت اعداد پر مشتمل ہے اور اس میں میری عمر ۲۵ سال جمع

کرنے سے حامد کا فون نمبر (24705) حاصل ہو جاتا ہے۔

(اس مثال میں جفت اعداد کی معلومات کو راشد کے فون نمبر یاد کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور راشد کا فون نمبر اور اپنی عمر کی یادداشت کو حامد کے نمبر کو یاد کرنی کے لیے۔)

(ب) مواد کی مناسب درجہ بندی کیجیے۔

(i) شمالی ہند، جنوبی ہند، مغربی ہند، مشرقی ہند، اور شمال مشرق کے منطقوں میں آپ ریاستوں کو تقسیم کر کے ریاستوں کے نام یاد کر سکتے ہیں وغیرہ۔

(ج) دو چیزوں کے درمیان مماثلت، موازنہ یا تضاد کے ذریعہ بھی چیزوں کو یاد کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً

(i) ایک نو متعارف فرد 'الف' کا نام وہی ہے جو میرے چچا زاد بھائی کا ہے۔

دونوں چہروں کو ایک ساتھ ذہن میں یاد کر کے محفوظ کیجیے۔ نام بھی یاد ہو جائے گا۔

(ii) ملک 'الف' کے جھنڈے کو الٹا کر دیکھیے تو ملک 'ب' کا جھنڈا ہوگا۔

(۱۰) ترنم سے یاد کیجیے۔

نظمیں وغیرہ ترنم سے آسانی سے یاد ہوتی ہیں۔ اچھی قرأت قرآن یاد کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ ترنم یا قرأت سے ہم مواد میں ڈوب جاتے ہیں اور دلچسپی کی وجہ سے چیز خود بخود ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔

(۱۱) بعض اوقات کل کو ایک ساتھ یاد کیجیے اور بعض اوقات اجزاء میں تقسیم کر کے۔

ایک ایک چیز الگ الگ یاد کر کے ان کے درمیان تعلق قائم کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے کل کو ایک ساتھ یاد کیجیے۔ ایک چھوٹی سورت، نظم یا اشعار ایک ساتھ بار بار پڑھ کر یاد کرنا زیادہ مناسب ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ آپ ایک ایک مصرع یاد کریں اور پھر ترتیب سے یاد کریں۔

اگر مواد طویل ہو تو طویل مواد کو چھوٹے اجزاء میں تقسیم کیجیے۔ اور ہر چیز کو درج بالا طریقے سے یاد کیجیے۔ اور مختلف اجزاء کے درمیان پہلے اور آخری لفظ کے ذریعہ تعلق قائم کیجیے۔

ایک طویل نظم یاد کرنے کا طریقہ فلو چارٹ (الف) سے واضح ہوگا۔

فلو چارٹ پیج ۱۰۰

(۱۲) تکرار-وقفہ-تکرار

مواد کو بار بار دہرائے، پڑھیے، بار بار پڑھیے، زبانی ذہن میں دہرائیے۔ بار بار دہرائیے۔ بغیر وقفہ کے ایک ساتھ دہرانا غلط ہے۔ تکرار کیجیے یعنی دہرائیے۔ کچھ وقفہ دیجیے۔ پھر دہرائیے۔ پہلے تکرار کی تعداد زیادہ رکھیے، وقفہ مختصر رکھیے۔ پھر وقفہ بڑھائیے تکرار کی تعداد کم کیجیے۔ مثال کے طور پر ایک مضمون چارٹ (ب) کے طریقہ پر ذہن نشین کیا جاسکتا ہے۔ مواد جتنا طویل ہوگا تکرار کی تعداد بھی بڑھے گی۔

(۱۳) اسٹڈیز سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ منٹ میں یاد کی ہوئی معلومات کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ ایک گھنٹے میں تقریباً دو تہائی حصہ اور ایک دن میں نوے فیصد حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔

اس ضیاع سے بچنے کے لیے حفظ کی درجہ ذیل تکنیک پر عمل آوری سودمند ثابت ہو سکتی

ہے۔

(i) معلومات کو اچھی طرح سمجھ کر یاد کر لیجیے۔

(ii) پانچ منٹ کے بعد ایک یا دو منٹ کے اندر، بغیر ڈسٹرب ہوئے یاد کی ہوئی معلومات کے اہم نکات کا اعادہ کر لیجیے۔

(iii) ایک گھنٹے بعد دوبارہ اس عمل کو دہرائیے۔

(iv) تین گھنٹے بعد اور چھ گھنٹے بعد پھر یہ عمل دہرائیے۔

(v) سونے سے قبل پھر ایک بار اعادہ کر لیجیے۔

(vi) دوسرے اور تیسرے روز یاد کی ہوئی معلومات کا دن

میں تین دفعہ اعادہ کیجیے۔

ان شاء اللہ اس کے بعد یہ معلومات طویل

ایڈنبرگ کا اصول

کتنے الفاظ یاد کرنے کے لیے

کتنی دفعہ تکرار درکار ہے؟

تعداد الفاظ

۱۰

۱۲

۱۶

۲۲

۳۶

عرصہ کے لیے آپ کے دماغ میں راسخ ہو جائیں گی۔

(۱۴) کوشش کیجیے کہ یاد کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ حواس استعمال میں آئیں:

سماعت، بصارت، لمس، شامہ اور ذائقہ ان حواس میں سے جن جن حواس کا بھی استعمال ممکن ہو، ضرور کیجیے۔

(۱۵) یاد کیے ہوئے مواد کا اعادہ کیجیے۔

گھنٹوں خاموشی سے پڑھتے رہنا یاد رکھنے کے لیے اچھی عادت نہیں۔ پڑھنے سے زیادہ پڑھی ہوئی چیزوں کو ذہن میں تازہ کرنی سے چیزیں یاد رہتی ہیں۔ ہر ایک گھنٹہ کی پڑھائی کے بعد پڑھے گئے مواد کو (i) لکھ دیجیے یا (ii) زور سے دہرائیے یا (iii) خود سے مواد پر مشتمل سوالات کیجیے یا (iv) مواد کا خلاصہ تیار کر لیجیے۔

(۱۶) مناسب وقفوں کے ساتھ پڑھیے

گھنٹوں مسلسل مت پڑھیے پڑھنے کے عمل کے دوران مناسب وقفے دیجیے۔ اگر چار گھنٹے پڑھنا ہو تو ہر گھنٹہ کے بعد پانچ یا دس منٹ کا وقفہ ضروری ہے۔ اس سے ذہن تازہ دم ہوتا ہے اور مواد محفوظ کرنا آسان ہوتا ہے۔

(۱۷) یاد کرنے کے بعد آرام کیجیے۔

یاد کرنے کے عمل کے بعد آرام یا گہری نیند مواد کو حافظہ میں راسخ کر دیتی ہے۔ اس لیے یاد کرنے کے بعد آرام کرنی یا سونا مفید ہوگا۔

(۱۸) مواد کا عملی زندگی میں استعمال کیجیے۔

اگر کسی چیز کا استعمال نہ ہو تو وہ ذہن سے خارج ہو جاتی ہے۔

اس لیے معلومات کو استعمال کرنے کی تدابیر ڈھونڈنی چاہئیں۔ کسی کا نام یاد کرنا ہو تو اس کا تذکرہ ہمیشہ نام سے کیجیے۔ بار بار نام لیجیے۔ اشعار گفتگو میں استعمال ہوتے رہے تو یاد رہیں گے۔

لوگوں کے نام اور شناخت کیسے یاد رکھیں؟

- (۱) جس سے بھی ملاقات ہو ملاقات و تعارف کے بعد اس کی ذات پر توجہ مرکوز رکھیے۔ ذہن کو دوسری طرف جانے مت دیجیے۔
- (۲) نام اور اس سے متعلق تفصیلات غور سے سنئے۔
- (۳) اس کے چہرہ اور شخصیت کو اچھی طرح دیکھیے اور اس کی شبیہ ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش کیجیے۔ اس کے چہرہ کی منفرد خصوصیات پر توجہ مرکوز کیجیے۔ مثلاً کان، آنکھیں، ناک، دہن، تھوڑی اور رنگ یا چال ڈھال کے منفرد فیچرز۔
- (۴) اس کے چہرہ، خصوصیات اور نام کو ایک ساتھ ذہن میں لائیے اور ایک دو بار ان سب چیزوں کو ایک ساتھ ذہن میں دہرائیے۔
- (۵) اس کی ہم نام کسی ایسی شخصیت کا تصور کیجیے جو آپ کی جانی پہچانی ہو۔ ان دونوں کے درمیان مشترکہ چیزوں کا تصور کیجیے اور دونوں کی تصویریں ایک ساتھ ذہن میں دیکھیے۔
- (۶) اس سے ملاقات ختم ہونے پر چند منٹ یا چند سکنڈ اس کے نام اور شکل کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کے بارے میں سوچیے۔

راستے کیسے یاد رکھے جائیں؟

- (i) راستہ چلتے ہوئے کچھ سوچنے سے بچئے۔ اس طرح سنجیدہ گفتگو وغیرہ سے بھی احتراز کیجیے اور راستہ پر توجہ دیجیے۔
- (ii) جب بھی کوئی موڑ آئے تو چوکس ہو جائیے۔ موڑ کو اچھی طرح ذہن میں رکھیے۔ موڑ کے آس پاس دکانوں کے سائن بورڈز، کھمبے، وغیرہ پر نظر ڈالیے۔ اہم نشانیوں کو نوٹ کر لیجیے۔
- (iii) جب کچھ فاصلہ طے ہو جائے اور آپ سیدھا چل رہے ہوں تو پچھلے راستے اور اہم

موڈوں اور ان کی علامات ذہن میں تازہ کر لیجیے۔

اسی طرح ہر قابل لحاظ فاصلہ کے بعد یہ عمل کیجیے۔

(iv) جب آپ منزل پر پہنچ جائیں تو پورے راستے کے اہم موڈوں اور علامات کو ایک بار ذہن میں تازہ کر لیجیے۔

(v) موڈ پر دائیں مڑیں یا بائیں اس کی بڑی اہمیت ہے اور اکثر اس میں مغالطہ ہوتا ہے۔

(vi) راستہ زیادہ اہم ہو اور بھولنے کے امکانات ہوں تو راستے کا نقشہ اہم علامتوں کے ساتھ بنا کر رکھ لیجیے۔

کسی چیز کو بھولنے سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟

(۱) کسی چیز کو یاد کرنے کے بعد یا تو آرام کیجیے یا سو جائیے۔ اور فوری کسی دوسری چیز کو یاد کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔

(۲) یاد کرنے کے بعد مواد کو اچھی طرح سمجھ لیجیے اور دہرائیجیے۔

(۳) اگر زیادہ عرصہ تک یاد رکھنا ہو تو تھوڑے تھوڑے عرصہ سے اسے دیکھ لیجیے۔ اگر بھول گیا ہو تو پھر یاد کیجیے۔

(۴) غیر ضروری چیزوں کو بھول جائیے اور صرف ضروری چیز کو یاد رکھنے کی کوشش کیجیے۔

(۵) رٹنے سے ہمیشہ بچئے۔ کیونکہ یہ فراموشی کا سب سے قریبی دوست ہے۔

قوت یادداشت کو مضبوط بنانے کا کامیاب ترین نسخہ

امام شافعیؒ جیسے قوی الحافظ شخص کو یادداشت نہ رہنے کی شکایت تھی۔ آپ نے اپنے استاد حضرت وکیع سے اس سلسلے میں دریافت کیا، استاذ کے جواب کو امام شافعی نے یوں منظوم کیا ہے:

شکوت الی وکیع سوء حفظی

فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الہی
ونور اللہ لا یعطی لعاصی
”میں نے امام کبچ سے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی، استاذ نے نصیحت فرمائی
کہ گناہوں سے اجتناب کرو اس لیے کہ علم خدا کا نور ہے اور خدا کا نور کسی گناہ گار کو نہیں
ملا کرتا۔“

قوت حافظہ اور یادداشت کی پختگی کا انحصار انسان کی اپنے سیرت و کردار پر ہے۔ لہذا
ہر وہ شخص جو علم کا شیدائی ہے یا علم سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ
معاصی سے بچے اور اپنے آپ کو پاکیزہ اور صاف طبیعت کا مالک بنائے تاکہ نور الہی اس کے دل
میں جگہ پاسکے۔



منصوبہ بندی کیا، کیوں اور کیسے؟

Planning

موجودہ دنیا مسابقت اور مقابلہ کی دنیا ہے۔ اس دنیا میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ آپ جس میدان میں بھی قدم رکھنا چاہیں پوری تیاری اور استقامت کے ساتھ اپنی قدم جمائے رکھیں، کم تیاری کے ساتھ زندگی کے میدان میں قدم رکھنا گویا ناکامی کو اپنا مقدر بنانا ہے۔ یہ تیاری دو پہلوؤں سے ہونا چاہیے۔ ایک یہ کہ باقاعدہ ہو اور دوسرے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ انہی دو پہلوؤں کے ربط و ترتیب کا نام منصوبہ بندی ہے۔ منصوبہ بندی دراصل انسانوں کی کامیابی کا راز ہے۔ اس حقیقت کے بغیر جو لوگ جیتتے ہیں وہ ناکام و نامراد ہوتے ہیں۔ انسان کی فطرت ہے کہ معیار زندگی اور خوش آمد مستقبل سے متعلق بے شمار خواب اس کی آنکھوں میں مچلتے ہیں۔ ان خوابوں کی تعبیر میں وہ اپنا ایک مقصد متعین کرتا ہے اور مقصد کے حصول کی خاطر اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لاتا ہے۔

منصوبہ بندی کیا ہے؟

منصوبہ بندی ایک جاری عمل ہے جو تسلسل اور ترتیب کے ساتھ مستقل جاری رہتا ہے۔ ماہرین اس کی تعریف مختلف الفاظ میں کرتے ہیں۔ الفرڈ اور بیٹی لکھتے ہیں:

Planning is the thinging process, the organised foresight,
the vision based on the fact and experience that is
required for an intelligent action. (Alford & Beatty)

”منصوبہ بندی سوچنے کا عمل ہے، جو ایک منظم پیش منظر فراہم کرتا ہے، ایک نظریہ جو حقائق اور تجربات پر قائم ہوتا ہے جو کسی بھی حکیمانہ عمل کے لیے ضروری ہوتا ہے۔“

حضرت یوسفؑ نے بادشاہ مصر کے خواب کی تعبیر بتائی۔ بادشاہ جب ان کی صلاحیتوں کا قائل ہوا تو اس نے ملک کے سارے خزانے حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دیے۔ اپنی منصوبہ بندی کے ذریعہ انہوں نے ملک کا انتظام فرمایا۔ اپنی نگرانی میں انہوں نے ایسا بہترین نظام وضع کیا جس کے ذریعہ قحط اور فاقہ کشی سے دوچار ہونے والی قوم ایک بڑی آزمائش سے بچ نکلے۔ اس منصوبہ بندی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اقتدار کی راہ بھی ہموار فرمائی۔ حضرت یوسفؑ کی اس پر حکمت منصوبہ بندی کو مندرجہ ذیل نکات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) آپ نے اناج کو ذخیرہ کرنے اور صرف کرنے کی مدت کا تعین کیا۔

(۲) زیادہ پیداوار کی اہمیت اور بے جا استعمال کے نقصان سے آگاہ کیا۔

(۳) اناج کی حفاظت کا بہترین طریقہ بتایا۔

(۴) اس پوری مدت عمل میں جدوجہد کو مسلسل جاری اور احساس کو بیدار رکھا۔

نبی اقدس ﷺ کی سیرت مبارکہ بھی منصوبہ بندی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے اہل مکہ کے درمیان تیرہ برس تک دعوت و اصلاح کا کام کیا۔ اہل مکہ کی زیادتیوں اور یکطرفہ تغافل کے نتیجے میں آپ ﷺ نے دوسری جگہ منتقل ہو کر اس کار عظیم کو مکمل کرنے کی منصوبہ بندی فرمائی۔ آپ نے مقام عقبہ پر یثرب سے آئے ہوئے چھ افراد کی ایک جماعت کو اسلام کی دعوت دی۔ آئندہ سال تک ان کی تعداد بارہ ہوئی تو حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے درمیان معلم کی حیثیت سے روانہ فرمایا۔ جن کی کوششوں سے یہ تعداد ایک سال کی قلیل مدت میں ۷۵ ہو گئی۔ قبیلہ اوس و خزرج حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان جاں نثاروں نے اسلام اور داعی اسلام کی خاطر اپنی جان تک کی بازی لگا دینے کا عہد کیا اور اس تمنا اور خواہش کا اظہار کیا کہ اللہ کے آخری نبی ﷺ ہمیشہ کے لیے یثرب منتقل ہو جائیں اور اس برکت سے یہ مقام آئندہ مدینہ النبی کہلائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خواہش کو قبول کیا۔ حکم خداوندی پر جب مرحلہ ہجرت درپیش

تھا تو آپ ﷺ نے ایسی منصوبہ بندی فرمائی جو ان حالات کے لیے ضروری تھی اور جس پر عمل پیرا ہو کر مکمل نتائج حاصل کیے جاسکتے تھے۔

(۱) آپ ﷺ نے مسلمانوں کو رازداری بتنے کا حکم دیا اور مکہ سے فردا فردا روانہ ہونے کا حکم دیا۔

(۲) صحابہ کرامؓ میں سے آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کو مکہ میں روکے رکھا اور ہجرت کی رات انہوں نے آپ ﷺ کی معاونت فرمائی۔

(۳) حضرت علیؓ کو اہل مکہ کی امانتیں لوٹانے کی ذمہ داری عطا کی گئی، جب کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ رفیق سفر کی حیثیت سے منتخب ہوئے۔

(۴) آپ حضرت ابوبکرؓ کے گھر پچھلی جانب سے داخل ہوئے۔ مدینہ کے لیے جانے والا عام راستہ چھوڑ کر جنوبی سمت سے طریق یمن کو اختیار کیا، اور پہلا پڑاؤ غار ثور میں ڈالا گیا۔

(۵) غار ثور میں تین دن قیام رہا تا کہ اس عرصہ میں اہل مکہ کی سرگرمیوں کا علم بھی ہوتا رہے اور انعام کی لالچ میں سرگرداں متلاشیوں کی ہمت بھی جواب دے دے۔

(۶) سفر کی رہنمائی کے لیے اس شخص کا انتخاب کیا گیا جو تاحال مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن اپنی امانت اور رازداری کے لیے مشہور تھا۔

(۷) خورد و نوش کی فراہمی کی ذمہ داری حضرت اسماءؓ کی تھی اور ان کی آمد و رفت کے نقوش راہ کو مٹانے کی ڈیوٹی حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ کی تھی جو گلہ ہانکتے تھے۔

ہجرت نبوی ﷺ کا یہ مرحلہ دراصل اسلامی انقلاب کے لیے منصوبہ بندی کا ایک جز تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور نبی کریم کی حکیمانہ تدابیر کے ذریعہ یہ عظیم انقلاب ایک مختصر مدت میں برپا ہوا۔

الف۔ منصوبہ بندی کے عناصر

منصوبہ بندی ایک مستقل عمل ہے جس میں حالات کی تبدیلیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مقصد کی جانب سفر جاری رکھا جاتا ہے۔ مقصد کے حصول کے لیے مطلوبہ معلومات اور ان کا احتساب و جائزہ منصوبہ بندی کا لازمی جز ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل چیزوں کا لحاظ رکھا جانا چاہیے:

- ☆ مقصد کے حصول کے لیے مطلوب وسائل کا اندازہ ہو اور ان کے استعمال کا طریقہ بھی معلوم ہو۔
- ☆ مقصد کے حصول کی راہ میں حائل رکاوٹوں اور ممکنہ مشکلات کا علم ہو۔
- ☆ افراد کی شناخت اور ان کی صلاحیتوں کے استعمال کا طریقہ معلوم ہو۔
- ☆ وسائل، مشکلات اور افراد کے تناسب سے وقت اور کام کی تقسیم کی جائے۔
- ☆ تمام معاملات کا مختلف وقفوں کے بعد جائزہ لیا جائے۔ منصوبہ میں اتنی چمک ضرور ہونی چاہیے کہ مشکل اور غیر متوقع حالات میں بہتر متبادل کیا ہوتا کہ اس کے مطابق رد و بدل کیا جاسکے۔
- ☆ مقاصد کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور معاونین کی ہمت افزائی کی جائے۔

ب۔ منصوبہ بندی کے اقسام

مقاصد اور ان کی اہمیت کے پیش نظر مختلف افراد مختلف مدتوں کے لیے منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ انہیں بنیادی طور پر دو عنوانوں کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ طویل المیعاد منصوبہ بندی Long Term Planning

طویل المیعاد منصوبہ بندی اپنے متعینہ مقاصد کے حصول کی خاطر اپنے آپ کو ایک خاص طریقہ کار کے تحت پانچ یا اس سے زیادہ سوالوں کے لیے پابند کرنے کا نام ہے۔ یہ مدت فرد

- کے حالات اور مقصد کی عظمت کے مطابق طے کی جاتی ہے۔ مثلاً اپنی علمی لیاقت بڑھانے کے لیے کئی اجنبی زبان سیکھنا کسی کے پیش نظر ہے یا پھر کسی مخصوص شعبہ میں اعلیٰ ترین سند حاصل کرنا۔ طویل المیعاد منصوبہ بندی کو درج ذیل نکات کے تحت تقسیم کیا جانا چاہیے۔
- (۱) مقصد کو مختلف چھوٹے چھوٹے اجزاء (منازل) میں تقسیم کیا جائے۔
 - (۲) ہر منزل کو آئندہ منزل سے مربوط رکھا جائے۔
 - (۳) ہر منزل کے لیے واضح ڈیڈ لائن Dead Line متعین ہو۔
 - (۴) منازل کو ربط اور ترجیحات کے تحت تقسیم کیا جائے۔
 - (۵) تمام منازل پر مبنی Flow Chart تیار کیا جائے جس میں ہر مرحلہ کے امور اور طریقہ کار درج ہوں۔

اس چارٹ کو اپنے ٹیبل یا کمرے کی دیوار پر آویزاں کر دیا جائے تاکہ مطلوبہ مقصد اور درپیش مرحلہ اور اپنی رفتار کا اندازہ ہوتا رہے۔

۲۔ مختصر المیعاد منصوبہ بندی Short Term Planning

ایک سال یا اس سے مختصر وقت مثلاً ماہانہ، ہفتہ وار اور یومیہ منصوبہ بندی کو مختصر المیعاد منصوبہ بندی کہا جاتا ہے۔ یہ منصوبہ بندی انسان کو زیادہ متحرک رکھتی ہے اور اس کا جائزہ لینا بھی نسبتاً آسان ہوتا ہے۔

- (۱) کاموں کی اہمیت اور ان کی تکمیل کے پیش نظر ان کے لیے دن ہفتہ یا مہینے کی مدت طے کر لی جائے۔
- (۲) ماہانہ کاموں کو درج کر لیا جائے۔ دیگر مصروفیات کا جائزہ لیتے ہوئے ان کاموں کو ہفتہ وار دن کے اعتبار سے تقسیم کر لیا جائے۔ چھوٹے چھوٹے وقفوں کے بعد ان کا جائزہ لیا جاتا رہے۔ اس طرح کم وقت اور کم توجہ کے ساتھ اہم کاموں کی انجام دہی ممکن ہو سکتی ہے۔

(۳) ہفتہ اور دن بھر میں تکمیل پانے والے کاموں کو بھی دن اور گھنٹوں کے تحت اگر تقسیم کر لیا جائے تو وقت کے ضائع ہونے کا امکان کم رہتا ہے۔ اس طریقہ کے تحت انسان تساہل اور تغافل سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

ج۔ منصوبہ بندی کے مراحل

مقصد کا تعین اور منصوبہ بندی کی قسم طے ہونے کے بعد مکمل منصوبہ بندی کے لیے جو اطلاعات اور وسائل کا اندازہ ہونا ضروری ہے تاکہ ان اطلاعات Informations کے مطابق درپیش مسائل کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اور مقصد کے حصول کی راہ ہموار کی جاسکے۔ ذیل میں ان مراحل کا چارٹ دیا جا رہا ہے جو منصوبہ بندی کے لازمی مراحل ہیں۔ ان میں سے بعض مراحل بنیادی اور ابتدائی ہیں جن کی روشنی میں منصوبہ کے آئندہ مراحل طے کیے جاتے ہیں۔ کچھ مراحل مسلسل اور مستقل جاری رہتے ہیں ان کے تسلسل اور استقلال میں کمی منصوبہ کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس پوری مدت میں نفاذ پر گہری نظر رکھی جانی چاہیے اور ایک متعین مدت کے بعد جائزہ لیا جاتا ہے۔ آخری اور اختتامی مراحل بھی بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ منزل کے قریب ہوتے ہی رفتار میں کمی یا اس طرح کے دوسرے عوامل انسان کو لاپرواہ بناتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں زیادہ تر منصوبے اختتامی مرحلے میں ناکام ہوتے ہیں اور سارا وقت اور محنت ضائع ہو جاتی ہے۔



چارٲ پنج نمبر ۱۱۲

متوازن زندگی

اس دنیا میں تمام بڑے لوگ خواہ ان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اپنی زندگی میں کامیابی اس لیے حاصل کرتے رہے ہیں کہ وہ اپنی بہترین کوششوں کو بہترین نتائج پر صرف کرتے تھے۔ یہ الفاظ دیگر یہ کامیاب افراد اس لیے کامیاب ہوئے کہ انہوں نے اپنی زندگی کو حالات کے اتار چڑھاؤ کے بھروسے پر چھوڑنے کے بجائے حالات کو اپنے مطابق ڈھالا۔ اس دنیا میں اگر آپ کبھی مایوس ہونے لگیں تو اپنے آپ سے یہ کہیے کہ آپ اس دنیا میں سب سے منفرد ہیں۔ آپ کا انداز، آپ کا کردار، آپ کا مزاج، سب سے منفرد اور مختلف ہے۔ اپنی اس انفرادیت کے بارے میں سوچیے اور اس سے لطف اندوز ہوئیے۔

لیکن یہ سوچ اسی شخص میں پیدا ہو سکتی ہے جو ایک معتدل و متوازن زندگی گزار رہا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک عمدہ کامیاب زندگی کا راز ایک متوازن اور معتدل زندگی میں پوشیدہ ہے۔ آپ کی زندگی ایک کتاب کی مانند ہے اور ہر دن گویا کہ ایک صفحہ اب اپنی کتاب زندگی کو متوازن بنانا آپ کی ذمہ داری ہے۔

متوازن شخصیت

متوازن زندگی کی تشکیل میں متوازن شخصیت بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ آپ نے اس بات پر غور کیا ہوگا کہ کچھ لوگ بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں، خیالی پلاؤ پکاتے ہیں، لیکن جب ان منصوبوں کے مطابق اپنے وسائل کو نہیں پاتے تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دوسری جانب ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو نتیجہ اور مقصد کی پروا کیے بغیر کام کیے چلے جاتے ہیں۔

یہ دونوں طرح کے حضرات متوازن شخصیت نہیں رکھتے۔ متوازن شخصیت میں مندرجہ بالا دونوں قسم کی خصوصیات پائی جاتی ہیں، جیسے آپ کے جسم کے دورخ دایاں اور بائیں ہیں۔ آپ میں یہ دونوں طرح طرح کی خصوصیات ہونی چاہیے۔ یعنی آپ قسم اول کی طرح منصوبہ بندی بھی کریں اور وسائل و ذرائع کو کام میں لا کر ان کے مطابق عمل بھی کریں۔

اگر آپ ایک کامیاب شخصیت چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ میں دونوں قسم کی خصوصیات ہوں۔ حالات زندگی سازگار ہوں یا ناسازگار، آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنی شخصیت کو متوازن رکھے۔

یہ دنیا مقابلے کی دنیا ہے۔ جو لوگ اس دنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خیالی پلاؤ پکانے والے نہ بنیں، عمل کرنے والے بنیں۔ وہ باتیں بنانے والے نہ ہوں، کچھ کرنے والے ہوں۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ جتنی زندگی گزر گئی اسے گزر جانے دیجیے اور آئندہ کے لیے ایک متوازن شخصیت والی زندگی گزارنے کی تیاری کیجیے۔ زندگی کے تمام امور میں دلچسپی لیجیے اور ان میں شرکت کیجیے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ ان میں بھرپور دلچسپی اور شرکت کیجیے۔ کیوں کہ اس طرح توازن نہیں رہے گا۔ اس لیے برائے نام دلچسپی اور شرکت کافی ہے تاکہ آپ کو یہ علم رہے کہ آپ کے ارد گرد اس دنیا میں کیا اور کیسے ہو رہا ہے۔

متوازن ذہن

متوازن ذہن ایک لچک دار ذہن ہوتا ہے جو نہ تو اپنے خلاف سن کر طیش میں آتا ہے اور نہ اپنی تعریف سن کر فخر و غرور میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایسا ذہن، خوشی اور غمی میں حق کا فیصلہ کرتا ہے۔ متوازن ذہن ایک صحت مند ذہن ہوتا ہے جس کو جسم انسانی کی مانند ورزش کی ضرورت ہوتی ہے۔ متوازن ذہن کے لیے آپ یہ کیجیے کہ:

(۱) دن میں ایک بار پندرہ منٹ تک اپنے آپ سے اس طرح گفتگو کیجیے کہ میں، مجھے یا

میرا کے الفاظ آپ کی گفتگو میں نہ ہوں۔ اگر یہ گفتگو مشکل لگے تو اسی قسم کا فرضی خط لکھیے۔

(۲) اپنے آپ سے اس طرح گفتگو کیجیے گویا آپ اپنے کسی دوست یا رفیق کار سے بات کر رہے ہیں، لیکن اس بات کا دھیان رکھیے کہ آیا آپ کی اس گفتگو سے وہ پیزا تو نہیں ہوگا۔

(۳) روزانہ نصف گھنٹہ صرف ایک ہی موضوع پر سوچنے کی پریکٹس کیجیے۔

(۴) ہفتے میں کسی ایک دن تمام سوالات کے جوابات صرف ”ہاں“ میں دینے کی کوشش کیجیے۔

اس کے علاوہ ان باتوں پر بھی عمل کیجیے: اول، روزانہ منصوبہ بندی کیجیے، دوم، اس منصوبہ بندی کے مطابق عمل کیجیے۔ سوم، آپ کے دودن بالکل ایک جیسے نہ گزریں۔

حالات سے باخبر ضرور رہیے، لیکن حالات کو اپنے آپ پر سوار مت ہونے دیجیے۔ ان میں کسی وقت خود کو مخاطب کر کے دھیے انداز میں، دھیمی آواز سے گفتگو کیجیے، سوچ کر اور تول کر۔ ہر معاملے میں، جس کا آپ سے بالواسطہ تعلق ہو یا بلاواسطہ، ضرور غور کیجیے اور اس کے بارے میں رائے قائم کیجیے، فیصلہ کرنے کی عادت ڈالیے۔ فیصلہ نہ کرنے اور تذبذب کی حالت میں رہنے سے بہتر ہے کہ آدمی غلط فیصلہ کرے۔

ہنسی، مسکرائیے، اپنے اوپر اور اپنی حماقتوں پر۔ یہ عمل آپ کے پورے جسم پر بڑے مثبت اثرات مرتب کرے گا اور ذہن کو تازگی بخشنے گا۔

متوازن سرگرمیاں

ہر شخص کسی نہ کسی تفریحی سرگرمی کو ضرور اختیار کرتا ہے خواہ وہ بستر پر لیٹ کر خیالی پلاؤ پکانا ہی کیوں نہ ہو۔ اسے خیالی پلاؤ پکانے اور ہوائی قلعے تیار کرنے ہی میں تفریح میسر آتی ہے۔ لیکن ایک عقلمند آدمی اپنی تمام قسم کی پیشہ ورانہ اور تفریحی سرگرمیوں کو متوازن رکھتا ہے۔ وہ ان

میں سے کسی ایک میں شدت اختیار نہیں کرتا۔ یوں بھی اپنی جسمانی و ذہنی توانائی سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی روزمرہ کی تمام سرگرمیوں کو اعتدال و توازن میں رکھے۔

آپ انفرادی معاملات میں گھرے ہوئے ہوں یا اجتماعی معاملات میں، آپ کی سرگرمیاں اپنے معمول پر رہنی چاہئیں۔ اگرچہ کسی اتفاقی یا حادثاتی مصروفیت کی بناء پر آپ اس کے لیے وقت نہ نکال سکیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ آپ کے دماغ میں یہ ضرور ہو کہ میں نے فلاں سرگرمی کو وقت نہیں دیا۔ فرصت ملنے پر اسے اختیار کیجیے۔

بعض غیر معتدل مزاج کے افراد یا تو کافی عرصے تک کسی سرگرمی کو اختیار نہیں کرتے اور مسلسل کام میں مشغور رہتے ہیں یا پھر کام سے بے پرواہ ہو کر طرح طرح کی سرگرمیوں میں لگ جاتے ہیں۔ یہ دونوں رویے غلط بلکہ آدمی کے لیے نقصان دہ ہیں۔

اگر آپ ایک کامیاب زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ آپ متوازن سرگرمیوں کے ساتھ اپنے روزانہ کے معمولات کو اختیار کریں۔

متوازن ازدواجی زندگی

متوازن ازدواجی زندگی سے مراد محض وظیفہ زوجیت کا اعتدال سے ادا کرنا نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کے تعلقات اپنی بیوی، اپنے سسرال سے متوازن ہوں اور ان کے ساتھ معاملات میں اعتدال رہے۔

اپنی بیوی کے ساتھ آپ کا تعلق متوازن ہو۔ نہ تو اس کو محض دبا کر رکھنے کی کوشش کیجیے اور نہ اسے خوش رکھنے کے لیے اس سے دبتے رہیے۔ نہ تو اس کی ہر خواہش کو پورا کیجیے اور نہ اس کی ہر خواہش کو رد کر دیجیے۔ مزاج اور خواہش کو اعتدال میں رکھنا ایک بہت بڑا فن ہے، اس فن کو سیکھیے۔

اس طرح اگر آپ خاتون ہیں تو اپنے شوہر کو ہر دم خوش رکھیے، لیکن اسے خوش رکھنے کے لیے اس کی ہر غلط اور بے جا خواہش پوری کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ اگر اسے کوئی دفتری مسئلہ

درپیش ہو تو اس کو قابل عمل مشورہ دیجیے۔ اسے ہر وقت پریشان کرنے کی بھی کوشش نہ کیجیے۔ جہاں موقع ہو اس کی بات مانیے اور جہاں بہتر سمجھیں شوہر سے پانی بات منوانے پر اصرار کیجیے۔ مگر اعتدال کے ساتھ۔ سسرال والوں سے نہ بالکل کٹ کر رہیے کہ وہ آپ کو ایک مغرور شخص سمجھنے لگیں اور نہ اتنا سر پر سوار رہیے کہ وہ آپ سے تنگ آ جائیں۔ بیوی ہونے کے ناتے ایک عورت کو اپنے سسرال یا میکے سے زیادہ اپنے شوہر کے گھر بار کی فکر ہونی چاہیے۔ یہی ازدواجی زندگی کا توازن ہے۔

متوازن جذبات

جذبات کا انسانی زندگی کے ہر لمحے سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ متوازن و معتدل جذبات کا حامل شخص ایک بھرپور زندگی گزار سکتا ہے۔ تاہم جذبات کو ہر حالت میں اعتدال میں رکھنا ایک مشکل فن ہے۔

متوازن جذبات کا حامل شخص حقیقت شناس ہوتا ہے اور کسی بھی موقع پر بڑی سمجھداری سے اپنے رویے کا اظہار کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف جس شخص کے جذبات اعتدال میں نہ رہیں مثلاً وہ تعریف سننے پر خوشی سے پھولا نہ سمائے اور تعریف کرنے والے کو اپنا مخلص و مربی سمجھے، تنقید کرنے پر آپے سے باہر ہو جائے اور تنقید یا نصیحت کرنے والے کو اپنا سب س بڑا دشمن سمجھے، ایسا آدمی زندگی کی دوڑ میں صحیح رخ اختیار کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ ایسا غیر معتدل مزاج والا آدمی جذبات کی رو میں بہہ کر اپنی کامیابی کے راستے میں گڑھے کھودتا چلا جاتا ہے۔

لہذا اگر آپ متوازن جذبات کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اپنے منہ اور مثبت جذبات کو قابو میں کرنا سیکھیے۔ تعریف پر خوشی سے جھوم جھوم نہ جائیے۔ بلکہ اس بات کا جائزہ لیجیے کہ تعریف کرنے والا آپ کی تعریف کیوں کر رہا ہے؟ اور کیا واقعی آپ کے اندر یہ خوبیاں ہیں؟ کسی تنقید یا نصیحت پر غصے میں نہ آئیے بلکہ اپنے اوپر نظر ڈال کر سوچیے کہ کیا واقعی اس تنقید میں حقیقت ہے اور اپنی اس کمزوری کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟

حقیقت شناس بنیے! جذبات کی رو (منفی اور مثبت دونوں طرح کے جذبات) میں بہہ جانے کی عادت چھوڑ دیجیے۔

زندگی کا کوئی مسئلہ درپیش ہو یا کوئی فیصلہ کرنا ہو تو جذبات کو سامنے رکھ کر فیصلہ نہ کیجیے، حقیقت کا ادراک کرنا ہو تو جذبات کو سامنے رکھ کر فیصلہ نہ کیے۔ حقیقت کا ادراک کرنا سیکھیے۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ استخارہ کی صورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے مشورہ کیجیے اور پھر اس کے مطابق اقدام کیجیے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے والدین اور قابل بھروسہ بزرگوں اور دوستوں سے بھی مشورہ کیجیے۔

متوازن دوستی

اول تو آپ کا ہر ایرے غیرے کو دوست سمجھ لینا ہی غلط ہے۔ کسی سے سلام دعا ہونا، تعلق و رابطہ ہونا الگ چیز ہے۔ واضح رہے کہ سلام و دعا اور ربط و تعلق تو زندگی میں سیکڑوں ہزاروں افراد سے ہو سکتا ہے، لیکن دوستی بہ مشکل دو چار افراد ہی سے ہوتی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے ’متوازن دوستی‘ کے لیے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

دوستی کے سلسلے لڑکپن اور جوانی میں زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن شادی اور ملازمت کے بعد ان میں کافی کمی آ جاتی ہے۔ دوستی میں توازن کے لیے ضروری ہے کہ آپ ہر وقت اپنے دوست کی بیٹھک میں نہ رہیں۔ اس کا کوئی معاملہ ہو، ہر ایک میں ٹانگ نہ اڑائیں اور اپنے بھی تمام چھوٹے بڑے معاملات میں اسے مت ملوث کیجیے۔

تاہم کچھ دوست ایسے ہیں جو کو اپنا بنا نا ضروری ہے۔ لیکن کون اپنا ثابت ہو سکتا ہے، اس کا فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کیجیے بلکہ اس سوال کے جواب کا انحصار آئندہ آنے والے وقت پر چھوڑ دیجیے۔ اس سوال کا جتنا بہتر جواب آنے والا وقت دے سکتا ہے، کوئی نہیں دے سکتا۔

متوازن بجٹ

ایک حدیث ہے کہ میانہ روی اختیار کرنے والا کبھی مفلس نہیں ہو سکتا۔ یہ میانہ روی ہی

اصل میں متوازن بجٹ ہے۔

لوگ اپنی کم آمدنی کاروناروتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ میانہ روی سے انحراف کا رونا روتے ہیں۔ آپ کی آمدنی قلیل ہو یا کثیر اپنے پاؤں اپنی چادر دیکھ کر پھیلائیے۔ اس طرح آپ اپنی قلیل آمدنی میں بھی ایک متوازن زندگی گزار سکتے ہیں۔

متوازن بجٹ بنانے کے لیے سب سے پہلے اپنی متوقع ماہانہ آمدنی کا حساب لگائیے اور پھر اس میں سے کچھ حصہ آئندہ اچانک یا اتفاقی اخراجات (بیماری، شادی وغیرہ) کے لیے بچالیں۔ باقی رقم کو اپنے کھانے، پینے، پہننے اور دیگر اخراجات کے لیے رکھ چھوڑیے۔ کھانے پینے کے لیے ضروری نہیں کہ آپ روزانہ پلاؤ اور گوشت کا سالن کھائیں۔ کبھی گوشت، کبھی سبزی اور کبھی دال پر گزارہ کیجیے۔ اپنی آمدنی کے مطابق اس کا ایک شیڈول بنائیے۔ ایسا کرنا نہ صرف آپ کی جیب کے لیے فائدہ مند ہوگا بلکہ صحت کے لیے بھی مفید ثابت ہوگا۔ اس اصول کو کپڑے لٹے اور دیگر اخراجات کے وقت بھی پیش نظر رکھیے۔

متوازن بجٹ کا بڑا گہرا تعلق برکت سے بھی ہے۔ اللہ کی عبادت کیجیے اور اس سے اپنے رزق میں برکت کی دعا مانگئے۔



وقت کی تنظیم

Time Management

وقت اپنی ایک مخصوص رفتار اور تسلسل کے ساتھ انسانی زندگی کا حصہ بنتا جاتا ہے۔ جب یہ رخصت ہوتا ہے تو گزرا وقت کہلاتا ہے اور جب منتظر ہوتا ہے تو آئندہ وقت کہلاتا ہے۔ وقت کی یہ دونوں قسمیں انسانی دسترس سے باہر ہیں۔ اس لیے کہ گزرے وقت پر کف افسوس ملنے کے سوانہ کچھ کیا جاسکتا ہے اور نہ آئندہ وقت کی ضمانت ہے کہ وہ مہلت عمل دے۔ اس کی منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے مگر اسے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ قابل استعمال اور قابل قدر وقت وہ ہے جو گزر رہا ہے اور اپنے اپنے ساتھ حیات انسانی کے لمحات کو مختصر کر رہا ہے۔

وقت ہر انسان کی اپنی متاع ہے جو بلا امتیاز اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کے حوالہ کر رکھی ہے۔ فرد کی دانشمندی یہ ہے کہ وہ اس کا صحیح استعمال کرے۔

أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ.

(فاطر: ۳۶)

”کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس میں اگر کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے

سکتا تھا اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی آچکا تھا۔“

اللہ تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتا ہے، اسی کے مطابق اسے عمر اور وسائل بھی عطا کرتا ہے۔ ان وسائل کے استعمال میں غفلت اللہ تعالیٰ کے احسانات کی ناشکری ہے۔ قرآن و سنت میں وقت کی اہمیت کو مختلف پہلوؤں سے اجاگر کیا گیا ہے۔ متعدد ہی سورتوں کے آغاز میں

اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمیں کھائی ہیں۔ سنت نبوی ﷺ نے بھی وقت کی قدر و قیمت پر زور دیا ہے۔ قیامت کے دن انسان کو احترام وقت کے متعلق اللہ کے حضور جوابدہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

قیامت کے دن کوئی بھی شخص اپنی جگہ سے ہل نہ سکے گا جب تک کہ پانچ سوالوں کا جواب نہ دے دے۔ عمر کہاں گزاری؟ جوانی کس کام میں کھپائی؟ مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟ (ترمذی)

اسلامی فرائض و آداب ایک مومن کی تربیت اس پہلو سے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرماں بردار بنا رہے اور انسانیت کے درمیان اپنے نبی کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اپنی شخصیت کو جاذب و موثر بنائے رکھے تاکہ انسانیت اس معیار مطلوب پر اپنی تعمیر کے لیے متوجہ رہے۔ اسلامی فرائض و آداب مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی ادائیگی ایک مخصوص وقت پر ہوتی ہے۔

وقت کی تقسیم و تنظیم کے بغیر کامیاب زندگی کا تصور محال ہے۔ انسان اپنی مختلف سماوی و معاشرتی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں وقت کے ہاتھوں مجبور ہے۔ کامیابی کا راز یہ ہے کہ جو کام جس اہمیت اور ترتیب کا حامل ہو اس کو اسی اہمیت اور ترتیب کے ساتھ ادا کیا جانا چاہیے۔ بعض کام متعین اوقات کے پابند ہوتے ہیں، بعض کے لیے وقت متعین نہیں ہوتا۔ اس طرح کچھ ام عجلت کے طالب ہوتے ہیں اور کچھ کے کرنے میں مناسب وقت کا انتظار ہوتا ہے۔ اگر وقت کی مناسب تقسیم اور کاموں کی درجہ بندی نہ کی جائے تو کاموں کے درمیان تصادم عین ممکن ہے جبکہ تقسیم کار اور تنظیم وقت کاموں کی بہتر ادائیگی اور مناسب انجام دہی کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے۔

وقت کی تنظیم و تقسیم کے ذیل میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں۔

شیڈولنگ Scheduling

کسی بھی کام کی تکمیل اس وقت تک عملاً مشکل ہے جب تک اس کے لیے وقت نہیں

نکالا جاتا ہے۔ جب کسی کام کے لیے وقت نکالا جاتا ہے تو اس کی تکمیل کے امکانات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

انسان کی روزمرہ زندگی میں کاموں کی ایک متعین فہرست ہوتی ہے۔ کاموں کی تکمیل کے ساتھ یہ سہرست بجائے مختصر ہونے کے طویل ہوتی جاتی ہے۔ ہر لمحہ سابقہ تجربات، نئی ذمہ داریاں، امنگ و حوصلہ، خواہشات اس فہرست میں نئے کاموں کا اضافہ کرتے ہیں۔ اوقات کی مناسب تقسیم Scheduling کاموں کے درمیان ربط کو باقی بھی رکھتی ہے اور اس کی تکمیل کے امکانات میں اضافہ بھی کرتی ہے۔

ہمیشہ اپنے کاموں کی فہرست Check List بنا لیجیے۔ بہت ساری ذمہ داریوں کو ذہن میں محفوظ رکھنا آپ کے لیے ممکن نہیں ہے۔ دن بھر میں کئی واقعات رونما ہوتے ہیں۔ اور آپ ان کے بیچ الجھے رہتے ہیں۔ سارے کاموں کا ذہن میں محفوظ رکھنا ہم میں سے اکثر لوگوں کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر کاموں کی فہرست تحریر کرنا، ان کو یاد رکھنے کا آسان طریقہ ہے۔ آپ کی سہولت کے پیش نظر آپ پہلی فہرست ان کاموں کی بنائیے جو آپ اس ہفتہ ختم کرنا چاہتے ہیں، دوسری ان کی جو اس مہینہ میں اور تیسری ان کی جو اس سال ختم کرنا ہوں۔

☆ اپنی فہرست کا ایک موثر وقفہ کے بعد جائزہ نہایت ضروری ہے۔ ہفتہ وار فہرست پر ہر روز، جب کہ ماہانہ فہرست کا ہفتہ میں دو مرتبہ جائزہ لیتے رہیے۔ اس طرح سالانہ فہرست کا بھی کچھ وقفوں بعد جائزہ ضرور لیجیے۔

☆ اس بات کا پورا خیال رکھیے کہ کاموں کی پیچیدگی کے مطابق ان کے لیے وقت نکالنا ہے۔ کسی کام کے مطابق اسے لیے صحیح وقت کا اندازہ لگانا تجربہ کے بعد ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ وقت کا اندازہ قائم کرنے میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ نہ یہ بہت زیادہ ہونہ بہت کم۔

☆ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم میں سے ہر فرد ایک حیاتیاتی گھڑی Biological Clock

سے گزرتا ہے۔ ہم میں سے بعض افراد صبح کاموں کو دل جمعی کے ساتھ کرتے ہیں تو بعض دوپہر اور شام میں چاق و چوبند رہتے ہیں۔ آپ اپنے بہترین وقت Prime Time کا پتہ لگائیے جب آپ بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

ترجیحات Priorities

ہمارے کاموں کی فہرست کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان میں اکثر کام ہماری خواہشات اور جذبات سے وابستہ ہوتے ہیں۔ ہمارے عزائم جب بلند ہوتے ہیں تو ہر کام کی تکمیل میں اپنا حصہ ادا کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ اس حقیقت کو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا میں مختلف کاموں کے لیے مختلف صلاحیتیں درکار ہیں اور ان صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں بانٹ دیا ہے وہ کام جس کو ہم کرنا چاہیں وہ ہو جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ کاموں میں سے اہم ترین اور نہایت ضروری کاموں کا لحاظ کرنا ہمارے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کو سامنے رکھتے ہوئے مقصد اور نصب العین سے وابستہ کاموں کو ہی اہمیت دی جانی چاہیے۔ اس کے لیے کاموں کی درجہ بندی ضروری ہے۔ اس درجہ بندی کی مناسبت سے کاموں کے ساتھ ABCD کی ترجیحات طے کر لی جائیں۔ ممکن ہے کہ اہمیت اور ضرورت کی وجہ سے آپ کے کچھ کاموں کی ترجیح A قرار پائے گی ایسے موقع پر ان تمام کاموں کو جو ترجیح A میں داخل ہیں ایک مرتبہ پھر جائزہ لیں اور زیادہ اہم کام کے ساتھ 1 اور اس سے کم اہم کام کے لیے 2 اور اسی طرح ترجیحات طے کر لیں۔

آپ کے کاموں کی ترجیحات طے ہو جانے کے بعد یہ آپ پر واضح رہے گا کہ کون سا کام کب آپ کے لیے ضروری ہے اور اس کی تکمیل آپ کو اپنے اہداف سے کتنا قریب کرتی ہے۔

حد فاصل Deadlines

ہم جانتے ہیں کہ کسی کام کے ساتھ اس کی ادائیگی کی آخری تاریخ کا رشتہ بڑا اہم

ہوتا ہے۔ آ کر تاریخ کسی منصوبہ کو خیال سے عمل میں تبدیل کرنے میں بڑی معاون ہوتی ہے۔ بلکہ اس منصوبہ کی تکمیل میں بڑا اہم کردار بھی ادا کرتی ہے۔ اس بات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حکومتیں ٹیکسیس، بلس وغیرہ جمع کرنے کے لیے جو آ کر تاریخیں تجویز کرتی ہیں، وہ کارکردگی کے لحاظ سے بڑی سود مند ثابت ہوتی ہیں۔ ہم میں سے بیشتر لوگوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ جب کسی کام کی الٹی گنتی Negative Countdown شروع ہوتی ہے تو ہماری سرگرمی تیز ہو جاتی ہے۔ مثلاً طلبہ امتحان سے قریب تر جو تیار کرتے ہیں وہ دوسرے دنوں کے بالمقابل زیادہ تیز ہوتی ہے۔

اگر آپ کے پاس کسی چھوٹے سے کام کی تکمیل کے لیے ایک دن بچا ہے تو اسے آپ دن بھر میں کریں گے۔ حالانکہ یہی کام آپ دو تین گھنٹوں میں بھی کر سکتے ہیں۔ کام اور ان کی انجام دہی سے متعلق یہ بات ہم پر واضح رہنی چاہیے کہ کام بڑے چکدار ہوتے ہیں آپ جتنا وقت ان کے لیے نکالیں، یہ اپنے اندر سمو لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے کام انسان اپنی موت تک بھی باوجود خواہش کے مکمل نہیں کر سکتا۔

آخری تاریخیں ہمیں اپنے کاموں کی انجام دہی کی طرف بلاشریک غیر متوجہ رکھتی ہیں۔ کسی کام کی تکمیل کا متعین وقت جب قریب آ جاتا ہے تو ہم فکر مند ہوتے ہیں۔ اس دوران اس کی منصوبہ بندی اور اس کام کی مختلف جزئیات کو طے کرنا ہمارے لیے آسان ہوتا ہے۔ آپ محسوس کریں گے کہ اگر آپ اپنے کاموں کے لیے Deadlines طے کرتے ہیں تو آپ کی کارکردگی اور نتائج پر اس کے بے شمار مثبت اثرات پڑیں گے۔

’دہیں، کہنا بھی سیکھئے۔‘

ہم میں سے اکثر افراد بیک وقت کئی کاموں کو مکمل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہماری یہ خواہش فطری ہوتی ہے۔ یہ دراصل ہمارے جوش، حوصلہ، امنگ اور بے شمار نامکمل اہداف کے در عمل کے طور پر ابھرتی ہیں۔ اکثر خواہشات نفسیاتی ہوتی ہیں اور بعض لوگوں کی ہم سے وابستہ

توقعات کی صورت میں رونما ہوتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں ہم اپنے طے شدہ کاموں کے علاوہ اپنی خواہشات اور لوگوں کی توقعات پوری کرنے میں اپنے آپ کو مستعد ثابت کرنے میں پورا زور صرف کرتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر نفی، شکست خودی کے طور پر ہمارے سامنے آتی ہے۔ جس کا کسی صورت میں سامنا ہم نہیں کرنا چاہتے۔ وقت کا دباؤ ہم پر بڑھنے لگتا ہے۔ پھر وقت کی کمی ہمارا وطیرہ بن جاتی ہے، بننے کام بگڑنے لگتے ہیں۔ نتیجتاً خود اعتمادی بھی ہوا ہو جاتی ہے۔ اور دیگر لوگوں کا ہم پر سے اعتماد بھی کم ہوتا جاتا ہے۔ لہذا تکلفات سے باہر نکل کر آئیں اور اپنی خواہشات اور لوگوں کی توقعات کو اپنی قوت اور استطاعت پر پرکھیں، جہاں توقعات اور خواہشات بھاری ہوں وہاں تکلفاً اس کو قبول کرنے کے بجائے ’نہیں‘ سے کام لیا جائے۔ اور جہاں ممکن ہو پوری خوش دلی سے ان خواہشات اور توقعات کا احترام کیا جائے تو یہ ہمارے اعتماد کو بڑھانے میں مفید ثابت ہوگی۔

اے داغ تکلف میں ہے تکلیف سراسر

تساہل Procrastination

اگلے وقتوں کی بات ہے ایک بادشاہ نے اپنے مشیروں سے دریافت کیا کہ کسی بھی کام کو کرنے کے لیے بہترین وقت کون سا ہے؟ خود غرض مشیروں نے چاند اور ستاروں کا میل اپنے زائچے سے کیا اور بادشاہ کی خوشامد کرتے ہوئے دن رات کے مختلف اوقات تجویز کیے۔ لیکن بادشاہ کے سب سے دانا مشیر نے کہا ”صحیح وقت پر صحیح کام کیا جائے“۔ The right thing at the riht time بادشاہ نے دریافت کیا کہ صحیح وقت کونسا ہے؟ دانا مشیر نے کہا صحیح وقت وہ ہے جو انسان کی گرفت میں ہے۔ یعنی ابھی Now is always the right time لیکن یہ ہم سب کی عام بیماری ہے کہ کام طے ہو جانے کے بعد اسے شروع کرنے کے لیے کسی مناسب وقت کے انتظار میں ہم بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ تساہل شخصیت کے لیے انتہائی نقصان دہ ہوتا ہے۔

تساہل پر قابو کیسے پایا جائے؟

تساہل یا ٹال مٹول کی وجوہات پر ہم اگر غور کریں تو بنیادی طور پر دو وجوہات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک کاموں کا غیر جاذب Unpleasant ہونا اور دوسرے ان کا الجھا ہوا Complex ہونا ہے۔ جس سے فطری طور پر ہم ان کاموں کو کرنے کے لیے تیار نہیں رہتے۔ اور انہیں سرد خانے میں یا آنے والے کل پر ڈال دیتے ہیں۔ ان دونوں وجوہات میں غیر جاذب کام زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ اپنے کاموں کو محض ان وجوہات کی بنا پر ٹالنا اچھی علامت نہیں ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ کام پانی جاذبیت بھی کھودیتے ہیں اور مزید الجھ کر رہ جاتے ہیں۔

اگر کام غیر جاذب محسوس کریں تو:

- ☆ طے شدہ کام کے مشکل مراحل کو پہلے طے کر لیں۔
- ☆ کام کا تجزیہ کریں اور غیر جاذب عناصر کا جائزہ لیں کہ ان میں آپ کے لیے جاذبیت کیوں نہیں ہے۔
- ☆ پورے کام کو ذیلی عنوانات میں تقسیم کریں، اب ان میں سیہر عنوان کو آپ محض ایک مختصر مدت وقت میں طے کر سکتے ہیں۔
- ☆ اپنے لیے ایک حد فاصل (ڈیڈ لائن) طے کر لیں۔
- ☆ دوسروں کے سامنے آپ مختلف موقعوں پر اس عزم کا اظہار کریں کہ آپ اس کام کو متعین مدت میں مکمل کر لیں گے۔
- ☆ ہر ذیلی عنوان (حصہ) کے اختتام پر اللہ کا شکر ادا کریں اور آئندہ کی تکمیل کے لیے اس کی مدد طلب کریں۔ اس سے آپ کا اعتماد بحال رہے گا۔
- ☆ اپنے کام کے لیے اپنے کسی ساتھی سے تعاون حاصل کرنے میں شرمائیں نہیں۔
- ☆ کام کے تاخیر سے تکمیل پانے اور ابھی مکمل ہو جانے میں جو فرق (نقصان کی شکل

میں) ہے اسے نوٹ کریں اور محسوس کریں۔

بعض مرتبہ کچھ کام بڑے پریچ اور الجھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، کسی کام میں تساہل اور ٹال مٹول کی یہ دوسری بڑی وجہ ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر یہ الجھاؤ ہمارے ذہن و دماغ پر اس طرح حاوی رہتا ہے کہ ہم آسانی سے اس بات کا اندازہ قائم نہیں کر سکتے ہیں کہ کام کو کہاں سے اور کیسے شروع کیا جائے؟ اور ہم اس الجھن کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ بھی نہیں ہوتے جو تساہل کا سبب بنتا جاتا ہے۔

کاموں کی الجھن کا خوف کیسے دور کریں؟

- ☆ مفوضہ کام کو چھوٹے چھوٹے مراحل میں تقسیم کر لیا جائے۔
- ☆ ایک وقت میں ایک مرحلہ کو طے کرنے کی کوشش کی جائے۔
- ☆ ہر مرحلہ کو مزید اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ایک قلیل وقت میں اسے پورا کیا جاسکے۔
- ☆ ذہن و مزاج کے موافق ہونے کا انتظار کرنے کے بجائے اسے شروع کرنے پر زیادہ زور دیا جائے۔ اس خوشی کو قبل از وقت محسوس کرتے رہیں جو اس کام کے مکمل ہونے پر حاصل ہونے والی ہے۔

تضییع اوقات Time Wasters

اگر ہم سے یہ معلوم کیا جائے کہ سال کے کل ۸۷۶۰ گھنٹے ہم نے کہا اور ایسے صرف کیسے؟ تو ہم بمشکل ان کا حساب بتا سکیں گے۔ ہم میں سے ہر فرد اپنی چند مخصوص عادتوں کی وجہ سے پانے اوقات کا ایک بڑا حصہ ضائع کر دیتا ہے۔ یہ تضییع اوقات Time Wasters کے عوامل ہماری انفرادی اور معاشرتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر فرد کے ساتھ یہ عوامل اور ضائع ہونے والے وقت کی مقدار مختلف ہوتی ہے جو اس فرد کے نفسیاتی حالات، عادات و اطوار سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر ان عوامل پر قابو پایا جائے تو بہت سارا وقت بچانے میں ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔

وقت ضائع کیوں ہوتا ہے؟

- ☆ ہمارا نصب العین اور متعلقہ مقاصد متعین نہیں ہوتے۔
- ☆ مقاصد کے لیے طریق کار اور راہیں متعین نہیں ہوتیں۔
- ☆ مقاصد کے حصول کے لیے عزم کی کمی۔
- ☆ منصوبہ بندی کا فقدان۔

مقاصد کے حصول کے لیے نہ وقت مقرر ہوتا ہے نہ اس کا حساب کتاب ہمارے پاس ہوتا ہے۔ انفرادی طور پر اگر ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ ہمارا وقت کہاں کہاں ضائع ہو رہا ہے تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے پانی ذات کا جائزہ لینا ہوگا۔ ہم نے اپنی زندگی کا جو نصب العین متعین کیا ہے اس کے حصول کے لیے ہماری سمت سفر اور رفتار سفر کس حد تک ہم آہنگ ہیں۔ پھر ذاتی طور پر ان عادتوں کی طرف بھی ہمیں متوجہ رہنا ہے جن کے باعث وقت کی ایک بڑی مقدار ہم ضائع کر دیتے ہیں اور ان پر قابو پانے کی کوئی عملی صورت ہمارے سامنے واضح نہیں ہوتی ہے۔ دوسرے اپنے معاش کے حصول میں کتنا وقت ہم دے رہے ہیں، اس وقت کا کتنا حصہ فی الواقع ہماری معاشرتی شناخت، ملی ضرورت اور ملکی پیداوار کا حق ادا کر رہا ہے۔ تیسرے اس بات کا جائزہ لیں کہ معاشرتی اور اجتماعی کاموں میں کتنا وقت ہم حقیقتاً دے رہے ہیں جن کا تقاضا معاشرہ اور سماج ہم سے کر رہا ہے۔ چوتھے ہمارا کتنا وقت اپنے نفس اور اس کے حقوق کی ادائیگی پر خرچ ہو رہا ہے۔ ان تمام پہلوؤں کے جائزہ کے بعد ہم یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم ان میں توازن رکھنے میں ناکام ہیں۔ یہ عدم توازن ہماری انفرادی زندگی اور پھر اس سے وابستہ معاشرتی زندگی میں ایک بدامنی پیدا کیے ہوئے ہے۔

غافل تجھے گھڑیاں یہ دیتی ہے منادی
عمر کی ایک اور گھڑے تو نے گنوا دی

وقت ضائع کرنے سے کیسے بچیں؟

☆ مقصد واضح رکھیے۔

زندگی کا واضح مقصد جب تک ہم طے نہیں کر لیتے ہماری ساری کوششیں اس بے منزل مسافر کی طرح ہوں گی جسے پانی منزل کا شعور نہیں اور سفر کی صعوبتیں اور مشقتیں وہ مسلسل برداشت کیے جا رہے ہیں۔

☆ حقیقت پسند بنئے

اپنے معاملات میں حقیقت پسند بننا نہایت ضروری ہے۔ دنیا کی بے جا طلب مختصر مدت حیات میں ذمہ داریوں اور امانتوں کے بوجھ کو بڑھا دیتی ہے۔

اپنی بساط کے مطابق زندگی کے اہداف طے ہونے چاہیے۔ فکر و نظر کو بلند رکھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہماری خواہشات اور توقعات زندگی کے کسی ایک گوشہ کے لیے مختص ہو جائیں یا آدمی اپنی انفرادی زندگی پر اس قدر متوجہ ہو جائے کہ معاشرے کے حقوق اور اس کی تعمیر میں اپنا کردار ہی ادا نہ کرے۔

نبی کریم ﷺ نے معراج کی شب ایک شخص کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب وہ نہیں اٹھا تو اس میں چند لکڑیاں اور بڑھا لیتا ہے۔ پوچھا کہ کون احق ہے؟ کہا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جس پر امانتوں اور ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ تھا کہ اٹھانہ سکتا تھا مگر ان کو کم کرنے کی بجائے اور زیادہ ذمہ داریوں کا بار اپنے اوپر لادے چلا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ لوگ اپنی انا کی غیر ضروری تسکین کے لیے اپنی ہمت اور وقت سے زیادہ بوجھ اٹھا لیتے ہیں اور ناکامی ان کا مقدر بنتی ہے۔ اس سے قبل کی امتیں بی طرز عمل اختیار کرتی رہی ہیں۔ جس سے بچنے کی دعا سورہ بقرہ میں سکھائی گئی ہے:

ولا تحملنا مالا طاقة لنا به .

ادائیگی حقوق اور استغفار

اسلام نے عبادت کے مفہوم کو اس قدر وسیع کیا ہے کہ اللہ کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق اور حقوق نفس کی ادائیگی بھی عین عبادت ہے۔ لیکن عام طور پر لوگ ایک حق کی ادائیگی میں دوسروں سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ ان کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ چکے ہیں اور وہ لاغر ہو چکے ہیں۔ تو ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو قیام کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دیکھو۔ میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں۔ رات کا کچھ حصہ جاگتا بھی ہوں (اور سوتا بھی ہوں) تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔

اپنے معاملات کو درجہ کمال تک پہنچانے میں ہم اکثر توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ ہم صرف اس کے مکلف ہیں کہ کما حقہ ان کا حق ادا کریں اور ان کے تقاضوں کو پورا کر دیں اور اللہ پر توکل کریں۔ نبی ﷺ نے ہمیں معاملات میں استغفار اور اپنے گناہوں سے توبہ کی تعلیم دی ہے۔ کمال کی ذہنیت انسان کے اندر خود سری اور تکبر پیدا کرتی ہے جب کہ استغفار رجوع الی اللہ اور نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ ادھورے کاموں کو شروع کرنے میں غیر معمولی قوت بخشتا ہے۔

احساب

احساب ہمیں اس امر کی طرف متوجہ رکھتا ہے کہ ہم اپنے معاملات کا یکسوئی سے جائزہ لیں۔ ان کی ترتیب اور تقسیم پر از سر نو غور کریں۔ عدم تکمیل کی وجوہات کا سنجیدگی سے جائزہ لیں۔ مقصد کے حصول کی راہیں متعین کریں اور اپنے رب کے حضور استغفار کے بعد ایک نئے عزم اور حوصلہ کے ساتھ پوری یکسوئی سے منزل کی جانب اپنی ساری قوتوں کو پھر سے مجتمع کر کے آگے بڑھیں۔

توازن، توازن، تسلسل

وقت انسانی زندگی کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔ جسی اللہ تعالیٰ نے انسان کو عمر کی شکل میں عطا کیا ہے۔ یہ بیش بہا نعمت انسان کو صرف ایک مرتبہ عطا ہوتی ہے۔ اس کی قدر و معرفت انسان کی دنیوی اور اخروی فلاح و نجات کی ضامن ہے۔ اس کی ناقدری انسان کو حسرت و ندامت پر مجبور کرے گی۔ سورہ المنافقون میں انسانوں کو غافل کرنے والے اسباب گناہ کو متنبہ کیا گیا ہے:

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ جو رزق ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کر قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ کرتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔“

اس تمنا کا جواب یہ ہے:

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجْلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ O
(المنافقون: ۱۱)

”اللہ کسی شخص کو مزید مہلت نہیں دیتا جب اس کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

اس مہلت عمل کے صحیح استعمال کا راز یہ ہے کہ ہر کام توازن کے ساتھ، توازن کے ساتھ اور تسلسل کے ساتھ کیا جائے تاکہ ناقدری نعمت کی پشیمانی سے محفوظ رہ سکیں۔



انتظام وانصرام کے بنیادی اصول

Basic Principles of Management

یہ دور انتظام وانصرام Management کا دور ہے۔ سائنس و ٹکنالوجی کے بعد اس دور کا سب سے اہم علم Management کا علم ہے۔ جاپان قدرتی وسائل سے محرومی کے باوجود آج صنعتی دنیا کا قائد بنا ہوا ہے۔ تو اس کی سب سے بڑی وجہ وہاں ہر سطح پر حسن انتظام Good Management ہے۔ مغربی دنیا کی ترقی کا ایک اہم راز حسن انتظام بھی ہے۔ حسن انتظام پوری زندگی میں حسن اور آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ اور انتظام کی خرابی اجتماعی زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے۔

اللہ کے رسول دنیا کے بہترین منتظم تھے۔ صرف ۲۳ برسوں کے اندر آپ ﷺ نے اللہ کی مدد کے بعد محض اپنے حسن انتظام کی بناء پر عرب کی کایا پلٹ ڈالی۔ رسول خدا ﷺ کے بعد فاروق اعظم جیسا منتظم مسلمانوں میں پیدا ہوا۔ اسلام کا دور اول شاندار انتظام اور جلیل القدر منتظمین سے عبارت دور تھا۔

انتظام کیا ہے؟

انتظام اور Management کا مطلب کیا ہے؟ انتظام کا مطلب اشیاء، افراد، معاملات، حالات اور واقعات سے اس طرح نپٹنا اور ان سے اس طرح کام لینا ہے کہ مطلوبہ نتائج جلد سے جلد حاصل ہو سکیں۔ مینجمنٹ کے ایک ماہر نے کیا خوب کہا ہے کہ مینجمنٹ کا مطلب کسی

مقصد کا کوشش اور ذہانت کے بل پر حصول ہے نہ کہ محض اتفاق کی بنا پر Attainment by
- intelligence & effort not by chance

میںجمنٹ اسلام کی تمام عملی تعلیمات کی روح ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فراست کو
مومن کی متاعِ گم شدہ کہا ہے۔ اونٹ کورسی سے باندھنے کی بعد (اپنی حد تک مکملہ کوشش اور تدبیر
کے بعد) اللہ پر توکل کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ خود اپنی ملی زندگی سے حسن انتظام اور سلیقہ
و طریقہ کا خوبصورت نمونہ پیش فرمایا۔

انتظام کے کام Functions of Management

میںجمنٹ کے ماہرین نے اس کے جملہ پانچ کام بتلائے ہیں۔ منصوبہ بندی
، Planning، تنظیم Organising، افراد کا انتخاب Staffing، راہ نمائی Directing،
انضباط Controlling، ان میں سے ہر کام کی مختصر تشریح میںجمنٹ کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگی۔
انشاء اللہ۔

میںجمنٹ کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ یہ پانچوں کام باہم مطربوط ہوں۔ جس کسی کو بھی
میںجمنٹ کی ذمہ داری دی جائے، اس کو یہ پانچوں Functions یکساں تناسب کے ساتھ
تفویض کیے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ نفاذ کرنے والے منصوبہ بندی سے قطعاً دور الگ تھلگ رکھے
جائیں۔ یا یہ کہ Coordinate تو کوئی اور کرے اور ہدایات دینا Directing کسی اور کے
ذمہ ہو۔

۱۔ منصوبہ بندی Planning

منصوبہ بندی میںجمنٹ کا بنیادی کام ہے۔ بغیر اچھی منصوبہ بندی کے کوئی بھی میںجمنٹ
کامیاب نہیں ہو سکتا۔ منصوبہ بندی کا کیا مطلب ہے؟ منصوبہ بندی سات سوالات کے جوابات
کا نام ہے۔

کیا؟ کسی بھی منصوبہ کو بنانے سے پہلے اس منصوبہ کا ہدف طے کیجیے۔ آپ کیا کرنا

چاہتے ہیں یہ آپ پر اچھی طرح واضح ہونا چاہیے۔ کام کسی Event کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً سال بھر میں ۱۰۰ ایسوسی ایٹ بنانا، کسی اخبار کے ۱۰۰۰ امزید خریدار بنانا، کوئی بڑا پروجیکٹ اگر پیش نظر ہو تو اس کے تمام ذیلی کاموں Microfunctions کا تصور Visualise کرنا اور ان کی مکمل فہرست مرتب کرنا بھی منصوبہ بندی کا ایک اہم جز ہے۔

کیوں؟ کوئی بھی کام محض خواہش کی بنیاد پر نہ کیجیے۔ اس سولا کا مدلل جواب دیجیے کہ یہ کام کیوں کرنا ہے؟ کام کے مقاصد کا تعین کام کی کامیابی کے لیے اولین شرط ہے۔ آپ کا نفرنس کرنا چاہتے ہیں تو طے کیجیے کہ اس کے کیا مقاصد ہیں؟ یہ طے شدہ مقاصد تمام کارکنوں پر اچھی طرح واضح ہوں اور سپر یہ بھی واضح ہو کہ یہ مقاصد کس طرح حتمی مقصد یا نصب العین کے حصول میں معاون بن سکتے ہیں؟

کب؟ کب کا یہ مطلب ہے کہ آپ طے کیجیے کہ طے شدہ پروگرام کب انجام دیے جائیں گے۔ یا طے شدہ اہداف کا کتنا حصہ کب پورا کیا جائے گا اگر سالانہ منصوبہ بندی ہو تو اس کا احسن طریقہ یہ ہوگا کہ آپ سال بھر کا کلینڈر بنا لیں۔ ہر مہینہ کے سامنے اس مہینہ میں پیش نظر کام بھی لکھ دیں۔ ساتھ ہی جملہ اہداف کے اس حصہ کو بھی نوٹ کر لیں جو اس مہینہ میں پورا کیا جاسکتا ہو۔ اس کو Scheduling شیڈولنگ کہتے ہیں۔ طے شدہ ذیلی کاموں Microfunctions میں سے بھر ہر ایک کی شیڈولنگ کیجیے اور ان کی Deadlines مقرر کیجیے۔

کون؟ کون کا مطلب ذمہ داریوں کی تقسیم ہے۔ طے شدہ کاموں میں سے ہر کام سے متعلق یہ طے کر لیجیے کہ اسے کون کرے گا؟ کون کا مطلب کوئی فرد بھی ہو سکتا ہے اور اگر بڑی تنظیم ہو تو اس کا ذیلی محکمہ یا شعبہ بھی ہو سکتا ہے۔ ذیلی کاموں میں سے بھی ہر ایک کے متعلق یہ طے ہونا چاہیے کہ اسے کون انجام دے گا؟

کہاں؟ کہاں کا مطلب کام کے محل وقوع کو طے کرنا ہے۔ ہر کام سے متعلق یہ طے کر لیجیے کہ اسے کہاں انجام دیا جائے گا۔ منصوبہ بندی کی بعض نوعیتوں میں یہ سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن جس کام کی یہ نوعیت ہے اس کے متعلق یہ طے ہونا چاہیے کہ وہ کہاں انجام

دیا جائے گا۔

کیسے؟ کیسے کا مطلب کام کو انجام دینے کا تفصیلی طریقہ طے کرنا ہے۔ اکثر کاموں کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ ایک سے زائد طریقوں سے انجام دیا جاسکتا ہے۔ ان متبادل طریقوں میں سے کون سا طریقہ زیادہ سود مند ہے۔ اس کا تعین پہلے ہی سے ہو جانا چاہیے۔ یہ تعین کسی کام کے تمام جزوی کاموں Microfunctions سے متعلق بھی ہو جانا چاہیے۔

کس قیمت پر؟

اس کا مطلب بجٹ کا تعین ہے۔ ہر کام سے متعلق یہ طے ہو جائے کہ اس پر کتنا خرچ کرنا ہے۔ جملہ اخراجات کا تخمینہ بنا کر اس کے لیے درکار رقم کے حصول کی شکلیں بھی متعین کر دی جائیں۔

۲۔ تنظیم Organising

منصوبہ بندی کے بعد دوسرا مرحلہ تنظیم کرنے کا ہے۔ تنظیم کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ منصوبہ بندی کاغذ پر لکھ دی گئی ہے اسے عمل میں لایا جائے۔ جن وسائل کو استعمال کرنا ہے اسے فراہم کر دیا جائے۔ جن افراد کو کام دینے ہیں، انہیں کام تفویض کیے جائیں۔ مختلف کاموں کے درمیان تعلق Relation واضح طور پر متعین کیا جائے۔

۳۔ افراد کا انتخاب Staffing

مینجمنٹ میں افراد کا انتخاب بری اہمیت کا حامل ہے۔ منصوبہ بندی کے مختلف حصوں کو انجام دینے کے لیے جو شعبہ جات بنائے گئے ہیں ان پر لائق اور درست افراد کو منتخب کیجیے۔ دراصل کسی بھی تنظیم میں افراد، وسائل اور انتظام Man, Money & Management کی یکساں اہمیت ہوتی ہے۔ جس فرد کو بھی منتخب کیجیے چھان پھانک کر اچھی جانچ کر کے منتخب کیجیے۔ اس کی صلاحیتوں، خوبیوں اور خامیوں سے اچھی طرح واقف ہو جائیے۔ اس واقفیت کے لیے اعلیٰ درجہ کے سائنٹفک ٹیسٹ بھی موجود ہیں۔ حسب ضرورت ان کا استعمال بھی کیجیے۔ اور کوشش کیجیے

کہ مناسب ترین افراد کو کام دیے جائیں۔

Staffing میں یہ بات شامل ہے کہ تنظیم Organisation کے مختلف افراد میں کاموں کی مناسب تقسیم کر کے ان کو ایک ٹیم بنا دیا جائے۔ مختلف شعبہ جات اور مختلف Projects کی مختلف ٹیمیں ہوں گی۔

عام طور پر کسی بھی آرگنائزیشن میں تین قسم کے افراد ہوتے ہیں۔

(۱) قائدین: جو لوگوں کو مقصد کے حصول کے لیے Drive کرتے ہیں اور پوری ٹیم کو متحرک کر کے مقصد حاصل کرتے ہیں۔

(۲) کام کرنے والے: جو منصوبوں کو رو بہ عمل لاتے ہیں اور کاموں کی انجام دہی کو یقینی بناتے ہیں۔

(۳) سوچنے والے: جو کام کے نئے طریقے سوچتے ہیں۔ نئے Ideas سمجھاتے ہیں۔ اپنی آرگنائزیشن میں سے ان تینوں قسم کے افراد کو پہچانیے۔ انہیں ان کی صلاحیت اور مزاج کے مطابق کام دیجیے۔

Staffing کا ایک اہم اصول ڈیلی گیشن ہے۔ ڈیلی گیشن کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کسی کو ذمہ داری دیں تو اس کے ساتھ اختیارات بھی دیجیے۔ اختیارات واضح اور متعین ہوں۔ حدود بھی واضح اور متعین ہوں۔ صاف صاف بتایا جائے کہ اس حد تک آزادانہ فیصلے کرنے کا آپ کو اختیار حاصل ہے اور اس حد کیب عد کے فیصلوں کے لیے اتھارٹی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اختیارات متعین کرنے کے بعد مداخلت مت کیجیے۔ آزادانہ طور پر کام کرنے دیجیے۔ البتہ نظر ضرور رکھیے۔

۴۔ راہ نمائی Directing

Directing مینجمنٹ کا ایک اہم کام ہے اگر Directing کا عمل درست نہ ہو تو اچھی منصوبہ بندی، اچھی آرگنائزیشن اور اچھا اسٹاف بھی ناکارہ ثابت ہوتا ہے۔ Directing

کا مطلب کام کی انجام دہی کے لیے واضح ہدایات دینا ہے۔
یہ عمل مندرجہ ذیل امور سے عبارت ہوتا ہے:

۱۔ کمیونیکیشن: Communication

مندرجہ ذیل باتیں اپنے ماتحتوں کو اچھی طرح بتلا دیجیے۔

(۱) ہمارے مقاصد کیا ہیں؟

(۲) ان کو جو کام دیے گئے ہیں ان کے مقاصد کیا ہیں؟

(۳) ان کو متعین طور پر کیا کام انجام دینے ہیں؟

(۴) معیار کیا مطلوب ہے؟

(۵) کب تک انجام دینے ہیں؟ Deadlines & Schedules

(۶) بجٹ کیا ہے؟

(۷) کس طرح سے انجام دینا ہے؟

(۸) ان کے اختیارات اور اس کی حدود کیا ہیں؟

(۹) دوسرے محکموں یا افراد (جو آپ کے ماتحت ہیں) سے کیا ربط ہو؟

ان باتوں کو موثر طور پر پہنچانے Communicate کے لیے درج ذیل ذرائع کا

استعمال کیا جائے:

(۱) حکم نامہ میں واضح الفاظ میں ان باتوں کی تصریح۔

(۲) کام دینے سے قبل تفصیلی ملاقات اور ان باتوں کی اچھی تشریح۔

(۳) وقتاً فوقتاً میٹنگ اور ان باتوں کا اعادہ۔

(۴) جہاں انحراف محسوس ہو رہا ہو میٹنگ اور اعادہ۔

۲۔ ٹریننگ:

حسب موقع و ضرورت ان کی ٹریننگ کا اہتمام کیجیے۔ ٹریننگ کے دوران ماہرین کی

مدد سے ام کا طریقہ سمجھائیے۔ اور کام کی (بہتر طور پر) انجام دہی کی صلاحیت ان کے اندر پیدا کیجیے۔

وقفاً فوقاً ٹریننگ کا اہتمام ماڈرن مینجمنٹ کا لازمی حصہ ہے۔ اس کا موثر انتظام آرگنائزیشن کی کامیاب Functioning کے لیے لازمی ہے۔

۳-تحریک Morivation:

ام کی تحریک اپنے ماتحتوں کے اندر پیدا کرنا اور ان کے مورال کو بلند رکھنا بھی آپ کی ہام ذمہ داری ہے۔ تحریک پیدا کرنے کے لیے ذرا ان مشوروں پر عمل کر کے دیکھیے:

- (۱) انہیں ذمہ داریاں دیجیے۔ ظاہر کیجیے کہ آپ ان پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں۔
- (۲) انہیں آزادانہ کام کرنے دیجیے۔ مداخلت کم سے کم کیجیے۔ مداخلت کرنی بھی ہو تو نہایت غیر محسوس طریقے سے کیجیے۔
- (۳) ان کا کوئی فیصلہ بدلنا ہو تو انہیں اعتماد میں لیجیے۔ اپنی مرضی تھوپنے کی کوشش مت کیجیے۔
- (۴) ہمت افزائی کے جملے کہیے۔ مورا کو بڑھانے والے موثر فقرے ایجاد کیجیے اور انہیں عام کیجیے۔

(۵) ان کے کام کی قدر کیجیے۔ یہ ظاہر کیجیے کہ ان کے کاموں کی آپ کی نگاہ میں بڑی اہمیت ہے۔

- (۶) ہمیشہ مثبت رویہ اختیار کیجیے۔ اپنے رویہ میں مستقل مزاجی کا ثبوت دیجیے۔
- (۷) صرف ان کے کام میں دلچسپی نہ لیجیے ان کی ذات میں بھی دلچسپی ظاہر کیجیے۔
- (۸) ان کے کاموں کی دل کھول کر تعریف کیجیے۔ تعریف میں بخل مت کیجیے۔ یاد رکھیے کہ تعریف میں بخل Motivation قاتل ہے۔ دل کو خود کر دینے والے الفاظ کہتے رہیے۔ آپ کے کوشش کن الفاظ ہی آپ کے ماتحتوں کی قوت کار اور ان کا مورال ہیں۔

۴۔ مشورہ Counselling

- (۱) کارکنوں سے وقتاً فوقتاً کبھی اجتماعی اور کبھی انفرادی ملاقات کیجیے۔
- (۲) انکے مسائل سنئے، ان کی شکایات سنئے، ان سے مشورہ لیجیے۔
- (۳) اپنے مسائل بیان کیجیے۔ یا تو شکایتوں کو رفع کرنے کی یقین دہانی کریئے یا اپنی مجبوریاں پیش کر کے انہیں مطمئن کیجیے۔
- (۴) ان کا کوئی مطالبہ ہو تو اس پر گفتگو کیجیے۔
- (۵) انہیں اچھے مشورے دیجیے۔
- (۶) ان کے کاموں کی تعریف کیجیے۔

۵۔ انضباط Controlling:

- منصوبہ کو معیاری طریقہ سے رو بہ عمل لانے کے لیے کنٹرول نہایت ضروری ہے۔ کنٹرول کا مطلب ہے کہ منصوبہ کے تمام اجزاء کو معیار کے مطابق، وقت پر، دی گئی قیمتوں کے حدود کے اندر اور جملہ منصوبہ کے بالکل مطابق رو بہ عمل لانا۔ اس کے مراحل مندرجہ ذیل ہیں:
- ۱۔ منصوبہ میں درج معیارات، ٹائم شیڈول، بجٹ اور دیگر متعلقات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے۔ یا مناسب چارٹ بنا کر ٹیبل پر آویزاں کر دیجیے۔
 - ۲۔ موجودہ صورت حال سے واقف رہیے۔ اس کے لیے:
 - الف۔ اپنے کارکنوں سے ایسی تحریری رپورٹیں وصول کیجیے جس سے ماہ بہ ماہ (یا جو بھی دورانہ طے ہو) ہو رہے کام کی تعیین، معیارات ٹائم شیڈول، Deadlines، بجٹ وغیرہ سے موازنہ کرتے ہوئے معلوم ہو جائے۔
 - ب۔ کارکنوں کو وقتاً فوقتاً انفرادی طور پر بلا کر یا مناسب دوائیوں کے ساتھ ان کی جائزہ نشستوں Review Meets کا اہتمام کر کے مندرجہ بالا معلومات حاصل کیجیے۔
 - ۳۔ معیارات اور رپورٹوں کا موازنہ کیجیے۔ اگر کوئی انحراف Deviation ہو تو نوٹ کیجیے۔

۴۔ انحراف کے سلسلہ میں اصلاحی تدبیر اختیار کیجیے۔ یا منصوبہ ناقابل عمل ہو تو مناسب ترمیم کیجیے۔

مینجمنٹ کے کچھ اہم اصول

مینجمنٹ کے کچھ اہم اصول درج کیے جا رہے ہیں:

- ☆ مساوات کا اصول: اپنے تمام ماتحتوں کو ایک نظر سے دیکھیے۔
- ☆ آزادی کا اصول: ہر ایک کو اپنے اختیارات استعمال کرنے اور اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کی آزادی دیجیے۔ کارکنوں کی تنقید سے انتظام میں مزید حسن پیدا ہوتا ہے۔ تنقید کی آزادی دیجیے۔
- ☆ انصاف کا اصول: سب کے ساتھ انصاف کیجیے۔ کسی کی طرف زیادہ جھکاؤ اور کسی کی طرف کم جھکاؤ کا مظاہرہ مت کیجیے۔ سزا دینے یا ڈانٹنے نیز انعام دینے اور تعریف کرنے میں انصاف کے حدود کو تجاوز نہ کیجیے۔ یاد رکھیے! انصاف نہ ہونے کا احساس ماتحتوں کے اندر بے دلی اور مایوسی پیدا کرتا ہے۔
- ☆ چلک کا اصول: اپنی پالیسیز اور منصوبوں کو وحی الہی مت کیجیے۔ غیر ضروری اور بار بار تبدیلی سے گریز کیجیے۔ لیکن اگر کوئی چیز غیر عملی محسوس ہو رہی ہو یا کوئی بہتر منصوبہ سامنے ہو تو تبدیلی سے مت کترائیے۔ یاد رکھیے بروقت اور مناسب تبدیلیاں اچھے نتائج کے لیے لازمی اور ناگزیر ہیں۔
- ☆ انفرادی کاوشوں کو تسلیم کرنے کا اصول: ہر شخص کی انفرادی کوشش اور کامیابی کو بھی تسلیم کیجیے۔ تعریف گروپ کی بھی کیجیے اور گروپ کے ہر فرد کی بھی۔
- ☆ تعریف کا اصول: تعریف انسان کی فطرت بھی ہے اور تحریک Motivation کا ذریعہ بھی۔ سو تعریف کیجیے۔ خوب تعریف کیجیے۔
- ☆ حرکت Dynamic کا اصول: ہمیشہ آگے دیکھیے۔ حرکت میں رہیے۔ عملاً بھی اور

- ☆ فکری طور پر بھی۔ یعنی بہتر سے بہتر منصوبے بناتے رہیے۔ اصول وضع کرتے رہیے۔ یاد رکھیے اچھائی کی کوئی انتہا نہیں۔ آپ کی موجودہ پالیسیز خواہ کتنی ہی اچھی ہوں ان سے اچھی پالیسیز کا امکان موجود ہے۔ انہیں تلاش کیجیے۔ اختیار کیجیے، رو بہ عمل لائیے۔
- ☆ انسانی تعلقات کا اصول: اپنے ماتحتوں میں اچھے خوشگوار دوستانہ بلکہ برادرانہ تعلقات بنائے رکھیے۔ ماتحتوں کے درمیان خوشگوار تعلقات بنائے رکھنا اور تعلقات میں اور زیادہ بہتری لاتے رہنا اچھے مینجمنٹ کی اہم صلاحیت ہے۔
- ☆ کارکردگی Efficiency کا اصول: کارکردگی بڑھانے کی کوشش کرتے رہیے۔ ایک ایک فرد کی بھی، تنظیم کی بھی، گزشتہ سال کے مقابلہ میں اس سال اگر فی فرد فی روز Per individual Per day حاصل ہونی والے نتائج برھے نہیں ہیں تو یہ ناکام مینجمنٹ کی علامت ہے۔
- ☆ جائزہ کا اصول: ہر پروگرام کی کامیابی و ناکامی کا تجزیہ کیجیے۔ اس کے اسباب نوٹ کیجیے اور مستقبل کے پروگرام میں اس کا لحاظ رکھیے۔
- ☆ تحقیق کا اصول: اچھے مینجمنٹ کے لیے اچھی تحقیق کی مدد ضروری ہے۔ تحقیق کرتے رہیے۔ کرواتے رہیے۔ حالات کی تحقیق، واقعات و شواہد کی تحقیق، کارکردگی کی تحقیق، صلاحیتوں کی تحقیق، کام کے بہتر ذرائع کی تحقیق وغیرہ۔
- ☆ مینجمنٹ ایک وسیع مضمون ہے۔ چند نہایت ضروری باتیں بیان کر دی گئی ہیں۔ مزید مطالعہ سے زیادہ عمل کیجیے۔ مشق کیجیے۔ اور سوچتے رہیے۔ اللہ آپ کی مدد کرے۔

عملی مثالیں	منصوبہ بندی کے مراحل
ایس۔ آئی۔ او۔ کے مقاصد کالج کے طلبہ کی فکری تربیت اور انہیں معلومات سے	1- کیوں؟ (i) مقصد کا تعین کیجیے۔ (ii) اصل مقصد کے پیش نظر ذیلی اور

<p>آراستہ کروانا نیز ایس آئی او سے واقف کرانا۔</p>	<p>مختصر المعاد مقاصد طے کر لیجیے۔ 2. کیا؟</p>
<p>فی الحال صرف وال میگزین کا اجراء۔ وال میگزین کا نام تکبیر ہوگا۔ وال میگزین کا سائز ۳×۲ کا غنڈ سفید کلرز، کمپیوٹر کمپوزڈ۔ (i) وال میگزین کے لیے اجازت حاصل کرنا (ii) مواد جمع کرنا، ایڈٹ کرنا (iii) کمپیوٹر پر Compose کروانا، Copies بنوانا (iv) کالجز میں چسپاں کروانا۔ سال بھر میں ۲۰ پندرہ روزہ شمارے، ہر شمارہ پانچ کی تعداد میں، ہر شمارہ میں پانچ نئے طلبہ کا Participation</p>	<p>(i) مقصد کے حصول کے لیے کاموں کی فہرست بنا لیجیے۔ (ii) ہر کام کے جزوی کام طے کر لیجیے۔ (iii) اہداف و نشانہ جات طے کر لیجیے۔</p>
<p>جناب زیر صدیقی صاحب (i) اجازت: شعیب شہباز، مواد ایڈٹ: منور خاں، Compose: عبدالصمد، چسپاں کروانا: عمر خاں، نئے طلبہ کا Participation: منور خاں</p>	<p>3. کون؟ (i) ذمہ دار طے کیجیے۔ (اصل کاموں کے) (ii) ذیلی کاموں میں سے بھی ہر ایک کام کسی کو تفویض کر دیجیے۔ 4. کہاں؟ (i) جگہ طے کیجیے۔</p>
<p>(i) بیٹونٹ کالج (ii) ایم جے ایم کالج (iii) فیض العلوم کالج (iv) پی این کالج (v) پالی ٹیکنک</p>	

<p>(i) اجازت: خط لکھا جائے گا، پرنسپل سے ملاقات کی جائے گی، تحریری اجازت حاصل کی جائے گی۔</p> <p>(ii) مواد جمع کرنا: نوٹس پر اعلان شائع کیا جائے گا، طلبہ سے مضامین منگوائے جائیں گے۔ منورخاں، فلاں فلاں چیزیں خود جمع کر کے لکھیں گے۔</p> <p>(iii) کمپیوٹر پر Compose کروانا: صمد صاحب، اختر کمپیوٹر پر Compose کروائیں گے۔ آخری کاپی نکلنے سے پہلے پروف ایڈیٹر کو دکھلائیں گے۔ ٹائٹل کی ڈیزائن ایسی ہوگی۔ وغیرہ۔</p> <p>پہلا میگزین یکم دسمبر کو دسپاں ہو جائے گا۔ ہر میگزین ۱۵ اور ۱۵ تاریخوں کو چسپاں ہو جائے گا۔ اپریل اور مئی میں میگزین شائع نہیں ہوگا۔</p> <p>ہر ماہ</p> <p>مواد جمع: ۲ اور ۱۶ تاریخوں کو</p> <p>ایڈٹ: ۵ اور ۱۹ تاریخوں کو</p> <p>کمپوز: ۹ اور ۲۳ تک</p> <p>پروف: ۱۱ اور ۲۵ تک</p> <p>زیراکس: ۱۲ اور ۲۶ تک</p> <p>چسپاں: ۱۴ اور ۲۹ تک</p>	<p>5. کیسے؟</p> <p>(i) کاموں کو کیسے انجام دیا جائے یہ طے کر لیجیے۔</p> <p>(ii) جزوی کاموں کا طریقہ کار بھی طے کر لیجیے۔</p> <p>6. کب؟</p> <p>(i) کام کی Deadlines طے کر لیجیے۔</p> <p>(ii) ذیلی کاموں کی بھی Deadlines طے کر لیجیے۔</p>
---	--

Composing	150.00	7- کس قیمت پر؟
Xerx copies	10.00	(i) ہر ذیلی کام کا اندازہ لگا کر اس کا
Other	50.00	خرچ طے کیجیے۔
Each issue	210.00	
Total issues	2100.00	(ii) جملہ تخمینہ لگائیے۔
Monthly donate	2100.00	(iii) آمد کی مدات طے کر لیجیے۔

Diagram Page 144

مثلاً:

منصوبہ: سال بھر میں ۱۱۰۰ ایسوسی ایٹ بنانا۔ ہر ماہ ۱۰ ایسوسی ایٹ بنانا

جنوری کی رپورٹ: ۴۰ ایسوسی ایٹ بن سکے۔

وجہ؟ (۱) منصوبہ غیر عملی ہے۔

حل: تعداد کم کر دی گئی۔

وجہ؟ (۲) کالج میں اسٹراٹک ہو گئی۔ طلبہ موجود ہی نہیں رہے۔

حل: اب طلبہ موجود ہیں زیادہ محنت کریں گے۔ اگلے دو ماہ ۱۰، ۱۰، ۱۰ کی بجائے ۱۳، ۱۳ بنائیں گے۔

وجہ؟ (۳) کارکنوں نے سستی کی۔ ملاقاتیں ہی نہیں کیں۔

حل: کارکنوں کو Inspiration جذباتی تقریر، ان سے گفتگو کر کے آمادہ کرنا۔

اگلے تین مہینوں کا ٹارگیٹ بڑھا کر۔

☆☆☆

قائدانہ اوصاف

Qualities of a Good Leader

انسانی تاریخ کبھی بھی قیادت سے خالی نہیں رہی ہے۔ چاہے ان کی قیادت موثر ہو یا غیر موثر لیکن ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کے افراد قائدانہ رول ادا کرتے رہے ہیں۔ انسان کی اجتماعی زندگی کی اہم ترین ضرورت موثر اور درست قیادت ہے۔ کیوں کہ قیادت ہی سے معاشرے کی ترقی اور فلاح وابستہ ہوتی ہے۔ معاشرہ کیا کسی بھی اجتماعیت کی صحیح سمت میں موثر پیش رفت بڑی حد تک قیادت پر منحصر ہوتی ہے۔ قیادت کا دائرہ بہت وسیع اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ اسے محض سیاسی پہلو تک محدود رکھنا صحیح نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ قیادت رہنمائی کا نام ہے اور وہنمائی ہر شعبہ حیات میں مطلوب ہے۔

قیادت کا مظہر

قیادت کے لیے عمر کی قید کبھی نہیں رہی۔ ایک فرد کی قائدانہ صلاحیتوں کا اظہار بچپن ہی سے ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ قائد بننے کم اور پیدا زیادہ ہوتے ہیں۔ بچوں کے گروہ کی قیادت کرنا، کلاس میں ساتھیوں کو متاثر کرنا، کھیل کے میدان میں ہم عمروں کو لانا اور پھر ان کی دلچسپی پڑھائی کی طرف موڑ دینا اور اسی طرح کئی کام چند گنے چنے لڑکے انجام دیتے ہیں۔ ہم جو یوں کا بھی اپنا ایک لیڈر ہوتا ہے جو ان کی ساری سرگرمیوں کو رخ دیتا ہے۔ ہر مرحلے میں نوجوانوں کی ٹیم کا کبھی باقاعدہ اور اعلان کے ساتھ اور کبھی بے قاعدہ اور بغیر اعلان کے ایک

رہنما ہوتا ہے۔ جس کے اشارے پر سارے نوجوان متحرک رہتے ہیں۔ اسی طرح سماج میں کچھ طلبہ اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے نمایاں طور پر جانے جاتے ہیں۔ غرض زندگی کے ہر مرحلے میں کام کرنے والے مختلف گروپس کے لیڈر ہوتے ہیں۔

ایک اچھے لیڈر کی خصوصیات دراصل کامیاب شخصیت کی خصوصیات ہیں۔ یہ خوبیاں کسی میں مفقود ہوں تو نہ صرف وہ کامیاب لیڈر نہیں بن سکتا بلکہ تعمیر شخصیت کے بھی بہت سے اوصاف سے محروم رہتا ہے۔

لیڈرشپ کے لیے بنیادی اجزاء علم:

علم سے مراد متعلقہ میدان میں مہارت پیدا کر لینا ہی نہیں بلکہ دوسرے ماہرین پر سبقت بھی لے جانا ہے۔

- ☆ علمی صلاحیت اس سطح کی ہو کہ اس کے ذریعہ وہ اپنے ساتھیوں کو متاثر کر سکے۔
- ☆ مخالف نظریات کا ضروری علم رکھنا۔
- ☆ ماحول اور سماج کا صحیح علم رکھنا۔
- ☆ موافق افکار و نظریات کا گہرا علم و شعور رکھنا۔

تقویٰ

- ☆ ذاتی شہرت اور نمود و نمائش سے پاک ہونا۔
- ☆ امانت، دیانت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اجتماعی امور کو انجام دینا۔
- ☆ مخلصانہ جدوجہد کے ساتھ حالات کو مقصد کے حصول کے لیے سازگار بنانا۔
- ☆ خود پسندی سے دور، مزاج اور طبیعت میں انسان دوست ہونا۔
- ☆ خدمت کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے خوف خدا کے ساتھ لوگوں کی بھلائی کے کام انجام دینا۔

انتظامی صلاحیت

یہ صلاحیت ایک کامیاب قیادت کے لیے ضروری ہے۔ نظم و نسق کا پہلا اصول افراد سے کام لینا ہے۔ اسی لیے قائد کا مکر نے والے کو نہیں بلکہ کام لینے اور کام دینے والے کو کہتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کام کرنا معمولی بات ہے لیکن حسن و سلیقہ سے کام لینا غیر معمولی بات ہے۔ یہ غیر معمولی صلاحیت جن رہنماؤں میں ہو وہ موجود تمام انسانی وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہر وجود کا آمد ہے۔ کام کا مطالبہ کرتا ہے حسن و خوبی سے کام لینے اور حکمت و دانائی کے ساتھ کام تقسیم کرنے سے اثرات اور نتائج میں غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے۔ انسانی وسائل سے استفادہ اور اس کا فروغ ان طریقوں سے ہی ممکن ہے۔

تخیل اور جدت فکر

قیادت کے لیے بلند تخیل کا مالک ہونا اور فکر کی جدت کا پایا جانا ضروری ہے۔ لکیر کے فقیر قسم کے لوگ جو بدلتے حالات اور نئی ضروریات کے مطابق اپنی سوچ اور فکر کو بدلنے کا حوصلہ نہیں رکھتے کبھی اچھے قائد نہیں بن سکتے۔ ایک قائد کا دماغ نئے خیالات کا سمندر ہوتا ہے۔ نئی اسکیموں، نئی تدابیر اور نئے راستوں کی تلاش و جستجو کا عمل اس کے دماغ میں مستقل جاری رہتا ہے۔

انصاف

قیادت کے لیے انصاف لازمی شرط ہے۔ قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ جانبدار اور طرفداری سے دور رہے، نسل، ذات، فکر، گروہ، علاقہ، عمر، جنس، مزاج وغیرہ کے امتیازات سے اوپر اٹھ کر سب کے ساتھ یکساں اور مساوی برتاؤ کرے۔ سب کی بھلائی کا متنی رہے۔ کوئی گروہ اسے دیگر گروہ سے متعلق نہ سمجھے۔ اس کی شخصیت سے ہر ایک کو انصاف کی توقع ہو۔ اور وہ بھی سب کو انصاف دلائے۔

تنوع اور ہمہ گیری

قائد کی دلچسپیاں نہایت متنوع ہوتی ہیں۔ وہ کسی ایک فیلڈ کا ماہر یا کسی مخصوص دلچسپی و مشغلہ سے متعلق نہیں ہوتا۔ اس کے مشاغل و دلچسپی کی دنیا بڑی وسیع ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے اس کے تجربات اور صلاحیتوں کی فہرست بھی بڑی طویل ہوتی ہے۔

متوازن جذبات کا حامل

قائد لوگوں کے جذبات میں ضرور ہلچل پیدا کرتا ہے۔ لیکن خود جذباتی نہیں ہوتا۔ حادثات و واقعات اسے متاثر نہیں کرتے۔ محبتوں اور نفرتوں کا تاثر اس کے طرز عمل میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ وہ گرمجوش ہوتا ہے۔ لیکن جوشیلا نہیں ہوتا۔ اس کے قلب کے پاس پاسبان عقل ضرور موجود رہتا ہے۔ اس کے جذبات اس کے کنٹرول میں ہوتے ہیں۔ سوچ سمجھ کر جو ارادہ کر لیتا ہے۔ کوئی جذباتی کیفیت اس کی تکمیل میں مانع نہیں ہوتی۔

منصوبہ بندی

منصوبہ بندی لیڈر کی نمایاں صفت ہوتی ہے۔ اس کا ذہن بنیادی طور پر ایک منصوبہ ساز کا سلجھا ہوا اور مفکر ذہن ہوتا ہے۔

خودداری اور وقار

قائد خود دار ہوتا ہے لیکن خود پسند نہیں ہوتا۔ غیرت مند ہوتا ہے، برد بار اور باوقار ہوتا ہے، شائستہ اور مہذب ہوتا ہے۔ وہ کبھی خود کو ذلیل نہیں کرتا۔ وہ ظریف ہوتا ہے لیکن معیار سے نیچے نہیں اترتا۔

فیصلہ کی صلاحیت

قائد کے اندر فیصلہ کی قوت ہوتی ہے۔ فوری فیصلہ کرتا ہے۔ فیصلہ سوچ سمجھ کر ضرور کرتا ہے۔ لیکن اس میں حد سے زیادہ تاخیر نہیں کرتا۔ غور و فکر کے بعد فیصلہ کرنے سے نہ گھبراتا ہے اور نہ ہچکچاتا ہے۔ رسک لیتا ہے۔ فیصلہ کیز مہداری قبول کرتا ہے اور اس کے ہر اچھے

یا برے نتیجے کا سامنا کرنے کیلئے تیار رہتا ہے۔ لیکن یہ سب سوچ سمجھ کر اور مشورہ کرنے کے بعد کرتا ہے۔

خود اعتمادی

قائد یا لیڈر کی خود اعتمادی غضب کی ہوتی ہے۔ وہ مغرور نہیں ہوتا اور نہ اپنی صلاحیتوں پر مطمئن اور قانع ہوتا ہے۔ لیکن احساس کمتری سے بھی پاک ہوتا ہے۔ اسے اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کا علم ہوتا ہے اور کمزوریوں اور خامیوں کا بھی۔ اس لیے اسے خود پر اعتماد ہوتا ہے اور بھرپور اعتماد۔

پر جوش

قائد پر جوش اور گرم جوش ہوتا ہے۔ وہ سرد جذبات کا حامل اور قانع طبیعت کا مالک نہیں ہوتا۔ آسمانوں کو چھو لینے کی امنگیں اس کے دل میں مچلتی ہیں۔ اس کے خواب بہت اونچے ہوتے ہیں اور اس کی نظر اتھاہ بلند یوں پر ہوتی ہے، وہ جہاں جاتا ہے اپنی گرم جوش طبیعت سے پورے ماحول کو گرمادیتا ہے۔

اثر انگیزی اور اثر پذیری

قائد اثر ڈالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے خیالات، اس کے خواب، اس کے جذبات و احساسات، اس کی امنگیں اور خواہشات، اس کے منصوبے اور اس کا منہاج و طریقہ کار صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ اس کا فیض عام ہوتا رہتا ہے۔ وہ جہاں جاتا ہے اپنے قلب و ذہن کو کئی انسانوں میں منتقل کر کے آتا ہے۔ اس کے تابعین اس کی شخصیت کا پرتو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

مستعد و فعال

قائد بہت مستعد شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ ہر دم سرگرم رہتا ہے۔ عمل ہی اس کی سب سے بڑی دل چسپی ہوتی ہے۔ سستی و کاہلی سے اسے نفرت ہوتی ہے۔ وہ اپنا وقت ضائع نہیں کرتا،

لمحات کا حساب رکھتا ہے اور ایک ایک سینڈ کو کارآمد بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

قوت ارادی و مستقل مزاجی

قائد کی قوت ارادی غضب کی ہوتی ہے۔ جو ارادہ کرتا ہے اس پر چٹان کی مانند جم جاتا ہے۔ اس کے ارادے کبھی متزلزل نہیں ہوتے۔ ارادہ کی تکمیل میں نہ حالات رکاوٹ بنتے ہیں نہ اس کے جذبات۔ ارادہ کو اپنے لیے چیلنج سمجھتا ہے۔

پیش قدمی اور آغاز

قائد کام شروع کرنے کے معاملے میں بہت مستعد ہوتا ہے۔ خود سوچتا ہے اور اپنی سوچ کو رو بہ عمل لانے کے لیے خود آگے بڑھتا ہے۔ وہ کام شروع کرنے کے معاملہ میں نہ تو سست روی کا شکار ہوتا ہے نہ حیلہ بازی کا۔ ارادہ کرتا ہے اور آغاز کر دیتا ہے۔

Recognition صلاہتوں کا اعتراف

افراد کی صلاہتوں اور خوبیوں کو پہچاننا اور ان کا اعتراف کرنا۔ قائد ان کی دریافت ملاقات، گفتگو اور افراد کے مطالعہ کے ذریعہ کرتا ہے۔ اس کا مزاج مردم شناس ہوتا ہے۔

صلاہتوں کا استعمال

لوگوں کے Inclination جھکاؤ اور رجحان Trends کا صحیح اندازہ کرنا اور انہیں اس کے مطابق کام دینا بھی صلاہتوں کا صحیح استعمال ہے۔ اس سلسلہ میں غلطی فائدہ کے بجائے نقصان کا موجب بنتی ہے۔ اس کے ذریعہ موزوں لوگوں کو آگے بڑھنے کے بہترین مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔

صلاہتوں کی قدر دانی

اس سے مراد لوگوں کی صلاہتوں کی قدر شناسی ہے اور پھر اس کا اظہار، عزت افزائی اور حوصلہ افزائی کرنا ہے۔

گہری نظر



Management



Planning



Organising



Excuting

اچھا قائد مینجمنٹ کے مذکورہ تمام مراحل پر کڑی نگاہ رکھتا ہے۔

اچھی قیادت کا ذاتی کردار

سب سے زیادہ متاثر کرنے والی چیز قائد کا ذاتی کردار ہوتا ہے۔ اس کا ذاتی کردار اخلاقی لحاظ سے جتنا بلند ہوگا قیادت اتنی ہی مقبول ہوگی۔

ملنساری و خوش مزاجی

اچھے قائد کو خوش مزاج، ملنسار اور سوشل ہونا چاہیے۔ وہ Reserved یا ماؤف نہیں ہوتا۔ وہ شمع محفل کی طرح، ”سب سے جدا، سب کا رفیق“ کے مصداق ہوتا ہے۔ صرف اپنوں ہی سے نہیں غیروں سے بھی ملتا ہے بلکہ انہیں بھی اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس کیونہی لوگوں کو جوڑنے اور متحرک کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اچھے قائد میں ذہانت، فراست اور متانت و شرافت بھری ہوتی ہے۔ اقبال نے ایک اچھے قائد کے کردار کی کیا خوب تصویر کھینچی ہے۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

بہترین قائد کی ادائیں نرالی ہوتی ہیں جو دلوں کو بھاتی ہیں۔ جن سے لوگ متاثر ہو کر جذبہ عمل حاصل کرتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال سیرت نبوی میں ملتی ہے، حضور ﷺ ساتھیوں کے ساتھ خندق کی کھدائی میں پیش پیش رہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے خود اپنے بال تراشے اور قربانی کی اور پھر ساتھیوں نے آپ کی اتباع کی۔

اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دنواز

اچھا قائد وہ ہے جس سے لوگ محبت کریں، اس کی خوبیوں کی وجہ سے اس کی تعریف کریں۔ اس کی خدمات کی وجہ سے لوگ اسے یاد کریں۔ اس کیلئے دعائیں کریں۔ اسے راحت پہنچے تو سب خوش ہوں اور اگر اسے تکلیف ہو تو سب کورنج و ملال ہو۔ گویا اس کی تکلیف سب کی تکلیف اور اس کی راحت سب کی راحت بن جائے۔

یہ صفات ہیں ایک قائد کی۔ ان صفات کے ساتھ قائد جب آگے قدم بڑھاتا ہے تو دنیا اس کے قدم چوم لیتی ہے۔ وہ آگے بڑھتا ہے اور اس کے قبعین جوش عمل سے سرشار اس کے قدم بہ قدم اس کے شانہ بہ شانہ چلتے ہیں اور منزل خود آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیتی ہے۔

☆☆☆

خود اعتمادی — کامیاب زندگی کی شاہ کلید

خود اعتمادی کامیاب زندگی کی شاہ کلید (Master Key) ہے۔ یہ زندگی کو دلچسپ باذوق، پرعزم اور متحرک و فعال بنانے میں اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔ اگر کسی فرد کے اندر خود اعتمادی کا جوہر موجود ہو تو وہ بہت سی کمزوریوں کے باوجود کامیابی کے اعلیٰ ترین مقامات تک پہنچ سکتا ہے۔ دنیا میں ایسے لوگوں کی طویل فہرست ہے جو محض خود اعتمادی کے ذریعہ شہرت، ترقی اور کامیابی کے اعلیٰ درجات تک پہنچے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ایک جسمانی طور پر معذور شخص نے پوری دنیا کا سفر کیا اور پھر حال ہی میں کسی ایک پاؤں سے معذور شخص نے دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کیا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہو سکتی ہیں جنہوں نے محض خود اعتمادی کے ذریعہ دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دکھایا کہ عظیم کارناموں کی راہ میں کوئی عذر حائل ہو سکتا اور نہ ہی جسمانی معذوری انہیں بڑے اعظم کام انجام دینے سے روک سکتی ہے۔ کمزور مالی حالت، جسمانی معذوری اور خاندانی پس منظر اور حالات ان کے عزم و اعتماد کے سامنے ریت کی دیوار نظر آتے ہیں۔ جو حوصلہ اور اعتماد کے صرف ایک ہی جھٹکے سے بکھر جاتی ہے اور عزم و اعتماد کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف اگر یہ جوہر کسی فرد کے اندر مفقود ہو تو وہ اچھی خاصی جسمانی صحت اور خوبصورت چہرہ مہرہ رکھنے کے باوجود کسی عظیم کام کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ خود سے بھی شرماتا ہے اور یہ چیز ایک بیماری کی طرح اس کی ذات، اس کی صلاحیتوں اور اس کی شخصیت کو کھا جاتی ہے اور وہ تمام تر وسائل اور سہولیات کے باوجود اپنی زندگی کو عزمیت و کامیابی کے راستے

پر ڈالنے اور اس کے چیلنجز کو قبول کرنے میں گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔ وہ فرد بے شمار پوشیدہ صلاحیتیں رکھنے کے باوجود خود کو احساس کمتری Inferiority Complex میں مبتلا کر کے نہ صرف اپنی ذات کو بیکار کر لیتا ہے بلکہ اپنے سماج، اپنے ملک و قوم اور پوری دنیا کو اپنی صلاحیتوں سے فائدہ نہ پہنچا کر محروم کر دیتا ہے۔

اگر انسان کے اندر خود اعتمادی کا جوہر نہ ہو یا کمزور ہو تو درج ذیل خامیاں اسے ہمیشہ

اپنے گھیرے میں لیے رہتی ہیں:

(۱) احساس کمتری

(۲) مرعوبیت

(۳) ذہنی الجھن

(۴) خوف

(۵) مایوسی

(۶) تردد

(۷) شرمندگی

خود اعتمادی نہ ہونے کے وجہ:

دراصل خود اعتمادی کا نہ ہونا کسی فرد کی اپنی ذہنی پچیدگی اور اس احساس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر کسی دوسرے فرد جیسی صلاحیت نہیں رکھتا اور پھر وہ اپنے ہر کام پر غیر ضروری تنقید کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس میں بہت سی خامیاں ہیں جب کہ یہ بات صحیح نہیں۔ ہر فرد دوسرے کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ صلاحیت رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک فرد ہکلانے کی وجہ سے اچھی تقریر نہ کر پاتا ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ اس میں تحریر کی بہت اچھی صلاحیت ہو جسے اس نے کبھی آزما یا ہی نہیں۔ اس بات کو یوں سمجھیے کہ ایک پہاڑ نے گلہری سے کہا کہ تو معمولی اور چھوٹی سی چیز ہے اور مجھے دیکھ کہ میں کس قدر عظیم اور شاندار ہوں کہ زمین بھی میرے بوجھ تلے دبی رہتی ہے۔ یہ سن کر

گلہری نے کہا کہ ذرا حرکت کر کے دکھائیے حجرت پہاڑ صاحب! اور ہاں میری طرح کھجور کے پیڑ پر چڑھیں تو جانوں۔ پہاڑ اس بات کا کیا جواب دے سکتا تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے اسی بات کو کہا ہے:

نہیں ہے چیز نلکی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک فرد کمزور خاندانی پس منظر کی وجہ سے خود کو دوسروں کے مقابلے میں کمتر سمجھ کر آگے بڑھنے کی صلاحیت سے خود کو محروم کر لیتا ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ اپنی اس خاندانی کمزوری و پریشانی کے سبب وہ آغے نہیں بڑھ سکتا۔ اسی طرح رشہ داروں، والدین یا محلہ پڑوس کے لوگوں کا مستقل تنقیدی برتاؤ کسی کی ذات کو کچھ دیتا ہے۔ مثال کے طور پر لوگ کسی بچہ کو برابر یہ کہیں کہ بڑا بدھوا اور بے وقوف ہے اسے عقل ہی نہیں، یہ کیا کر پائے گا؟ تو یہ چیز بھی کسی فرد کی خود اعتمادی کو مسمار کر دیتی ہے۔ بعض اوقات کسی جسمانی کمزوری کی وجہ سے بھی انسان خود اعتمادی کھو بیٹھتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو ہکلانے کی بیماری ہے یا ہاتھ پیر سے جزوی یا کلی طور پر معذور ہے تو سماج بجائے اس کی خود اعتمادی کو پروان چڑھانے کے اس کے اندر کمزوری کا احساس بھر دیتا ہے اور اس جزوی بیماری کی وجہ سے اس کی بے شمار پوشیدہ صلاحیتیں خطرہ میں پڑ جاتی ہیں۔ لہذا اس بات کو ذہن سے نکال پھینکا جائے کہ میں کسی سے کمتر ہوں یا میں کچھ نہیں کر سکتا۔

ہاں اس فطری اصول کو ضرور پیش نظر رکھا جائے کہ پہلی ہی مرتبہ میں انسان چھلانگ نہیں لگا سکتا ہے۔ جب کوئی کام پہلی بار کیا جائے گا تو اس میں بے شمار خامیاں ہوں گی۔ دوبارہ میں کم اور تیسری بار میں اور کم، یہاں تک کہ بار بار کرنے سے وہی فرد جس کے کام میں بے شمار خامیاں تھیں چند ہی دنوں میں ماہر بن جاتا ہے۔ اور پھر اسی مشق Practice کے ذریعہ آدمی کی ذات اور اس کے آرٹ میں مہارت Perfection آ جاتی ہے۔

خود اعتمادی کیسے پیدا کی جائے؟

اس سلسلہ میں یہ اہم نکتہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ یہ صفت خود انسان کے اندر ہی سے

پیدا ہوتی ہے اور اس کی اپنی ذات ہی ہے جو اگر عدم خود اعتمادی کو ختم کرنا چاہے تو یہ آسانی کر سکتی ہے۔ چنانچہ اس کام کے لیے ضروری ہے کہ فرد اپنی ذات کا صحیح اور مکمل جائزہ لے اور ان خامیوں کا اس طرح تجزیہ کرے:

(۱) احساس کمتری:

میں کسی سے پانے کو معمولی اور کمتر کیوں خیال کروں۔ جب کہ ہر فرد کو اللہ نے بے شمار صلاحیتیں دی ہیں۔ اور کیوں نہ میں خود بھی اپنے اندر وہ صلاحیت پیدا کروں جو دوسرے فرد میں ہے اور اس سے آئے بڑھ کر میں اپنے اندر فلاں اچھی خصوصیات بھی رکھتا ہوں جو کتنے دیگر افراد سے زیادہ ہیں اور سوچے کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں اندھا نہیں۔ دوسروں کی طرح جسمانی طور پر معذور بھی نہیں۔

(۲) مرعوبیت:

کسی شخص کی محض ایک صلاحیت سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسے موقع پر اپنی ذات کے اندر جو دیگر مضبوط اوصاف ہیں ان کو صحیح طور پر جانا جائے۔ اور اس پہلو کو بھی اپنے اندر ترقی دینے کی کوشش کی جائے جو بظاہر دوسرے کے اندر آپ کو مرعوب کرنے کی حد تک معلوم ہوتا ہے۔

(۳) ذہنی الجھن:

خود اعتمادی اگر نہ ہو تو قدم قدم پر آدمی ذہنی الجھن محسوس کرتا ہے۔ لہذا ایسے موقع پر اپنے آپ کو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کیا جانا چاہیے۔ اور سوچنا چاہیے کہ میری یہ کمزوری صرف اسوجہ سے ہے کہ ہمیں نے ابھی تک اپنے آپ کو گونا گوں صفات سے آراستہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور پھر تعمیر انداز میں خود کو مطلوبہ اوصاف کی طرف موڑ دینا چاہیے۔

(۴) خوف:

دراصل یہ بھی فرد کے اندر عملی تجربہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب آدمی کسی

کام کا تجربہ کر لیتا ہے تو اس ضمن میں پایا جانے والا خوف خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور فرد کے اندر اعتماد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا چاہیے کہ کامیابی کا یقین رکھتے ہوئے کسی بھی کام کو پورے حوصلہ کے ساتھ انجام دیا جائے۔

(۵) خود ملاتنی:

یہ بہت خطرناک پہلو ہے جو فرد کے اندر خود اعتمادی پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم صرف اپنی ناکامیوں پر نظر نہ رکھیں اور اپنی کوتاہیوں کو ہی نہ دیکھیں بلکہ کامیابیوں اور خوبیوں کو بھی نظر میں رکھیں اور یہ سمجھ لیں کہ دوسرے لوگ آپ کے کاموں کو اس قدر باریکی سے نہیں دیکھتے جتنا کہ خود آپ دیکھتے ہیں۔ دراصل دوسروں کو نہ تو اس کی فرصت ہے اور نہ ہی وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں بلکہ یہ خود فرد کا احساس ہے جو اسے پانے اندر سے پریشان کرتا ہے۔ مثلاً اگر پہننے وقت آپ کی نظر شرٹ کے بٹن پر پڑی اور آپ نے دیکھا کہ سامنے کا ایک بٹن ٹوٹا ہوا ہے۔ اب آپ جس سے بھی ملتے ہیں آپ کا ذہن اس بٹن کی طرف چلا جاتا ہے۔ آپ سوچتے ہیں کہ یہ میرے شرٹ کے ٹوٹے ہوئے بٹن کو دیکھ رہا ہوگا۔ جب کہ درحقیقت اس کی اس بات کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ یہ محض آپ کے ذہن میں بیٹھی ہوئی پچیدگی تھی جو آپ کو دن بھر پریشان کرتی رہی۔ اس طرح آدمی کوئی کام کرتا ہے تو صرف اس کی نظر اس کی کوتاہیوں اور خامیوں پر ہی رہتی ہے۔ وہ اپنی کامیابیوں (Achievements) کو نظر انداز کر دیتا ہے جب کہ دوسرے لوگوں کے سامنے اس کے کاموں کے بہت سے قابل تعریف پہلو بھی ہوتے ہیں اور وہ سراہتے بھی ہیں لیکن خود وہ فرد صرف کوتاہیوں کو دیکھتا اور اپنی ذات کو گھلاتا رہتا ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ خود اپنے اچھے پہلوؤں پر بھی ہماری ہری نظر رہے اور کوتاہیوں کے بجائے خوبیوں اور کامیابیوں کو دیکھا جائے اور ان سے عزم و حوصلہ حاصل کیا جائے۔

(۶) مایوسی:

اپنی ذات کو ہمیشہ نشانہ تنقید بنائے رکھنے کا نتیجہ مایوسی ہوتا ہے۔ جب کوئی فرد ہمیشہ اپنی

ذات اور اپنے اعمال کے کمزور اور ناکام پہلوؤں ہی کو ڈھونڈتا رہے گا تو لازماً وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ نہ اس کی ذات میں کوئی خوبی ہے جو قابل تعریف ہو اور نہ ہی اس کے کاموں کا کوئی لائق تحسین پہلو ہے۔ ایسی صورت میں مایوسی کے علاوہ اور کیا بچ رہتا ہے۔ فرد یہی تو خیال کرے گا کہ وہ کسی لائق نہیں۔

بس پھر دہرایا جاتا ہے کہ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنی ذات کی خوبیوں اور اپنے کاموں کی کامیاب جہتوں کو زیادہ سوچ کا موضوع بنائیے۔ کمزوریوں کو بھول جائیے کامیابیوں اور خوبیوں کو عزم و حوصلہ کی سیڑھی بنا کر چڑھتے جائیے یہاں تک کہ آپ اس مقام پر پہنچ جائیں جہاں سے پوری دنیا اور دنیا کے کارہائے عظیم معمولی نظر آتے ہیں۔

(۷) تردد (Hesitation):

تردد اور شک و شبہ ایسی چیز ہے کہ فرد کو ایک قدم بھی بڑھنے نہیں دیتی۔ کوئی بھی ارادہ کیا جائے بس اس میں نقصان اور ناکامی کے پہلو سامنے آنے شروع ہو جاتے ہیں اور آدمی کامیابیوں کے امکانات اور فوائد کو بھی جاننے کے باوجود کروں یا نہ کروں کے بیچ چکر لگانے لگتا ہے۔ کبھی کبھی اسی تردد میں مناسب وقت بھی نکل جاتا ہے جو کام کے مفید پہلوؤں کو کم سے کم کر دیتا ہے یا نقصان کا سبب بنتا ہے اور یہی نقصان یا فائدہ کی کمی بعد میں اس کی حوصلہ شکنی کا باعث بنتی ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کے تمام مفید اور مضر پہلوؤں کا اچھی طرح تجزیہ کر لیا جائے اور اگر دل کی آواز مفید پہلوؤں پر مطمئن ہو رہی ہو تو کام کو پوری جانفشانی کے ساتھ انجام دینے میں جٹ جایا جائے۔ یہ پہلو پیش نظر رہے کہ کسی بھی کام میں تھوڑا بہت جو کھم Risk تو لینا ہی پڑتا ہے اور یہ عین حوصلہ مندی اور مدبرانہ صلاحیت کا تقاضا بھی ہے۔ پھر دیکھیے آپ ایک کام کے بعد خود کو تجربوں سے بھرپور اور حوصلوں سے سرشار پائیں گے۔

(۸) شرمندگی:

شرمندگی اور جھجک بالکل تیسرے درجے کے افراد کی صفت ہے۔ اس کا علاج جرأت مندی ہے جو عزم اور حوصلہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ کبھی کبھی شرمندگی کی یہ بیماری مجرمانہ سوچ کو بھی جنم دیتی ہے یا اس کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی غلطی کے سرزد ہو جانے سے آدمی شرمندہ رہتا ہے۔ ٹھیک ہے مگر یہ سوچئے کہ غلطی انسان ہی سے تو ہوتی ہے اور جان بوجھ کر تو کی نہیں ہے۔ اب آپ یہ عہد کیجئے کہ آئندہ کوئی ایسی غلطی نہ کریں گے کہ شرمندہ ہونا پڑے۔ جب یہ چیز ہوگی تو شرمندگی خود بخود جاتی رہے گی۔

مذکورہ ۸ چیزوں کو دور کرنے کی طرف اگر آپ صرف ایک ماہ شعوری توجہ دیں تو محسوس کریں گے کہ آ کی ذات میں غیر معمولی نشوونما ہو رہا ہے۔ اور خود اعتمادی بھی پیدا ہو رہی ہے۔ یہی نہیں جب ایک خامی دور ہوگی تو اس کی جگہ ایک خوبی پیدا ہو جائے گی اور دیکھتے ہی دیکھتے انسان بہت سی اہم خوبیوں کا مالک بن جائے گا جو اس کی اندرز بردست خود اعتمادی، یقین اور عزم و حوصلہ پیدا کریں گی۔

اب ذیل میں کچھ ایسے نکات درج کیے جاتے ہیں جنہیں Do,s اور Dont,s کی شکل میں آپ پیش نظر رکھیں:

Dont's	Do's
(۱) عداوت، بغض، غصہ اور حسد سے دور رہیے۔	(۱) اپنی نظریاتوں پر رکھے گزر مین کے اندر تک کی خبر رہے۔
(۲) ناکامیوں سے حوصلہ مت کھویئے۔	(۲) اپنی سب سے اہم اور مضبوط صلاحیت کو پہچان کر اسے ترقی دیجئے۔

<p>(۳) تنقید سے مت ڈریے اس سے زندگی نکھرتی ہے۔</p>	<p>(۳) دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھائیے اور اپنی زندگی کو تجربات سے آراستہ کیجیے۔</p>
<p>(۴) زندگی میں جھوٹ کا سہارا مت لیجیے</p>	<p>(۴) دنیا بھر کے علوم و فنون کو حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔</p>
<p>(۵) دوسروں کے سہاروں پر تکیہ مت کیجیے۔</p>	<p>(۵) کامیاب اور مشہور شخصیات کی زندگیوں کا مطالعہ کیجیے۔</p>
<p>(۶) ہر شخص کو خوش کرنے کی کوشش مت کیجیے۔</p>	<p>(۶) دوسروں کے کام آنے کا جذبہ پیدا کیجیے۔</p>
	<p>(۷) سوچ کو تعمیری اور مزاج کو امید پسند بنائیے۔</p>

☆☆☆

ذہنی تناؤ مقابلہ کیسے کریں؟

انسان کس قسم کی ذہنی کیفیات سے دوچار ہے یہ اس کے حرکات و سکنات چہرے کے تاثرات اور گفت شنید سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ آدمی کیا سوچتا ہے، اس کے ذہن و دماغ میں کس قسم کے افکار و خیالات کی اٹھل پھل ہو رہی ہے وہ خوش ہے یا غمگین، تروتازہ ہے یا تھکا ہوا، پریشان ہے یا بے فکر، یہ تمام چیزیں اس کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ذہنی پریشانی، دباؤ یا الجھن، اہم ترین زحمت ہے جس سے کبھی نہ کبھی ہر فرد کا سابقہ پڑتا ہے اور اگر اس کو صحیح انداز میں سمجھ کر دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو فرد کی بہت سی تعمیری صلاحیتیں اور اس کی سوچ و فکر متاثر ہونے لگتی ہے، اس کی قوت کار کم، صلاحیتیں بیکار اور صحت تباہ ہو جاتی ہے اور اکثر ایسا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہم خود کی کیفیت سے ناواقف رہتے ہیں اور اپنی دماغی کیفیت کے ساتھ صحیح طور پر معاملہ نہیں کر پاتے۔

ذہنی دباؤ Stress کیا ہے؟

انسان کی زندگی میں جو واقعات اور حادثات رونما ہوتے ہیں اور اس کی جو مصروفیات اور معمولات Routines ہوتے ہیں ان کے جسمانی یا ذہنی رد عمل کا نام ذہنی تناؤ Stress ہے اور یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے زندگی کی عام سی چیز ہے۔ معمول کی زندگی میں واقع ہونے والی چیزیں، مصروفیات یا ذمہ داریاں کبھی کبھی اس طرح کی ہوتی ہیں کہ آدمی ان چیزوں سے منفی طور پر متاثر ہوتا ہے اور وہ ذہنی الجھن اور دباؤ Tension & Pressure کا سبب بن جاتی ہیں، جس سے انسان کی عام زندگی یا کارکردگی متاثر ہوتی ہے اور وہ ایک قسم کی بے چینی محسوس

کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی طالب علم PMT یا PET میں ناکامی کی وجہ سے ذہنی تناؤ کا شکار ہو سکتا ہے۔ کوئی امتحان کے لیے نصاب کی تیاری کے بوجھ سے تناؤ محسوس کر سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی کسی گھریلو حادثہ یا حالات کے تحت ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟

کیا کبھی آپ نے بھی اس طرح کا ذہنی تناؤ محسوس کیا ہے؟ اور اگر کیا ہے تو کیا آپ نے کبھی یہ جائزہ لینے کی کوشش کی کہ ایسا کیوں اور کب ہوتا ہے؟ اگر آپ خود اس کا جائزہ لیں گے تو وجہ آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ جسمانی کمزوری، نفسیاتی ضعف، خود اعتمادی کی قلت، کاموں کے وقت پر انجام دینے میں سستی اور ٹال مٹول، اہم ذمہ داریوں اور کاموں کی کثرت اور ان کا بوجھ، ذاتی، گھریلو یا کسی معاشرتی حادثہ کا واقع ہونا جس سے آپ براہ راست متاثر ہوں وغیرہ وغیرہ، کسی بھی طرح اور کسی بھی وقت انسان کے لیے ذہنی تناؤ کا سبب بن سکتے ہیں۔ خود اعتمادی کی قلت آدمی کے مختلف مسائل، دشواریوں اور ناموافق حالات کا مقابلہ کرنے کی قوت پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے اور ایسا فرد بہت جلد کسی بھی واقعہ کی زد میں آ کر بہت زیادہ پریشانی اور ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگوں کے مزاج میں کاموں کو آخر وقت تک ملتوی کرنے اور ٹال مٹول کی عادت ہوتی ہے جس کے نتیجے میں کاموں کا بوجھ دن بدن بڑھتا جاتا ہے اور ضرب کاموں کے انجام دینے کی آخری تاریخیں قریب ہوتی ہیں تو فرد سوچتا ہے کہ اب کیا کروں اتنا کام باقی پڑا ہے اے کیسے مکمل کروں اور بس پریشان ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی صحت کی خرابی آدمی کو مختلف قسم کی ذہنی الجھنوں میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس کی قوت کار بہت زیادہ متاثر ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ انکار کرنے کی جرأت نہیں کر پاتے اور بہت سے کاموں کی ذمہ داری بیک وقت قبول کر لیتے ہیں جب کہ تمام کام بیک وقت انجام دینا ان کی استطاعت سے باہر ہوتا ہے۔ لہذا یہ چیز بھی ان کے لیے بعد میں الجھن کا سبب بنتی ہے۔ ذہنی تناؤ کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ بعض معمولی معمولی کاموں کو بہت زیادہ اہمیت دے دی جاتی ہے اور انہیں غیر ضروری سنجیدگی سے Serious

لیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کاموں کو بہ آسانی اور ہنستے کھیلتے بھی انجام دیا جاسکتا ہے۔۔ یہ ایک طرح کی نفسیاتی کمزوری کا نتیجہ بھی ہوتا ہے۔ ایسے میں لوگوں کی رات کی نیند اور دن کا سکون اڑ جاتا ہے۔ کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے بس ذہن پر وہی کام سوار رہتا ہے اور اس کے باوجود بھی وہ کام انجام نہیں پاتا یا اس قدر احسن طریقہ سے نہیں ہو پاتا جو مطلوب تھا۔

اس کا حل تلاش کیجیے

مسئلہ کو بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ حل کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اے کے لیا ایک سنجیدہ منصوبہ تیار کرنے اور پوری دل جمعی کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے اپنے حواس اور ذہن و دماغ پر مضبوط گرفت بنانے اور قوت ارادی کو تقویت دینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اگر انسان اس میں کامیاب ہو گیا تو پھر دیکھیے کہ زندگی کس طرح پر کیف، شخصیت کس قدر کارآمد اور قوت کارکنی تیزی سے ترقی کرتی ہے۔ صرف چند ہفتوں کی مشق اور توجہ سے آپ کی ذہن و دماغ کو ایسا سکون ملے گا کہ بڑے سے بڑے کاموں کو آپ ہنستے مسکراتے انجام دے ڈالیں گے اور کسی طرح کا بھی ذہنی بوجھ آپ کو محسوس نہ ہوگا۔ یہاں اس سلسلہ کی چند باقی درج کی جارہی ہیں۔ انہیں عمل میں لا کر پر کیف اور الجھنوں سے دور Stress Free زندگی گزاری جاسکتی ہے۔

ریلیکس (پرسکون رہنا)

Dont worry and take every thing easy یہ ایک اہم ترین نکتہ ہے۔ چیزوں اور کاموں کو دیکھ کر گھبرانے اور فکر مند ہونے کے طرز فکر سے بالکل دور رہیے اور ہر کام کو چھوڑ کر سہولت سے انجام دینے کے بارے میں سوچیں۔ دنیا کا کوئی بھی کام دشوار یا ناممکن نہیں ہوتا تو پھر پریشان ہونے کی ضرورت کیا ہے۔ ہمارا طرز فکر یہ ہونا چاہیے کہ کسی بھی کام کی ذمہ داری سنبھالتے ہی ہم فوراً اسکے آسان پہلوؤں کا مہارت، حوصلہ مندی اور عزم و ہمت کے ساتھ تجزیہ کریں۔ دشوار پہلوؤں کے بجائے ہر کام کو آسان پہلوؤں سے شروع کیجیے۔ پھر آپ

دیکھیں گے کہ مرحلہ وار جیسے جیسے آپ آگے بڑھیں گے دشواریاں آسانی میں تبدیل ہوتی جائیں گی۔ یہاں تک کہ کام انجام کو پہنچ جائے گا۔ اور آپ سوچیں گے کہ اس میں تو کوئی چیز سرے سے تھی ہی نہیں۔ اس کے علاوہ یہ سوچ آپ کو ذہنی سکون، اعتماد اور مضبوط قوت ارادی دے کر آپ کی قوت کار میں اضافہ کر دے گی اور بڑے بڑے کاموں کو آپ کے لیے آسان اور معمولی بنا دے گی۔ کبھی اس کا تجربہ کیجیے یہ بڑی مزیدار اور شخصی ارتقاء کے عمل کو ہمیز دینے والی چیز ہے۔

’کل‘ لے ڈو بتا ہے

ہر کام کو اس کے وقت پر کرنا چاہیے۔ آج کے کاموں کو کل پر ٹالنے اور ملتوی کرتے رہنے کی عادت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ کاموں کا بوجھ دن بدن بڑھتا جاتا ہے جو لامحالہ ذہنی دباؤ کا سبب بھی بنتا ہے اس لیے کاموں کو ٹالنے کے بجائے کل کے کام کو آج اور آج کے کام کو ابھی کرنے کی عادت ڈالیے۔ اور کام انجام دینے کے بعد فرصت کا لطف اٹھائیے۔ اس طرح آپ کو فرصت سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی ملے گا اور کوئی بھی کام آپ پر بوجھ نہ بن سکے گا۔ اس کے برخلاف اگر کسی معمولی سے کام کو بھی ٹالتے رہیں تو آخر میں نہ جانے کتنے معمولی کام جمع ہو جائیں گے اور وقت ختم ہو چکا ہوگا اس وقت آپ کو ذہنی الجھن سے سابقہ پیش آئے گا۔ اور آپ خواہش کے باوجود کام کو صحیح انداز میں نہیں کر پائیں گے۔ جلدی جلدی میں کیے گئے کام ناقص ہوں گے اور نتیجہ میں آپ کی ذات و شخصیت اور امیج سب متاثر ہوگی نیز آپ کے اندر احساس ندامت پروان چڑھے گا اور آئندہ کے لیے اسپرٹ میں کمی آئے گی۔

وقت کی تنظیم اور ترجیحات کا تعین

مشہور مقولہ ہے کہ ”وقت ایک دودھاری تلوار ہے جس نی اسے نہیں کاٹا وہ تلوار اسی کو کاٹ ڈالتی ہے۔“ آنے بار ہا سنا ہوگا کہ دنیا میں سب سے قیمتی چیز وقت ہے۔ اور یہ ایسی چیز ہے جسے نہ تو خریدا جاسکتا ہے اور نہ ہی دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے اس کے استعمال میں انسان کو بہت زیادہ چوکنا اور حساس ہونا چاہیے۔ کامیاب لوگوں کی زندگی میں سب سے اہم چیز

ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم وقت کا صحیح استعمال کریں اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کی سوچ کو پروان چڑھائیں۔ جو لوگ وقت کی پرواہ نہیں کرتے وہ بالآخر پچھتاتے ہیں اور وقت گزر جانے کے بعد اس غم میں گھلے جاتے ہیں کہ انہوں نے فرصت کے اوقات کو ضائع کر دیا۔ ایک برف بیچنے والا سخت گرمی کی دوپہر میں دھوپ میں بیٹھا زور زور سے صدا لگا رہا ہے لوگوں اس شخص کے حال رترس کھاؤ جس کا سرمایہ حیات گھلا جا رہا ہے۔ کس قدر قیمتی بات ہے۔ کاش کہ ہم اس برف بیچنے والے کی آواز سن کر زندگی کو سنوار سکتے۔ اس ضمن میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ جہاں وقت کو ضائع و ہننے سے بچانے کی فکر مطلوب ہے وہیں وقت کی صحیح تنظیم اور کارناموں کے لیے منصوبہ بندی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ وقت کا صحیح استعمال اور اس کی مناسب تنظیم نہیں کرتے بعد میں زبردست پچھتاوے اور ذہنی الجھن کا شکار ہوتے ہیں۔

روزانہ کھیل کے لیے، پڑھائی کے لیے، تنظیمی کاموں کے لیے، احباب کے لیے اور گھریلو مصروفیات کے لیے اندازاً کتنا کتنا وقت دینا ہے اس کو لازمی طور پر ذہن میں رکھا جانا چاہیے۔ کھیل میں زیادہ وقت صرف کر دینا اور احباب کے ساتھ گپ شپ میں مصروف رہنا، آپ کو تعلیم سے الگ کر دے گا اور امتحان قریب ہو جانے کے ساتھ ساتھ ذہنی دباؤ بڑھتا جائے گا۔ اسی طرح ذاتی ترجیحات کا تعین بھی ضروری ہے۔ کسی ایک چیز میں بہت زیادہ لگن اور دوسری چیزوں سے غفلت لازماً کسی نہ کسی وقت آپ کو اس احساس میں مبتلا کرے گی کہ آپ نے فلاں کام میں فضول وقت برباد کیا اور اس وقت آپ کے پاس پچھتاوے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اور خود قرآن مجید نے اس کی طرف جا بجا متوجہ کیا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اگر پر لطف زندگی گزارنی ہو تو کاموں کو قسطوں اور ترجیحوں میں تقسیم کر کے انجام دیا جائے۔

عجلت پسندی ترک کیجیے

جس طرح سستی اور کاہلی انسان کو مسائل اور دشواریوں سے دوچار کرتی ہے اسی طرح

عجلت پسندی بھی نقصان دہ ہے۔ بہترین شخصیت کی تعمیر اور پرکیر زندگی گزارنے کے لیے میانہ روی انتہائی ضروری ہے۔ عجلت پسندی اور کاموں کو جلد بازی میں انجام دینا کارکردگی کے حسن اور امتیاز کو ختم کر دیتا ہے۔ کام کے ساتھ آرام کرنا انسان کا جسمانی حق ہے۔ جہاں مستقل طور پر رفر د کا کاموں میں جٹے رہنا ذہنی پریشانیوں کا سبب بنتا ہے وہیں اس کی جسمانی قوتوں کی تباہی کا باعث بھی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا تھا کہ جسم ایک سواری کے مانند ہے۔ بیچ میں اگر سواری کو آرام ملتا رہے اے کھانا پانی صحیح دیا جاتا رہے تو بہت دور تک سفر کیا جاسکتا ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ سواری دوران سفر ہی جواب دے جائے۔ اس لیے کسی بھی ذہنی اور جسمانی پریشانی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ عجلت پسندی ترک کی جائے اور جسمانی و ذہنی سکون کے لیے ضروری آرام بھی بہم پہنچایا جائے۔

جسمانی اور ذہنی صحت کا خیال

ہمیں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ایک صحت مند جسم کے اندر ہی صحت مند دماغ ممکن ہے۔ اور یہ سمجھ لیجیے کہ ذہنی دباؤ سے انسان کو بچانے یا اسے کم کرنے میں جسمانی ورزش اہم ترین رول ادا کرتی ہے۔ اس لیے اسے اپنے معمولات میں شامل رکھا جائے اور کم از کم ہفتہ میں چار روز ورزش کا پابندی کے ساتھ اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ چیز انسان کے جسم و ذہن کو ہلکا پھلکا اور تروتازہ رکھتی ہے۔

ذہنی صحت کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے افکار و خیالات پاک و صاف اور تعمیری ہوں۔ مثبت انداز فکر و عمل اختیار کیا جائے اور صرف اچھی اور تعمیری باتوں کو ہی غور و فکر کا موضوع بنایا جائے۔ بغض و حسد، کینہ اور جھوٹ سے دور رہنا نہ صرف انسان کی ذات کو بے شمار ذہنی پریشانیوں سے نجات دلاتا ہی بلکہ اس کی شخصیت کو نکھار کر قوت فکر و عمل میں زبردست اضافہ کرتا ہے۔

اس بات کو بھی نوٹ کیجیے کہ اگر آپ جسمانی یا ذہنی طور پر خود کو بیمار محسوس کرتے ہیں تو

بلاوجہ اس کو بدبائے پڑے رہ کر خود کو ذہنی ایذا مت دیتیجیے بلکہ بلا جھجک ڈاکٹر سے رجوع کیجیے۔
یہ چیز آپ کو ذہنی سکون و اطمینان فراہم کرنی کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی فٹ کرنے میں
معاون ہوگی۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ دل و دماغ کو انسان ہر قسم کی آلائشوں سے
پاک کرے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کیذکر کے ذریعہ مضبوط رشتہ قائم کرے۔ اور اچھی طرح سمجھ
لے کہ عزت و شہرت، مال و دولت، مراتب و عہدے، اعلیٰ درجے کے آرام و آسائش کا ہونا، ذہنی
سکون و اطمینان، زندگی کیسیر لطف و پرسکون ہونے کو لازم نہیں کرتا۔ کتنے ہی دولت مند اور اعلیٰ
ڈگریاں رکھنے والے دانشور حضرات اس سکون کی تلاش میں نشہ و شراب اور لذت و شہوانیت میں
ذہنی سکون تلاش کرتے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں انہیں مزید اس دلدل میں پھنسا کر چھوڑ دیتی ہیں۔
اور ان کا سماجی اور معاشرتی عزت اور وقار رخصت ہو جاتا ہے۔ مگر سکون و چین کی دولت انہیں
نہیں ملتی۔

اس لیے اگر کسی کو حقیقت میں یہ دولت حاصل کرنی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے مضبوط
رشتہ قائم کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”الابد ذکر اللہ تطمئن القلوب.“ (لوگو! سن لو کہ
دلوں کا سکون اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔)

☆☆☆

ناقابل تسخیر شخصیت کے تخلیقی عناصر

ایک نہر ہے جو تیزی سے بہتی قرب و جوار کی بستیوں میں تباہی مچا رہی ہے۔ اہل بستی کو یقین ہو گیا ہے کہ اگر بہاؤ کا یہی حال رہا تو سب ہی غرق ہو جائیں گے۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے اہل بستی کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے اپنی تمام قوت اور اسباب اس کو روکنے اور بہاؤ کے آڑے آنے پر صرف کر دیے مگر کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ وجہ یہ تھی کہ پانی کو ایک جگہ سے روکا جاتا تو دوسری طرف بہہ نکلتا اور دباؤ کے باعث مزید تباہی پھیل رہی تھی۔

دوسرا گروہ اس بات پر مصر تھا کہ اس کا سرچشمہ تلاش کیا جائے تاکہ اسے بند کرنے سے اس نہر کا زور کم ہو اور نقصان سے محفوظ رہا جاسکے۔ سرچشمہ مل تو گیا مگر ایک سوتا بند کیا جاتا تو دوسرے سوتے سے پانی خارج ہونے لگتا ہے۔ چشمہ کے بننے میں کوئی کمی نہیں آ رہی تھی اور تمام سوتوں کا بند کرنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔ اس گروہ کے اقدام سے بھی بستی والوں کے مکانات اور کھیتیاں نہ بچ سکیں۔

تیسرا گروہ ان تجربات کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچا کہ پہلے دونوں گروہوں کے طریقہ کار سے تو مسئلہ کا کوئی حل سامنے نہیں آیا تو اس گروہ نے نہ تو پانی روکنے کی کوشش کی اور نہ ہی سوتے بند کرنے کا تہیہ کیا بلکہ اس نے اپنی تمام تر کوشش اس پر صرف کی کہ اس بہاؤ کو حسب منشا صحیح راہ پر لگا دیا جائے اور یہ کوشش شروع کی کہ نہر کا رخ بنجر زمینوں، قابل زراعت کھیتوں کی جانب پھیر دیا جائے اور جگہ جگہ ضرورت کے لیے پانی کے تالاب بنا دیے جائیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تمام زمین سبزہ زار ہو گئی اور ثمرات سے مالا مال ہونے لگی۔

بلاشبہ تیسرا گروہ کامیاب رہا جبکہ پہلے اور دوسرے گروہ نے وقت ضائع کرنے اور بے نتیجہ محنت کرنے کے سوا کچھ حاصل نہ کیا۔

ہماری قومی زندگی کے حالات اور اس کے تقاضے

ہمارا یہ احساس ہے کہ نہر کے بہاؤ میں دو عناصر ہوتے ہیں۔ ایک تو پانی اور دوسرے اس کے ساتھ چلنے والی مٹی۔ یہ دو عناصر حضرت انسان میں پائے جاتے ہیں۔ اس تمثیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہماری خواہش ہے کہ قومی زندگی کے اس مرحلے پر تیسرے گروہ کا طرز عمل اختیار کرتے ہوئے ناقابل تسخیر اور موثر شخصیت کا کردار ادا کیا جائے تاکہ دین اور دنیا کے تقاضی پورے کر سکیں۔ اس سلسلے میں صرف مطالعے ہی سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ اپنی شخصیت کے ارتقاء اور کامیابی کے لیے تحریری طور پر بھی لائحہ عمل بنانا ہوگا۔

اب ہم ناقابل تسخیر اور موثر شخصیت کے تخلیقی عناصر اور ان کا مختصر تعارف پیش کریں گے۔ یہ مضامین وقت کے بہتر استعمال کے تناظر میں لکھے گئے ہیں۔ ہمارا یہ احساس ہے کہ موثر شخصیت، وقت کے بہترین استعمال اور زندگی کو کامیابی کی راہ پر لے جانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے ان اشارات کو عملی و اخلاقی بحث کے دائرہ میں نہ لیا جائے۔

تخلیقی عناصر

ٹھوس نظریہ حیات

آپ جس نظریہ حیات کے حامل ہیں اس کی بنیادوں اور بنیادی فلسفہ و اعتقاد کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ یہ اعتقاد ٹھوس ہو، محض توجیہات پر مشتمل نہ ہو۔ اس نظریہ حیات کے باعث آپ میں مقصد حیات کا سچا شعور پیدا ہو گیا ہو اور اس کی علامتیں ظاہر و باطن، دونوں میں ابھر رہی ہوں۔ لوگ آپ کو نرم چارہ نہ پائیں، آپ کو ہوشیار، بیدار مغز اور اصول پرست ہونا چاہیے۔ ہم مسلمان ہیں، حق و باطل کے ساتھ بیک وقت رشتہ برقرار نہیں رکھ سکتے۔ شخصیت کی ان تمام

کمزوریوں کا احساس کیجیے جو آپ کی ذات میں باطل کو گھسنے کو موقع دیتی ہیں۔ اپنی حیثیت کا جائزہ لیجیے اور لیلا بھی ہم نشین ہو تو محمل نہ کر قبول پر عمل پیرا رہیے۔

اصولوں کا علم اور ان پر عمل

آپ کو آپ کے نظریہ حیات کا علم ہو۔ جو علم آپ نے حاصل کیا ہے اور جس تعلیم میں پیش رفت کی ہے اس کے اصولوں کا ادراک اور احساس ہو اور اس کے ساتھ ان پر عمل بھی ہو۔ اصول، گفتگو اور بحث اپنی ذات کو نمائیں کرنے کے لیے ہوں بلکہ عمل کرنے کے لیے ہوں، تب ہی آپ کامیاب ہوں گے۔ سچائی اور ایمانداری، ہر نظریہ حیات اور مذہب کے بنیادی اصول ہیں، آپ لوگوں کو ان کی تعلیم دیں، مگر اپنے معاملات میں ان پر عمل نہ کریں تو آپ بے اعتبار شخص بن جائیں گے۔ جیسے اور جب جھوٹ کی گنجائش ہو جھوٹ بول دیں، ڈنی مار کر، کاموں کو موخر کر کے ٹیکس اور کسٹم میں مروجہ طریقہ کے ذریعہ مفادات حاصل کر کے کام کرنے لگیں تو آپ فوری طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں مگر سکون حاصل نہیں ہو سکتا اور آپ کامیاب بھی نہیں ہو سکتے۔

اخلاص نیت اور اخلاص عمل

منہاج القاصدین میں علامہ ابن جوزی نے بیان کیا ہے کہ ارباب بصیرت کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ سعادت تک پہنچنے کے لیے علم اور عبادت نہایت ضروری ہے۔ دنیا میں سب لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ مگر علم والے اور سب علم والے ہلاک ہوں گے سوائے مخلصین کے اور مخلص بھی عظیم خطرے میں ہیں۔

اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اخلاص نیت کا اپنا اجر و ثواب ہے۔ نیت کے مطابق شعور کے ساتھ عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض اوقات ان کو عمل کی فرصت نہیں ملتی مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس نیت کا اجر مل جاتا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی نیت کا احتساب کریں۔

احساس ذمہ داری

اس دنیا میں ہم سب لوگ ذمہ دار ہیں۔ ہر فرد کسی نہ کسی انداز سے راعی (رعایا کا

نگراں) ہے۔ ہمیں اپنی رعایا کا احساس کرنا ضروری ہے۔ پورے شعور کے ساتھ ذمہ داریوں کا احساس ہو۔ پھر ہر ایک ذمہ داری کو بھرپور طریقہ سے ادا کرنے کی کوشش بھی ضروری ہے۔ ذمہ داری میں اہل خانہ بھی شامل ہیں دفتر کے معاملے میں ملازمت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ آپ کے ساتھیوں اور ماتحت افراد کی ذمہ داری بھی شامل ہے۔ سرکاری ملازم ہیں تو سرکاری وق وسائل اور خزانے کے متعلق ذمہ داریوں کا احساس ضروری ہے۔ کاروباری ہیں تو اس کے تقاضوں کا شعور، قیمت کا تعین، ملازمین کی تنخواہیں اور ان کی خوشحالی، ان کے ساتھ ساتھ کاروبار کی ترقی اور پھیلاؤ کی کوشش اور معیار کا برقرار رکھنا، ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ پس ہر حال میں کام کا حق ادا کیجیے۔

شجاعت

ضرورت اور حاجت کے وقت مصائب و خطرات کا ثابت قدمی سے مقابلہ شجاعت کہلاتا ہے جو شخص نتائج پر نگاہ رکھے اور ان کے پیش آنے سے خوف زدہ ہو مگر جب وہ سامنے آجائیں تو ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کرے تو وہ مرد شجاع ہے اور جب کوئی شخص موقع محل کی مناسبت سے بہترین کار گزار ثابت ہو، تو وہ بھی شجاع ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ خطرہ میں کود ہی جائیں تو آپ بہادر ہوں گے بلکہ بہادر اس حالت میں بھی سمجھا جائے گا کہ نتیجہ پر نگاہ رکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا جائے کہ اس خطرہ کے موقع سے بچنا ہی بہتر طریقہ کار ہے۔ درحقیقت سب سے بڑی بہادری مصیبت اور سختی کے وقت دل کا اطمینان اور حاضر حواسی ہے، اس لیے بہادروہ ہے کہ جب اس پر سخت وقت آئے تو اپنے اطمینان اور حواس کو نہ کھو بیٹھے بلکہ قابلیت اور شجاعت قلبی سے اس کا مقابلہ کرے اور ذہن اور مطمئن عقل کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرے۔

حیا

انسان میں ایک ایسی قوت اور ملکہ ودیعت کیا گیا ہے جس سے انسان خیر کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور شر سے بچنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے۔ اس وقت یا ملکہ کا نام حیا ہے حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”(۱) حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔ (۲) حیات میں خیر کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔“ علامہ ماوردی کہتے ہیں کہ خیر و سر پوشیدہ معانی ہیں جو صرف اپنی ان علامتوں کے ذریعہ ہی پہچانے جاتے ہیں جو ان معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ پس خیر کی بہترین علامت حیا و شرم ہے اور شر کی علامت بے حیائی ہے۔ ایک عربی شعر کا ترجمہ ہے: ”انسان سے اس کے اخلاق کے متعلق نہ پوچھو خود اس کے چہرے مہرے میں اس کے اخلاق کی شہادت موجود ہے۔“ ایک مقولہ ہے کہ اے اولاد آدم! جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو تیرا جی چاہے کر۔“ حیا اللہ تعالیٰ سے بھی کی جاتی ہے لوگوں سے کی بھی جاتی ہے اور اپنے نفس سے بھی کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے حیا کرو، جیسا کہ اس کا حق ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: ”اللہ کی درگاہ میں ہم حیا کا صحیح حق کس طرح ادا کریں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سر اور جو اس میں محفوظ ہے اور پیٹ اور جو اس میں محفوظ ہے ان کی حفاظت کے ذریعہ اور حیات دنیا کی زینت کے ترک اور موت اور بدن کے گل سڑ جانے کی یاد کے ذریعہ سے حیا کا صحیح حق جناب باری میں ادا ہوتا ہے۔“

میانہ روی

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ ابن خلدون میں ایک خط میں میانہ روی اور اعتدال سے متعلق کہا ہے: ”تم اپنے تمام کاموں میں میانہ روی اختیار کرو کیوں کہ اس سے زیادہ نفع بخش امن و حفاظت کی ذمہ دار اور فضیلت اور بزرگی کی نشانی کوئی اور نہیں۔ اور یہ اعتدال ہی انسان کو بھلائی اور بزرگی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور بھلائی توفیق ایزدی کی نشانی ہے اور توفیق سعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہے بلکہ خود دین و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار اسی اعتدال میں سے ہے اور دنیا کی اصلاح کا مدار بھی اسی پر ہے۔“

تعمیر و ترقی، شخصیت میں میانہ روی اور اعتدال و توازن اہم عناصر ہیں۔ یہ چیزیں مزاج کے لیے بھی ضروری ہیں کام کاج کے لیے بھی، تعلقات اور معاملات کے لیے بھی، اور

اخراجات کے لیے بھی، غرض زندگی کی ہر معاملے میں اور ہر صورت میں یہ تعمیر و ترقی بری مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

صبر و تحمل

صبر دو قسم کا ہے۔ ایک بدنی جیسے مشقت برداشت کرنا اور عبادت کے مشکل اعمال برداشت کرنا۔ دوسرا نفسانی، یہ خواہش کے تقاضے اور طبیعت کی مرغوب چیزوں سے رک جاتا ہے۔ صبر کی یہ قسم اگر پیٹ اور شرم گاہ کی خواہش سے متعلق ہو تو اس کا نام حلم ہے۔ اگر کسی پریشان کرنے والی مصیبت سے ہو تو اس کا نام ”فراخی“ ہے۔ اگر کسی معاملے کو پوشیدہ رکھنے سے متعلق ہو تو اس کا نام راز کو چھپانا ہے۔ اگر زائد ضروریات سے رکنا ہو تو اس کا نام ”زہد“ ہے۔ اور اگر تھوڑی سے ضروریات پر مطمئن ہونا ہو تو اس کا نام ”قناعت“ ہے۔

صبر و تحمل صرف مشکل وقت کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ بہر وقت میں بھی اس کی ضرورت ہے۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ مومن م؟ سبیت پر صبر کر لیتا ہے اور عافیت پر صرف صدیق ہی صبر کر سکتا ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ تنگیوں سے ہماری آزمائش ہوئی تو ہم نے صبر کیا لیکن جب نعمت و آسائش سے آزمائش ہوئی تو ہم صبر نہ کر سکے۔ جو اس مرد صرف وہ ہے جو عافیت میں بھی صبر کرے اور یہ صبر شکر کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب تک حق شکر ادا نہ ہو، صبر پورا نہیں ہوتا اور نعمت میں صبر مشکل ہوتا ہے کیوں کہ وہاں (تکلف میں) قدرت حاصل ہوتی ہے جیسے کھانا نہ ہونے کی صورت میں بھوکا زیادہ صبر کر سکتا ہے۔ بہ نسبت لذیذ کھانا موجود ہونے کے۔

صبر کا اپنا وصف ہے۔ بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور معرفت کا یہ حق ہے کہ تم اپنی تکلیف کی شیا کرت نہ کرو اور اپنی مصیبت کا ذکر نہ کرو۔ حکماء کہتے ہیں کہ مصیبت کا چھپانا نیکی کا خزانہ ہے۔ ایک آدمی نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا اے ابو عبید اللہ! آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا: میں نے جب تم سے کہہ دیا کہ میں عافیت سے ہوں تو بس کافی ہے۔ تم مجھ سے وہ بات کیوں کہلوانا چاہتے ہو جس کا زبان پر لانا مجھے پسند نہیں۔

استقامت و باقاعدگی

اپنے معاملات اور اصولوں پر عمل درآمد میں استقامت اور باقاعدگی بہت جلد آپ کی شخصیت کو شاہراہ کامیابی پر گامزن کر دے گی۔ اصولوں پر عمل کی عادت ڈالیے۔ کاموں کو باقاعدگی اور استقامت کے ساتھ کیجیے اور جائزہ لیتے رہیے۔

خوف خدا اور خوف آخرت

تعمیر شخصیت کے تخلیقی عناصر میں اور ہماری رفتار کار اور استعداد کار میں اضافہ کا ایک اہم ذریعہ بلکہ بنیادی ذریعہ خوف خدا اور خوف آخرت ہے۔ خدا خوفی ہمیں برے اعمال سے بچائے گی، وقت ضائع کرنے سے بچائے گی۔ حرام کھانے سے بچائے گی، لغویات میں ملوث ہونے سے بچائے گی۔ جب ہم بہت ساری گلیوں میں گھومنے سے بچ کر صرف ایک سیدھی راہ پر آجائیں گے اور ہمارے سامنے ایک عظیم ذات کے وجد کا احساس اس کیفیات و قدرت کا خوف ہوگا تو پھر ہمارے لیے اس سیدھی راہ پر سیدھا اور تیز چلنا آسان ہوگا کہ آخرت کی گھڑی ہماری نظروں کے سامنے ہوگی اور اس شاہراہ پر بھی نظریں ادھر ادھر نہیں گھومیں گی۔

حکمت

حکمت، علم اور اس کے مطابق عمل کرنے کا نام ہے۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آدمی اس وقت تک حکیم نہیں ہوتا جب تک علم اور عمل کو جمع نہ کر لے۔ حکمت نفس کی اس حالت کا نام ہے جس کے ذریعہ سے انسان تمام اختیاری امور میں خطا و صواب کے درمیان تمیز کرتا ہے۔ حکمت و عقل کے اعتدال سے حسن تدبیر، ذکاوت، ذہن باریک بینی، صحیح الخیالی نیز دقیق اعمال اور پوشیدہ آفات نفس میں تیز فہمی جیسے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

اللہ ہمارے ساتھ ہے

ہر وقت یہ احساس رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ حسن نیت عزم اور صحیح

طریقہ کار کے مطابق محنت کر کے اپنے معاملات کے نتائج اللہ کے سپرد کر دینے چاہیے اللہ ہمارے ساتھ ہے، یہ احساس انسان کی نیکیوں میں اضافے اور برائیوں سے روکنے کا باعث ہوتا ہے۔ اسی احساس کے نتیجے میں اس میں غیر مرنی قوت محرکہ اور قوت عمل پیدا ہوتی ہے اور اس کے لیے حالات سازگار ہو جاتے ہیں۔

نفس سے سبقت اور احتساب

انسان پر حسد، حرص، غضب، شہوت اور تندہ اور تیزی بہت جلد غالب آ جاتی ہے۔ اور شیطان ان راستوں سے اس پر حملہ کرتا ہے۔ بغیر تحقیق اور جلد بازی سے کام کرنا بھی اطاعت نفس ہے اور ہم اپنی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ جذبات اور کیفیات بہت جلد غالب آ جاتی ہیں۔ بدگمانی، مودودہ دور کے مسلمانوں کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ مسلمانوں کو ایسی قوت تباہ نہیں کرسٹی مگر بدگمانی تباہ کردیتی ہے۔ بس اس صورت میں نفس پر کنٹرول اور عقل کے استعمال کی ضرورت ہے۔ بقول تم نے نفس امارہ کو مارا تو تم نے ایک بڑے موذی کو مارا۔

اس کے ساتھ ساتھ انسان کو روزانہ رات کو سونے سے قبل احتساب کرنا چاہیے کہ بقول حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہ تم ہر وقت یہ سوچتے رہو کہ خدا سے کتنے قریب ہوئے اور شیطان سے کتنے دور، جنت سے کتنے قریب اور دوزخ سے کتنے دور۔ احتساب تحریری ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

دعا

تعمیر شخصیت میں دعا کا اہم مقام ہے۔ دعاسب سے پہلے اپنی شخصیت کی تعمیر کے لیے مانگی چاہیے۔ جیسے اے اللہ تو نے مجھے اچھی صورت میں پیدا کیا اب میرے اخلاق بھی اچھے کر دے۔ دعائفس کی شرارتوں سے بچنے کے لیے، عزائم کی بلند یوں، قوتوں کی بحالی اور حالات کی سازگاری اور خوشگوااری کے لیے رزق حلال کے لیے بہتر استعداد کے لیے، اچھی ٹیم کے لیے، سخت گیر لوگوں کے دلوں کی نرمی کے لیے بھی ہونی چاہیے۔ دعا میں یقین کی کیفیت ضروری

ہے۔ کسی گاؤں میں بارش نہیں ہو رہی تھی نماز استسقاء کا اعلان ہوا گاؤں والے میدان میں جمع ہو گئے۔ دیکھا گیا کہ ایک گیارہ سالہ بچی بھی اپنے ہاتھ میں چھتری لیے میدان کی طرف آرہی تھی لوگوں نے کہا بیٹی ہم تو ابھی بارش کی دعا مانگنے جا رہے ہیں تو چھتری لیے کیوں آرہی ہے۔؟ بچی نے معصومیت سے جواب دیا: ”جب ہم دعا مانگ کر واپس آرہے ہوں گے تو اس وقت تو بارش ہو رہی ہوگی۔“ بس زندگی میں کامیابی کے لیے یقین کی یہی کیفیت مطلوب ہے۔



اجتماعیت بھی شخصیت کو نکھارتی ہے

اجتماعیت کسی بھی طرح کی ہوانسانی شرسیت کی تعمیر و تشکیل میں نہایت اہم رول ادا کرتی ہے۔ مزاج اور پسند و ناپسند کے معیار کا تعین کرتی ہے۔ جدوجہد اور کوششوں کا رخ متعین کرتی ہے اور اس کی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ بات خود فرد پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح کی اجتماعیت کو پسند کرتا ہے؟ اگر کوئی ڈاکوؤں کے گروہ سے وابستہ ہو جائے تو چوری اور ڈاکہ زنی کا فن سیکھ لیتا ہے، طبیعت ظلم و طغیانی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اخلاق و غیر اخلاق کے درمیان فرق ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دیگر صحبتوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اگر کوئی انسان صالح اجتماعیت سے خود کو وابستہ کرتا ہے تو لازمی طور پر اس کے اخلاق و عادات، افکار و خیالات، اعمال و حرکات اور جدوجہد بھی اسی صالح اجتماعیت کے مطابق اور اس کے مقاصد کے حصول کے لیے ہوتی ہے۔ اگر انسان بری اجتماعیت کو منتخب کرتا ہے تو اس کی تعمیری اور تخلیقی طاقتیں ٹھہر کر رہ جاتی ہیں اور صرف وہی افکار و خیالات اور عادات و اطوار ترقی پاتے ہیں جو اس غیر صالح اجتماعیت کو باقی رکھنے اور اس کے مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔

مختلف قسم کی دینی، سماجی، ثقافتی اور تعمیری جذبہ و مقاصد رکھنے والی جماعتیں انسان کی صلاحیتوں میں اضافہ اور پوشیدہ خوبیوں کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہیں۔ طالب علمی اور نو عمری کا دور اس اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے کہ اس دور میں انسان سیکھنے کے عمل میں مصروف ہوتا ہے اور اسی مرحلے سے گزر رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ اسی دور میں اجتماعیت سے وابستہ ہو جائے اور اجتماعیت بھی ایسی جو صالح اور تعمیری مقاصد رکھتی ہو تو اس کی شخصیت بالکل آفتاب

وماہتاب کے مانند چمکدار اور پرکشش ہو جاتی ہے۔ جو تجربات عام لوگ طویل زندگی تک حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہ اچھی اجتماعیت میں مختصر عمر ہی میں حاصل ہو جاتے ہیں اور ہمہ جہت Multi Dimentional شخصیت ابھرتی ہے۔ وہ لوگ جو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ دوران طالب علمی تنظیموں اور تحریکوں سے وابستگی نقصان دہ ہے۔ وہ لوگ یا تو حقائق کا صحیح علم نہیں رکھتے یا اپنی سوچ میں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ جب کہ زندگی میں توازن اور میانہ روی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک طالب علم بہر حال طالب علم ہے۔ مگر یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جاسکتی کہ علم صرف اساتذہ، کالج کی کتابوں، اور کیمپس کی چہاردیواری میں حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ کہیے کہ علم کا زیادہ تر حصہ ان چیزوں سے باہر ہی حاصل ہوتا ہے جو عملی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس طرح کی سوچ رکھنے والے افراد دراصل علم و تحریک کے وسیع ترین میدانوں سے خود کو کاٹ دیتے ہیں اور خیر کثیر کا دروازہ اپنے اوپر خود بند کر لیتے ہیں۔ جب کہ اجتماعیت سے وابستہ افراد زندگی کے مختلف گوشوں سے سیکھتے اور اپنی ذات و شخصیت کی تعمیر و تشکیل بدرجہ احسن انجام دیتے ہیں۔

اس مضمون میں اسی کا جائزہ لیا جائے گا کہ اجتماعیت اور وہ بھی صالح اور با مقصد اجتماعیت کس طرح ہمارے علم و فہم میں اضافہ کرتی ہے، کس طرح فکر و سوچ میں سرعت، انقلابیت، عزم و حوصلہ، جوش و ولولہ، مقصد زندگی کا شعور اور زندگی میں کچھ کر جانے کا خیال پیدا کراتی ہے۔ تنظیم یا اجتماعیت انسان کی شخصیت کو مختلف انداز سے سنوارتی اور بناتی ہے۔ مختلف جہتوں کا علم اور زندگی کے مختلف میدانوں کا تجربہ فراہم کرتی ہے اور ایسا ہمہ جہت اور گونا گوں صلاحیتوں کا مرقع بناتی ہے کہ انسان جس میدان میں قدم رکھتا ہے کامیابی اس کا مقدر بنتی چلی جاتی ہے۔

اجتماعیت ایک تربیت گاہ Centre of Learning

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ علم صرف کتابوں، اساتذہ کے لیکچرس اور کیمپس کی چہاردیواری تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہر فرد اور زندگی کے ہر مقام اور جہت سے علم حاصل

کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہیے۔ اجتماعیت جس سے ہم وابستہ ہیں وہ بھی اپنی ذات میں ایک تربیتی مرکز Centre of Learning ہے۔ جہاں آدمی علمی چیزوں کے ساتھ ساتھ بے شمار عملی چیزیں بھی سیکھتا ہے۔ اس میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو صرف اور صرف اجتماعیت اور تنظیم سے وابستگی ہی کے ذریعہ سیکھی جاسکتی ہیں۔ ان میں سے چند چیزیں ہم یہاں درج کرتے ہیں:

تجربات میں شرکت

اجتماعیت یا تنظیم کسی جامد ڈھانچے کا نام نہیں اور نہ کسی ایک فرد یا چند افراد کے مختصر سے گروہ کا نام ہے۔ یہاں اجتماعیت سے مراد فعال، جدوجہد کرنے والے اور انقلابی جذبہ رکھنے والے شاہین صفت نوجوانوں کا وہ گروہ ہے جو ہر قدم اور ہر لمحہ پھیلتا جاتا ہے اور مختلف النوع علوم اور تجربات رکھنے والوں کو اپنے انداز پر لیتا جاتا ہے۔ یہ ایک چمن ہے مکمل چمن جس میں ہر قسم کے رنگین و خوشبودار پھول مسکراتے ہیں۔ فعالیت اور جدوجہد کے ذریعہ ہر لمحہ یہاں افراد زندگی کے نئے نئے تجربات سے گزرتے ہیں اور اپنے تجربات میں ایک دوسرے کو شریک کر رہے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے پروگراموں کا نظم و انتظام ریلیوں اور خطابات عام کے لیے بڑے شخصیات سے ملاقاتیں۔ سرکاری حکام اور سرکردہ لوگوں سے گفت شنید، مختلف مسائل میں قائدانہ رول، مخالفتیں اور ان کے درمیان حکمت کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھنا، مشکل و ناموافق حالات میں امکانات تلاش کرنا۔ کیا یہ سب معمولی چیزیں ہیں؟ ان کی اہمیت تو انہیں معلوم ہوتی ہے جنہیں کبھی ان حالات سے سابقہ نہ پڑا ہو اور اچانک وہ اس طرح کے حالات میں آ پھنسیں۔

ہمہ جہت تخلیقی صلاحیتوں کا مرکز

تنظیم میں مختلف قسم کی صلاحیتیں رکھنے والے افراد موجود رہتے ہیں۔ کچھ لوگ بہت اچھے سوچنے والے ہوتے ہیں، کچھ سخت محنتی اور کچھ لوگ اچھے خطیب و قلم کار ہوتے ہیں۔ اس طرح مختلف صلاحیتوں کے افراد ملتے ہیں اور غور و فکر کرتے ہیں تو ایک ہی ایٹھ پر مختلف انداز میں

سوچنے سے ایک مسئلے کی کئی حل سامنے آتے ہیں۔ ایک ہی کام کو انجام دینے کے لیے مختلف افراد ایک سے بڑھ کر ایک کامیاب طریقہ پیش کرتے ہیں۔ اس طرح تنظیم نئے نئے افکار و خیالات کے پیدا ہونے اور کرنے کا ایک مرکز بنا جاتی ہے، اس کے ہر آدمی میں اپنے مقام پر مختلف جہتوں میں یکساں طور پر غور و فکر کرنے کی عادت اور جذبہ پیدا ہوتا ہے بلکہ انسان کی قوت فکر اور اس کے خیالات صالح اور تعمیری انداز میں پرورش پاتے ہیں اور ایک گہری، باشعور اور حساس شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے جس کے سامنے ایک مسئلہ سے نمٹنے کے سینکڑوں حل موجود ہوتے ہیں۔

افراد کے مزاج اور صلاحیتوں کا علم

تنظیم ایک پلیٹ فارم ہوتی ہے۔ مختلف مزاج اور مختلف صلاحیتیں رکھنے والے افراد کا یہاں مختلف معاملات کے دوران مختلف قسم کے افراد سے سابقہ پیش آتا ہے۔ کچھ لوگ انتہائی منکسر المزاج، سادہ طبیعت، علم و فکر کے اعتبار سے الگ الگ سطح رکھنے والے اور اسی طرح سخت مزاج، اپنی رائے رشدت اختیار کرنے والے، کچھ لوگ بہت ہی فعال اور ہر وقت مستعد Active رہنے والے اور ڈانٹا مک سوچ رکھنے والے۔ اور اسی طرح اجتماعیت اور تنظیم میں مختلف ذوق و شوق کے لوگ ہوتے ہیں۔ کچھ اچھے کھلاڑے، اچھے مفکر، اچھے قلم کار، کچھ افراد نہایت غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک، کچھ اوسط اور کچھ عام قسم کی صلاحیتیں رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہاں پر گونا گوں قسم کے افراد اور صلاحیتوں سے معاملہ ہوتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں ان سب کو ساتھ لے کر چلنا اور ہر فرد کو اس کی صلاحیت اور مزاج کے مطابق اجتماعیت کے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرنا اور ذمہ داریاں سونپنا ایک اہم اور چیلنجنگ کام ہوتا ہے۔ اجتماعیت سے وابستگی کے ذریعہ نہ صرف انسان مختلف النوع افراد سے وابستہ ہوتا ہے بلکہ انہیں عظیم اور تعمیری مقاصد کے لیے استعمال بھی کرتا ہے یا استعمال ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ یہ ایک ایسا علم اور ایسا نادر فن ہے جو صرف اجتماعیت سے وابستگی ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح اجتماعیت سے وابستہ افراد جب گھر، خاندان یا سماجی زندگی میں آتے ہیں تو ان کے لیے یہ تمام

باتیں نئی نہیں ہوتیں اور وہ بہ آسانی ہر قسم کے افراد سے معاملات بنانے اور بنائے رکھنے میں کامیاب رہتے ہیں۔

اجتماعیت نظم و ضبط کا مدرسہ Centre of Discipline

کامیاب اور عظیم افراد کی زندگی کو اگر دیکھا جائے تو اس کا سب سے اہم عنصر نظم و ضبط نظر آئے گا۔ زندگی اگر منظم اور منضبط Disciplined نہ ہو تو انسان تمام تر صلاحیتوں کے باوجود انسان کامیابی تک نہ پہنچ سکے گا۔ یا کم از کم اس کی کوششوں کے مثبت نتائج کا تناسب کم ہو جائے گا۔

اجتماعیت کا سب سے اہم اصول اور مستحکم بنیاد یہی نظم و ضبط ہوتا ہے اس کی اہمیت جس قدر انفرادی زندگی میں ہے اسی قدر اجتماعی زندگی میں بھی ہے بلکہ اجتماعی زندگی میں اور زیادہ ہے۔ اگر اجتماعیت میں نظم و ضبط نہ ہو تو وہ محض افراد کی ایک بھیڑ بن کر رہ جائے گی جس کا متحد و منظم انداز میں آنے بڑھنا اور مقاصد کو حاصل کرنا ناممکن ہوگا۔ چنانچہ کوئی بھی اجتماعیت سب سے پہلے اور ترجیحی بنیادوں پر اپنے افراد کو یہی ڈسپلن سکھاتی ہے۔ اجتماعی ڈسپلن اور پھر انفرادی نظم و ضبط، وقت پر پہنچنا، میٹنگوں میں شرکت، کاموں کو ترجیحی بنیادوں پر انجام دینا، وقت کا مناسب ترین استعمال، اجتماعی پروگراموں میں دیے گئے وقت پر شرکت اور خود کو تنظیمی اجتماعیت کے حدود میں رکھنا اور ان کی خلاف ورزی سے پرہیز انسان کو ایسے نظم و ضبط کا عادی بناتا ہے کہ اس کی زندگی کا لمحہ بھر بھی بیکار اور ضائع نہیں ہو پاتا۔ اجتماعیت سے وابستگی نظم و ضبط کے حصول کی بہترین شکل ہے۔ تنظیم سے وابستگی کی بنیاد پر گویا انسان کو کامیاب زندگی کا راز معلوم ہو جاتا ہے اور وہ ایک جامع اور کامل شخصیت کا مالک بن جاتا ہے۔

اجتماعیت اور انفرادی اوصاف

اجتماعیت یا تنظیم سے وابستگی کے ذریعہ انسان کچھ ایسی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرتا ہے جو کامیاب شخصیت کے لیے لازمی ہیں۔ یہ وہ انفرادی اوصاف ہیں جو شخصیت کو پرکشش اور

پر لطف بناتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں اتر جانے اور انہیں اپنا گرویدہ بنا لینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ دوسری طرف یہ خوبیاں اگر انسان کے اندر پیدا نہ ہوں تو زندگی کے خارزار اور سخت راستوں پر چلنے میں غیر معمولی دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات انسان تھک کر بیٹھ بھی جاتا ہے۔ اور زندگی کا حوصلہ جاتا رہتا ہے۔ ان بعض اوصاف کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

جذبہٴ جدوجہد Struggle

انتھک جدوجہد اور سعی پیہم زندگی کی سب سے لذیذ نعمت ہے جنہوں نے اس لذت کو پالیا وہ لوگ گویا سرخ رو ہو گئے۔ اگرچہ یہ جذبہ بعض افراد فطری طور پر بھی لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن بامقصد اجتماعیت افراد کے اندر زبردست جذبہ عمل بیدار کرتی ہے۔ جو بلا کسی ستائش و تعریف کے ہر وقت اور ہر لمحہ مصروف جدوجہد رہتے ہیں۔ اور شباب میں جب کہ عموماً طلبہ و نوجوان زندگی کی رنگینیوں میں عیش کر رہے ہوتے ہیں اجتماعیت ان کے اندر جذبہٴ عمل پیدا کرتی ہے اور انہیں پیغام دیتی ہے کہ:

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں کلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگلیں

جامد، کام چور، کاہل اور محنت و جدوجہد سے جی چرانے والے نہ تو خود اپنا مستقبل روشن کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس دنیا کو کسی خیر سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ اجتماعیت سے وابستگی عام انسانوں کی فلاح و کامیابی کے لیے ایسا جذبہٴ عمل پیدا کرتی ہے کہ انسان ہر وقت متحرک رہتا ہے۔ اجتماعیت نہ صرف انسان کو متحرک کرتی ہے بلکہ ایسا ماحول فراہم کرتی ہے کہ وہ برابر متحرک اور جدوجہد میں مصروف رہے۔

حلم و بردباری Tolerance

اپنی مرضی اور مزاج کے خلاف چیزوں اور باتوں کو برداشت کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ بعض لوگ تو ایسے تنگ مزاج ہوتے ہیں کہ اپنی مرضی اور مزاج کے خلاف کسی چیز کو گوارا

نہیں کر سکتے۔ یہ ایک بڑی کمزوری ہے۔ تمام لوگ آپ ہی کی طرح اور یکساں مزاج تو نہیں ہو سکتے اور پھر مختلف قسم کے حالات اور افراد کو برداشت کرنا انسان کی عظمت کی دلیل ہے۔ زندگی جس رنگ میں آپ کے پاس آئے اس کا استقبال کیا جانا چاہیے۔ اور اللہ کے فیصلے پر راضی ہونا چاہیے۔ جو لوگ اس خوبی سے خالی ہیں وہ معمولی معمولی باتوں پر شکوہ شکایت اور ذرا ذرا سی پریشانی اور دشواری پر چیخ و پکار مچانے لگتے ہیں۔ اجتماعیت یا تنظیم کا ماحول ہمیں زندگی کے ان حقائق کو سمجھنے میں نہ صرف مدد دیتا ہے بلکہ ہر طرح کے افراد اور ہر طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونی کا حوصلہ دیتا اور سلیقہ سکھاتا ہے۔ حلم و بردباری کی محمود صفت اگر نہ ہو تو انسان کی ذات تمام علم و فنہ کے باوجود ناقص اور نامکمل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حلم و بردباری کو مومن کا زیور بتایا ہے۔ کامل شخصیتیں اپنی زندگی کو اس زیور خیر سے اچھی طرح آراستہ کرتی ہیں۔ اجتماعیت ہی کسی شخص کو اپنے حلم و بردباری کو جانچنے اور اسے پروان چڑھانے کا موقع فراہم کرتی ہے۔

حکمت و فہم Wisdom اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”حکمت مومن کی گم شدہ دولت ہے وہ جہاں کہیں بھی ملے مومن اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔“ حکمت کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی محمد ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں ایک بات یہ بھی رکھی کہ ”ويعلمهم الكتاب والحكمة.“ (تا کہ وہ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے)۔

حکمت اس صلاحیت اور قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان زندگی کیہر کام کو نہایت محکم و مکمل اور خوبصورت ترین انداز میں انجام دیتا ہے۔ اجتماعیت مختلف صلاحیتوں اور معیار کے افراد کا مجموعہ ہوتی ہے۔ جہاں کاموں کے معیار بھی افراد کے اعتبار سے متعین ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی کارکردگی انتہائی قابل تعریف ہوتی ہے، کچھ کی اوسط اور کچھ کی مقبول۔ بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو نا تجربہ کاری کی بنیاد پر کاموں کو صحیح انداز میں انجام دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ اجتماعیت ان تمام افراد کے ذہن اور ان کی صلاحیتوں کو ترقی کے اس مقام تک پہنچانے کے لیے مہیز کرتی ہے جہاں وہ عقل و دانش اور فہم و حکمت کے اس مقام کو پہنچیں کہ کسی کام کو بھی ہاتھ لگائیں اس کی تکمیل بحسن و خوبی ہو۔ اس کے علاوہ ان کے فہم و ذہن کو غدا فراہم کرنے اور تقویت

پہنچانے میں تنظیم و اجتماعیت کا ماحول کلیدی رول ادا کرتا ہے۔ حالات کا فہم، معاملات کی نزاکت، حالات کا صحیح تجزیہ صحیح فیصلے کی طاقت یہ اہم چیزیں حکمت کا جز ہیں اور حکمت تجربات اور عمل کی دنیا میں رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ تنظیم و اجتماعیت انسان کے لیے حرکت و عمل اور تجربات کے لیے ایک بہترین ماحول فراہم کرتی ہے جس سے ذہنی و فکری طاقتوں کو جلا، عقل کو طہارت و پاکیزگی اور حکمت کا خزانہ حاصل ہوتا ہے۔

صلاحیتوں کا نشوونما Nourishment of Talents

ہر انسان فطری طور پر بے شمار صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اگر ان صلاحیتوں کے مناسب استعمال اور اظہار کا موقع فراہم ہو تو انہیں غذائیت حاصل ہوتی ہے اور وہ ترقی کرتی ہیں۔ اور اگر مواقع فراہم نہ ہوں تو وہ اپنی جگہ مردہ ہو جاتی ہیں۔ دوسری طرف انسان کی کچھ خاص صلاحیتیں بھی ہوتی ہیں جو اس کی شخصیت میں نمایاں ہوتی ہیں۔ ایسا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ فرد کو ان صلاحیتوں کے اظہار کا موقع ملتا ہے اور وہ ابھر کر سامنے آ جاتی ہیں۔ جب کہ دوسری صلاحیتوں کے اظہار کو چونکہ موقع نہیں ملا اس لیے پوشیدہ رہ گئیں۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اسکول کے ابتدائی دور میں تقریر اور ڈبیٹ میں شرکت کے مواقع حاصل کرتا رہا تو وہ اچھا ڈبیٹریا مقرر سمجھا گیا۔ کسی کو مضمون نگاری کا موقع ملا تو وہ اچھے قلم کار کی حیثیت سے جانا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اجتماعیت انسان کے لیے بے شمار پوشیدہ اوصاف اور خوبیوں کو اجاگر کرنے اور انہیں ترقی دینے کا بہترین پلیٹ فارم ہے۔ اس پلیٹ فارم سے ہو کر انسان اپنے آپ کو ہمہ جہت شخصیت میں تبدیل کرتا ہے۔ اجتماعیت کی ضروریات اور فرد کا مزاج مل کر اس کی شخصیتوں کو نشوونما دیتے ہیں۔ اجتماعیت کی ضروریات کے پیش نظر افراد کو نئے نئے کام کرنے پڑتے ہیں جو اس کی زندگی کو تجربات سے بھرپور بنا دیتے ہیں۔

اجتماعیت اور اجتماعی اوصاف

اجتماعیت اپنے افراد کے اندر بعض بنیادی اجتماعی اوصاف پیدا کرتی ہے۔ وہ انسان کو

زندگی عطا کرتی ہے، اسے جینے کا حوصلہ دیتی ہے، دھڑکتا ہوا دل اور تپتا ہوا دماغ دیتی ہے، شخصیت کو Dynamics اور فعالیت دیتی ہے، زندگی کی حلاوت اور مٹھاس سے ہمکنار کرتی ہے، شخصیت کو ہمہ گیریت، دل پذیری، کشش و جاذبیت دینے کے ساتھ جینے کا سلیقہ سکھاتی ہے، ایسی زندگی جینے کا سلیقہ جس میں انسان اچھا قائد و رہنما بھی ہوتا ہے اور بہترین تابع اور مامور بھی۔ وہ سماج، معاشرہ اور ملک و ملت کی گراں بار ذمہ داریوں کو اٹھانے کی طاقت و حوصلہ رکھتا ہے اور اپنی ذات اور اپنے گھر اور خاندان سے لمحہ بھر کے لیے بے توجہ اور غافل نہیں ہوتا۔ اس کا دل دھڑکتا ہے مگر اپنی ذات اور اس کے مفادات ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے۔ اس کا دماغ سوچتا ہے تو پوری عالم انسانیت کے لیے، الغرض اس کی پوری حیات انسانیت کی خدمت میں وقف ہوتی ہے، اور پھر جب وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو ایک زمانہ اس کی موت پر ماتم کناں ہوتا ہے اور نسلیں اسے اور اس کی خدمات کو نہ صرف یاد رکھتی ہیں بلکہ انہیں اپنے لیے مثال اور رہنما نقوش کی حیثیت سے دیکھتی ہیں۔

(i) خیر خواہی

خیر خواہی کا جذبہ غیر معمولی اہمیت کا حامل بھی ہے اور زندگی کا راز بھی ہے جو لوگ اس صفت سے خود کو آراستہ کر لیتے ہیں وہ ایک عجیب و غریب لذت حیات سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ خود اپنی زندگی کو متحرک و فعال رکھنے اور دوسرے انسانوں کی زندگی کو فعالیت عطا کرنے میں اس جذبہ خیر خواہی کا زبردست رول ہے۔ انسان کی شخصیت کو ہمہ گیر بنانے میں اور صالح سماج و معاشرہ کی تشکیل میں یہ جذبہ روح کی طرح کام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے پورے دین کو خیر خواہی قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”الدين النصيحة (ثلاثا) قالو: لمن، قال لله ولرسوله ولكتاباه ولائمة المسلمين وعامتهم.“ (مسلم) دین سراپا خیر خواہی ہے، دین سراپا خیر خواہی ہے، دین سراپا خیر خواہی ہے، صحابہ کرام نے پوچھا کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے، اس کی کتابوں کے لیے، مسلمانوں کے

سربراہوں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔

اسلامی اجتماعیت کی بنیاد بھی خیر خواہی پر قائم ہے۔ خیر خواہی جو تمام انسانیت اور اس کے افراد کے لیے ہو۔ خیر خواہی ہے اپنی ذات کے لیے بھی اور دوروں کے لیے بھی۔ یہ صفت انسانوں کے ذہن و دماغ اور قلب کو وسعت دیتی ہے ایسی وسعت جس میں دنیا بھر کے ذی روح نفوس کی محبت سما جائے، جس میں پوری انسانیت کے دکھ درد اور پریشانیوں کے لیے جگہ ہو۔ یہ صفت انسان کے دل کو نرم کر دیتی ہے، اور اس قدر نرم کہ انسانوں کی پریشانیوں اور دکھوں کو دیکھ کر وہ ٹرپ اٹھتا ہے۔ دوسروں کی تکلیفوں کے لیے اپنا آرام توج دیتا ہے۔ ان کے آرام کے لیے مختلف سمتوں میں بھرپور جدوجہد کرتا ہے۔ اس کے دل میں سوز، زندگی میں تحریک اور عمل میں استقلال اور خلوص پیدا ہوتا ہے۔

(ii) قیادت و اتباع

کامیاب افراد کی امتیازی صفت اور مکمل شخصیت کی اہم ترین خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ جب وہ قیادت کے مقام پر فائز کیے جاتے ہیں تو کامیاب قائد ثابت دیتے ہیں۔ اور جب وہ مامور ہوتے ہیں اور قائد کے پیچھے چلتے ہیں تو بہترین متبع ہوتے ہیں۔ انہیں اجتماعیت کی قیادت کا سلیقہ بھی ہوتا ہے اور اجتماعیت میں ایک عام فرد کی حیثیت میں رہنے کا ڈھنگ بھی آتا ہے۔ اور زندگی کی یہی دو اہم حیثیتیں ہیں۔ اگر آدمی اپنی شخصیت کو اس پہلو سے جامع اور کامل بنا لے تو فرد اور اجتماعیت دونوں ہی اس کی ذات سے بہترین انداز میں مستفید ہوتے ہیں۔

اجتماعیت جب وجود میں آتی ہے تو اس کی قیادت بھی ابھرتی ہے ایسی قیادت جو اس اجتماعیت کے مقاصد کا نہ صرف گہرا شعور رکھتی ہے بلکہ دوسروں کے ذہن و دماغ میں بھی یہ شعور پیدا کرنے کے لیے ہمہ تن مصروف رہتی ہے۔ اور وہ قیادت محض وقتی نہیں ہوتی بلکہ ہر دور اور ہر زمانے کے لیے وہ قیادت تیار کرتی رہتی ہے۔ اجتماعیت حقیقت میں ایک ادارہ ہے جو قیادت

سازی کا کام کرتا ہے۔ صلاحیت اور ذوق و مزاج کی بنیاد پر منتخب کر کے قیادت کے لائق بناتا ہے۔ اور پھر یہ قیادت ملک و ملت کی تعمیر و تشکیل میں کلیدی رول ادا کرتی ہے۔ اجتماعیت اپنے وابستگان کو انفرادی زندگی جینے کا سلیقہ بھی سکھاتی ہے۔ ایسی انفرادی زندگی جو اہل و عیال، گھر اور خاندان کی نگہداشت کرنے کے ساتھ ساتھ اجتماعیت سے وابستہ رہے اور اجتماعیت کے مقاصد کے حصول میں ہمہ تن مصروف رہے، جو یک لمحہ بھی اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہو، جو وقت اور حالات کے تقاضوں کو دیدہ و ر کی طرح سمجھتی اور جانتی ہو۔

(iii) آفاقیت فکر و نظر (Global Vision)

فکر و نظر کا دائرہ اگر تنگ ہو تو انسان کی کارکردگی بھی محدود دائرہ میں سمت کر رہ جاتی ہے۔ اور انسان اس محدود دائرہ سے بہار موجود علم و فکر اور خیر کثیر سے محروم رہ جاتا ہے۔ فکر و نظر کے دے پچے اگر کھلے نہ ہوں، دل و دماغ اگر محدود دائرہ میں رہ کر سوچنے کے داعی ہو جائیں تو انسان وسیع و عریض انسانیت اور اس کے عالمی مفادات اور تقاضوں کے علم سے محروم رہ جاتا ہے۔ نتیجتاً اس کا حلقہ افادیت بھی مختصر اور محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کی شخصیت میں وسعت و آفاقیت پیدا نہیں ہو پاتی۔ اپنی ذات سے نکل کر گھر اور خاندان اور ان سے نکل کر سماج و معاشرہ اور پھر آگے بڑھ کر پوری دنیا اور عالم انسانیت کے بارے میں سوچنے والے لوگ ہی جامع و کامل شخصیت کے مالک بن پاتے ہیں اور دنیا کو کچھ دینے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں۔

اجتماعیت اور اجتماعی فکر اپنے وابستگان کو محدود دائرہ فکر و نظر سے نکال کر لامحدود اور آفاقی بنانا چاہتی ہے۔ ذہن و فکر کے بند درپچوں کو کھول کر ہر قسم کی اچھائی کو اپنے اندر سمونے کا جذبہ دیتی ہے۔ جغرافیائی حدود، مذاہب و مسالک کا اختلاف، اپنے اور پرانے کا امتیاز، ملک و غیر ملک کی تفریق کو نظر انداز کر کے وسعت افلاک میں گم ہو جانے اور تمام انسانیت کو بلا تفریق خیر سے ہمکنار کرنے کی تحریک دیتی ہے۔ دنیا کے ہر کونے، ہر قوم و ملت اور ہر فرد کی علمی و فکری کاوشوں سے دانشمندی اور پوری فراست کے ساتھ استفادہ کی تلقین کرتی ہے نیز دنیا بھر کی علمی

تحقیقات، فکری سرمائے، سائنس و ٹکنالوجی کی ترقیات اور کوششوں کو بلا تعصب دیکھنے، اس کے اچھے پہلوؤں کو اختیار کرنے اور ان سے بھرپور استفادہ کو نہ صرف اپناتی ہے بلکہ ان کو اپنا حق سمجھتی ہے۔

علم و فضل کے لیے سازگار ماحول Conductive Atmosphere

اجتماعیت کی اہم ترین خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے افراد کے لیے ایسا ماحول فراہم کرتی ہے جس میں رہ کر وہ اپنی علمی جدوجہد کو زیادہ اچھے انداز میں انجام دے سکتے ہیں۔ یہاں پڑھنے لکھنے اور مختلف میدانوں میں کام کرنے والے افراد کا باہمی رابطہ یا Interaction ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ نہ صرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اپنے میدان میں مہارت پیدا کرنے کا اشتیاق عملی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسٹڈی سرکلس، ریسرچ اسکالرس، ڈسکشن گروپ کی تشکیل کے ذریعہ افراد کو پیش بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اجتماعیت پسند طلبہ کی سوچ و فکر اور علمی معلومات کا معیار ان لوگوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے جو تنہائی پسند یا انفرادیت میں گم رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ خالص طالب علمانہ نقطہ نظر سے بھی اگر دیکھیں تو نظرائے گاہک دوسروں سے مل جل کر رہنے اور اجتماعیت کا شوق رکھنے والے لوگ زیادہ اچھی پوزیشن میں ہوتے ہیں بالمقابل ان افراد کے جو تنہائی پسند واقع ہوئے ہوں۔

اسی طرح عمل کے میدان میں بھی اجتماعیت زبردست معاون ثابت ہوتی ہے۔ یوں بھی سماجی زندگی میں انسان مختلف کاموں کو انجام دینے کے لیے دوسرے افراد اور ان کے تعاون کا حاجت مند ہوتا ہے اور اجتماعیت اس باہمی تعاون کی بہترین شکل پیدا کرتی ہے۔ اجتماعیت سے وابستہ افراد کو اس سلسلہ میں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

دینی نقطہ نظر سے تو اجتماعیت کی اہمیت اور غیر معمولی ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اجتماعیت افراد کے لیے حصار حفاظت ہوتی ہے۔ یعنی Proactive Boundry کا کام کرتی ہے۔ یہاں رہ کر افراد کے لیے دین پر عمل کرنا اور صالح زندگی گزارنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ یہی جوہ

ہے کہ جماعت سے نماز ادا کرنے کی نہ صرف تلقین کی گئی ہے بلکہ اسی کو نماز کی روح قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص جماعت سے نماز چھوڑ دیتا ہے اس کے بارے میں اس بات کا زیادہ امکان رہتا ہے کہ وہ سرے سے نماز ہی گول کر بیٹھے۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اجتماعیت ایسا ماحول فراہم کرتی ہے جس میں وہ کر انسان بہت آسانی کے ساتھ دین اور اس کے احکامات پر عمل کر سکتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس بات سے خبردار کیا ہے کہ تمہارے ہنر والے انسان سے شیطان زیادہ قریب رہتا ہے اور اس کو بہکانے میں زیادہ کامیاب ہوتا ہے بالمقابل اس کے جو اجتماعیت سے وابستہ رہتا ہے۔

اسی طرح اجتماعیت سے وابستگی اور اس کا احساس عملی زندگی میں بیرونی فساد زدہ ماحول سے متاثر ہونی اور اس کے رنگ میں رنگ جانے سے بھی محفوظ رہنے میں مدد دیتی ہے۔

شخصیت کا ہمہ جہت تزکیہ

اجتماعیت کسی بھی قسم کی ہواپنے افراد کو ہر پہلو سے تیار کرتی ہے اور اس لائق بناتی ہے کہ وہ بہتر انداز میں اجتماعیت کے مقاصد کو حاصل کر سکیں۔ اسلامی اجتماعیت اور زیادہ ہمہ گیر اور Comprehensive انداز میں اپنے وابستگان کی ادینی و عملی تربیت کرنا چاہتی ہے۔ تزکیہ یعنی زندگیوں کو پاک و صاف کرنا اور اس میں خیر اور اچھائی کو پروان چڑھانے کا کام صرف اور صرف اسلامی اجتماعیت ہی کر سکتی ہے۔ قرآن مجید میں نئی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے کہا گیا ہے ”یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم و یعلمہم الكتاب والحکمة“ (وہ انہیں اللہ کی آیات بتاتا ہے ان کی زندگیوں کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔) چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس طرح اپنے اصحاب کرامؓ کی زندگیوں کو برائیوں سے پاک و صاف کیا اور کس طرح سے ان کی زندگی میں اعلیٰ اوصاف کو پروان چڑھا کر ان کی شخصیات کندن بنا دیا۔ بہترین شہسوار، بہادر سپاہی، کامیاب مجاہد، مبلغ الکلام شاعر و خطیب، با اثر مبلغ و واعظ، پراعتماد داعی، ایسے با اعتماد کہ بادشاہوں کے دربار میں بھی

انتہائی شان بے نیازی اور بہادری کے ساتھ حق بات کی تلقین کی۔ ایماندار تاجر، مدبر و با حکمت گورنر، بہترین سپہ سالار، خاندان کے بہترین نگران، دن کی روشنی میں بقائے حیات کے لیے جد و جہد اور محنت کرنے والے اور رات کی تاریکی میں اللہ کے حضور گڑ گڑانے والے، اور انسانیت کی فلاح کے لیے بے چین رہنے والے، دوسروں کے دکھ درد پر تڑپ اٹھنے والے، برائی کے خلاف سراپا جہاد، خیر کے مبلغ، وقت کے قدر داں، وقت اور حالات پر گہری نظر رکھنے والے، حرص و طمع سے دور، جذبہ جدوجہد سے بھرپور اور انقلابی فکر و عمل کی پیکر شخصیتیں تعمیر کیں۔ شخصیتیں جامع و کامل تربیت ہمہ جہت اور مکمل۔

آخری بات

سطور بالا میں اجتماعیت کے جن فوائد اور پہلوؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور ان سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ اسلام انتہائی تاکید کے ساتھ اجتماعیت سے وابستہ ہونے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ تاکید اتنی زیادہ اہم ہے کہ انسان کے دین اور اس کی دینی زندگی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ اس تاکید کا اندازہ رسول اکرم ﷺ کے اس قول سے لگائیے: ”اگر تین افراد کسی جنگل میں بھی ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنا لیں۔“ ایک اور مرتبہ آپؐ نے فرمایا: ”جس طرح بکریوں کا دشمن بھیڑیا ہے اور ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکری کو بہ آسانی شکار کر لیتا ہے اسی طرح شیطان انسان کا بھیڑیا ہے اگر لوگ جماعت بن کر نہ رہیں تو یہ ان کو الگ الگ نہایت آسانی سے شکار کر لیتا ہے۔ تو اے لوگو! پگڈنڈیوں پر مت چلنا بلکہ تمہارے لیے ضروری ہے کہ جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔“ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ”جماعت سے چھٹے رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ شیطان ایک آدمی کے ساتھ ہوتا ہے اور جب وہ دو ہو جائیں تو دور ہو جاتا ہے۔“

اجتماعیت سے وابستگی براہ راست ہماری اخروی کامیابی سے جڑی ہوئی ہے اگر یہ تمام فوائد جو یہاں گنائے گئے ہیں حاصل نہ بھی ہوں پھر بھی اجتماعی سے وابستگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تاکید اور حکم کی تعمیل میں ضروری ہے اور جس چیز کی اللہ اور رسول ﷺ نے اس قدر

تاکید کی ہے تو کیسے ممکن ہے کہ یہ چیز انسان کی ذات اس کی شخصیت اور اس کی صلاحیتوں کو نکھارنے، پروان چڑھانے میں کلیدی رول ادا نہ کرے۔ جو لوگ اجتماعیت سے وابستہ ہیں وہ ان فوائد کو بہ خوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ محض اجتماعیت سے رسمی وابستگی انسان کی شخصیت کے ارتقاء اور صلاحیتوں کے نشوونما میں معاون نہیں ہوتی جب تک وابستگی کا شعوری احساس، تقاضوں کو پورا کرنے کا جذبہ، اسماحول میں خود کو ڈھلانے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی لگن نہ ہو۔ شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں یوں بھی فرد کی آمادگی اور لگن کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ جب تک یہ باتیں پوری نہ ہوں محض رسمی وابستگی نہ تو کسی کام آئے گی اور نہ کوئی فائدہ پہنچا سکے گی۔



بہتر تعلقات و روابط

دنیا کی زیادہ تر تلخیاں، جھگڑے اور ناراضگیاں اس بات کا نتیجہ ہوتی ہیں یا اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ لوگوں کو اچھے روابط رکھنے یا تعلقات بنانے کا ہنر نہیں آتا۔ اس دعویٰ کی حقیقت کو اگر آپ پرکھنا چاہتے ہوں تو اپنے ارد گرد دو دوستوں دو دلوں اور دو خاندانوں کے درمیان دوری اور عداوت کا حقیقی سبب معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ بہت جلد آپ اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ اس کے برعکس اس کے برعکس جہاں رشتوں اور روابط کو استوار رکھنے کا ہنر و سلیقہ پایا جاتا ہے وہاں باوجود اختلاف کے روابط کا احترام حسن سلوک اور آپسی انس و محبت ہوتی ہے اور پوری سوسائٹی پر اس کے مثبت اور خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

آپسی روابط کو پورے حسن و کمال کے ساتھ نبھانے اور انہیں ترقی دینے کا ہنر کامیاب شخصیت کا ایک بہت اہم جزو ہے۔ بہر شخصیات اپنا تعارف اپنے اس رویہ سے ہی دے دیتی ہیں کہ لوگوں کے ساتھ روابط اور تعلقات کے معاملے میں ان کی کیا روش ہے۔ روابط اور تعلقات کو اس طریقہ سے بنانے کا یہ ہنر پرسنل مینجمنٹ کا نہایت اہم حصہ ہے۔ یہ ہنر موجودہ زمانے میں کس قدر اہمیت کا حامل بن گیا ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آج بڑی بڑی کمپنیاں جو خالصتاً تجارتی مقاصد کے لیے کام کرتی ہیں اپنے افسروں میں روابط کو بنائے رکھنے اور تعلقات استوار کرنے کی صلاحیت کو ضرور پرکھتی ہیں نیز ہر ادارہ اور شعبہ میں باقاعدہ ایک پبلک ریلیشن آفیسر پورے عملہ کے ساتھ مقرر کیا جاتا ہے۔

ان پیشہ ورانہ فوائد کے علاوہ اچھے روابط اور بہتر تعلقات کی اہمیت ہماری سماجی زندگی

میں بھی کم نہیں۔ اخلاقیات میں دوسروں کے ساتھ آپ کا رویہ سرفہرست ہوتا ہے۔ اس صلاحیت کی کمی یا اس کے مفقود ہونے کے نتیجے میں نہ صرف کامیاب شخصیت کے لیے درکار ایک انتہائی اہم وصف سے انسان محروم رہتا ہے بلکہ شخصیت پر اس کے منفی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اور روابط کی خرابی یا تعلقات کا بگاڑ خود ہماری اپنی شخصیت کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔

اچھے تعلقات کے مثبت اثرات

بہتر روابط آخر کس طرح ہماری شخصیت کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی لیکن اس چھوٹی سی مسکراہٹ اور خوش دلی کے ساتھ لوگوں سے ملنے کے نتیجے میں تعمیر ذات کے کئی بیش بہا پہلو ہاتھ آتے ہیں۔ جنہیں پورے شعور کے ساتھ حاصل کیا جائے تو ان کی افادیت مزید بڑھ سکتی ہے۔

استفادہ

حسن تعلقات اور روابط کی بہتری سے انسان صرف اپنی ذات کے ارد گرد گھومنے کے بجائے اس وسیع دنیا سے عملی تعلقات قائم کر لیتا ہے۔ جہاں اسے مختلف ٹیلنٹس، صلاحیتوں اور شخصیات سے میل جول کے مواقع حاصل ہوتے ہیں اور استفادہ کا دائرہ بڑھ جاتا ہے۔ لوگوں کے سامنے اپنے تجربات رکھنے اور دوسروں کی تجربات سے فائدہ اٹھانے کا عمل لازماً ہمارے لیے سود مند ثابت ہوتا ہے۔

مسابقتی جذبہ Competitive Sprit

زندگی بغیر مسابقتی جذبہ کے اپنا اصل حسن اور مزہ کھودیتی ہے بلکہ انسان میں پوشیدہ یہ مسابقت کا جذبہ ہی انسان کی ترقی کا اہم ترین راز ہے۔ یہ جذبہ حقیقت میں روابط اور تعلقات ہی کے نتیجے میں پرورش پاتا ہے اور ربط میں آنے والی شخصیات اور ان کی کامیابیوں کے بغور مطالعہ سے اس جذبہ کو تحریک اور جلا ملتی ہے۔

عمدگی اور جدت

روابط اور تعلقات کا حسن زندگی کے مختلف پہلوؤں اور سرگرمیوں کو بھی حسین بنا دیتا ہے۔ اچھے تعلقات کے نتیجے میں ہمارے کام، انتظام، اور سرگرمیوں میں عمدگی اور جدت پیدا ہوتی ہے۔ جدت اور تنوع تجربات کے تبادلہ اور صلاحیتوں کے اکتساب کے ذریعہ ہی ممکن ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں روابط کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ لوگوں کے ساتھ تال میل کے نتیجے ہی میں اپنے کاموں کی خامیوں اور کمیوں کو درست کرنے کا موقع ملتا ہے اور حسن و نکھار کی نئی راہیں ہاتھ آتی ہیں۔

مدعا رکھنے کا موقع

بہترین تعلقات کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ آپ کو اپنی بات رکھنے یا اپنے موقف کا اظہار کرنے کے لیے بہترین پلیٹ فارم ملتا ہے۔ خصوصاً مسلمان طالب علم اس دنیا میں ایک عظیم مقصد اور نصب العین رکھتا ہے کہ اس زمین پر اللہ کے دین کی حکمرانی ہو۔ اب یہ مقصد تمام مسلم طلبہ و نوجوانوں کا مقصد بن جائے۔ نیز اللہ کے دوسرے بندوں تک یہ آواز پہنچے، اس کا بہترین ذریعہ اچھے تعلقات اور روابط ہی ہیں۔ آپس میں دوری اور فاصلے ہوں تو دور جدید کا کوئی میڈیا آپ کے مدعا کو حقیقی طور پر ان تک پہنچانے میں ناکام ہی رہے گا۔

کامیاب کیریئر میں مددگار

یہ عام تجربہ ہے کہ تعلقات کی بہتری اور روابط بنائے رکھنے کا سلیقہ دنیا میں اپنی صلاحیتوں کی پذیرائی کا سبب بنتا ہے۔ اور اس کے برعکس تعلقات کا بگاڑ اور علاحدگی پسندی سے صلاحیتیں اور ٹیلینٹس منجمد ہو جاتے ہیں۔ ٹھٹھر جاتے ہیں۔ چنانچہ اپنی صلاحیتوں اور قابلیت کا سماج سے رٹن انسان کی پذیرائی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ ان کو منوانے اور ان سے خود ذات کو فائدہ پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ تعلقات کو بہترین بنائیں۔ ادارہ جاتی عہدوں میں ترقی اور

پرموشن کے لیے جو صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں ان میں اچھے روابط بنانے کی صلاحیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

تعلقات خراب کیوں ہوتے ہیں؟

ہماری روزمرہ زندگی میں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ لوگ کسی مقصد یا پروجیکٹ کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ باہمی ربط Interaction میں آتے ہیں۔ لیکن کام کا آغاز ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی سے ایک دوسرے سے شکایت پیدا ہونے لگتی ہے اور لوگ ایک دوسرے سے دور ہونے لگتے ہیں۔ ان شکایات و ناراضگیوں کا دلچسپ پہلو یہ ہوتا ہے کہ پہلا شخص اپنی معصومیت اور موثر کارکردگی اور دوسرے کے قصور و لاپرواہی کے جتنے مضبوط دلائل رکھتا ہے دوسرا شخص بھی اپنے بے گناہ اور پہلے شخص کے خطا کار ہونے کے ویسے ہی ثبوت پیش کرتا ہے۔ معاملہ کالج و یونیورسٹی کے طلبہ کا ہو یا دفتر کے افسروں کا، آپس میں رشتہ داروں کی بات ہو یا کسی مقصد کے تحت شریک کاروں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے تجربے، عام طور پر یہ باہمی چپقلش کی نظر ہو جاتی ہے۔ پھر یہ چپقلش رنجش میں بدل جاتی ہے پھر وہ مقصد اور پروجیکٹ سبوتاژ ہو جاتا ہے جس کی بنیاد پر یہ رشتہ و روابط وجود میں آئے تھے۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟

صحیح معیار بس میرا ہے

تعلقات کی استواری میں جو رکاوٹیں آتی ہیں۔ ان میں عام طور پر شروعات اس سے ہوتی ہے۔ ہم اپنے شریک کار سے مختلف کاموں اور نقطہ نظر کے معاملہ میں وہی معیار دیکھنا چاہتے ہیں جو ہمارا ذاتی طور سے پسندیدہ معیار ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں ہوتی کہ ہمارا اپنا معیار حقیقت کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے یا نہیں لیکن ہم اس پر مصر ہوتے ہیں۔ اعلیٰ کارکردگی اور حسن انتظام کی جس شکل کو ہم بہتر سمجھتے ہیں چاہتے ہیں کہ بغیر دلائل اور باہمی تبادلہ خیال کے سبھی لوگ یہ تسلیم کر لیں۔ نتیجتاً شریک کار ہر رائے پر خط تینخ کھینچتا چلا جاتا ہے اور اس طرح ناچاقیوں اور تلخیوں کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ پھر یہ معاملہ شریک کار کے ساتھ ہی محدود نہیں رہتا۔ دوستوں، میل

جولر کھنے والوں یہاں تک کہ نئے ملاقاتیوں کے ساتھ بھی ہم اس روش کو لاشعوری طور پر اختیار کر لیتے ہیں۔ ہر ایک کے خیالات اور سوچ کو اسی رنگ میں دیکھنے کے متمنی ہوتے ہیں جو ہمارا اپنا پسندیدہ رنگ ہے۔ ہمارا یہ طرز عمل ابتدا میں تعلقات میں تحفظات پیدا کرتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تلخیاں بڑھ جاتی ہیں۔

عدم اعتمادی

آپسی روابط اور تعلقات میں دراڑ پیدا کرنے والی سب سے خطرناک چیز عدم اعتمادی ہے۔ خصوصاً جہاں ٹیک ورک ہوتا ہے وہاں عدم اعتمادی رشتوں پر بیشہ کا کام کرتی ہے۔ عزت نفس کا تحفظ انسان کا فطری داعیہ ہے۔ اور عدم اعتمادی عزت نفس کو زبردست ٹھیس پہنچاتی ہے۔ چنانچہ عدم اعتمادی کی فضا میں کسی مثبت رد عمل کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔ اچھے تعلقات کے لیے ضروری ہے کہ آپ لوگوں سے اپنائیت کا اظہار کریں اور اپنائیت کا یہ اظہار اعتماد کا ثبوت چاہتا ہے۔

قوت برداشت

تعلقات نبھانے کے لیے روابط بنائے رکھنے کے لیے ایک نہایت ضروری چیز یہ ہوتی ہے کہ انسان میں خلاف طبیعت اور بعض گراں گزرنے والی چیزوں کو انگیز کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ یہ بات بہت مشکل ہے کہ ربط میں آنے والے لوگوں سے آپ کو کوئی شکایت ہی نہ ہو۔ انسانی میل جول میں بعض باتیں اس کے باوجود گوارہ کرنی پڑتی ہیں کہ ذاتی طور پر وہ ہمیں ناپسند ہوتی ہیں۔ لہذا قوت برداشت کی کمی اور جھٹ خفا ہو جانے سے تعلقات بھی استوار نہیں کیے جاسکتے۔

شخصیت کو تسلیم نہ کرنا

تعلقات اور روابط میں ناگواری اس شکل میں بھی پیدا ہوتی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو تسلیم نہیں کرتے اور ایک دوسرے کی صلاحیتوں کا اعتراف یا ان کو Recognise نہیں کرتے خصوصاً امیر و مامورین اور سربراہ و ماتحت لوگوں میں اس خرابی کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے۔ تعلقات

کے بگاڑ میں یہ خرابی اس لیے بھی خطرناک ہے کہ دھیرے دھیرے یہ انا میں بدل جاتی ہے، جس سے تعلقات کو استوار کرنے کے تمام راستے مسدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔

بہتر روابط کیسے بنائیں؟

روابط کو بہتر بنانا اور تعلقات کو حسن و خوبی کے ساتھ برقرار رکھنا یقیناً ایک ہنر ہے لیکن یہ کچھ ایسا مشکل کام بھی نہیں۔ اس کے لیے آپ کی خواہش ہو اور آپ بعض باتوں کا خیال رکھیں تو بڑی آسانی سے لوگوں کے دلوں کو جیت سکتے ہیں۔

مشترکہ موضوعات چنے

جن لوگوں کے ساتھ یا جس شخص کے ساتھ بیسوں ایسے نکات پر گفتگو یا ایسے محاذ پر مل کر کام کیا جاسکتا ہے وہاں کیا ضروری ہے کہ ان چند ایک موضوعات ہی کو زیر بحث لایا جائے جن پر اتفاق رائے نہیں ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ آپ تعلقات بڑھانا چاہتے ہیں، ان سے ان موضوعات پر گفتگو مت کیجیے جو متنازعہ ہوں۔ کسی نتیجے پر پہنچنے کی غرض سے کی جا رہی گفتگو میں دلائل کے ساتھ حکمت بھرے لہجے میں بات چیت تو کی جاسکتی ہے لیکن عام گفتگو مین تو ایسے موضوعات ہرگز موضوع بحث نہ بنائیں۔ ان موضوعات پر ہی گفتگو کیجیے جو آپ کے درمیان مشترک ہیں اور ان مسائل ہی کو زیر بحث لائیں جن پر آپ دونوں کی تشویش یکساں ہو۔

داد و تحسین میں فراخ دلی کا ثبوت دیجیے۔

دنیا میں کنجوسی کی جو قسمیں پائی جاتی ہیں ان میں نچلے درجہ کی کنجوسی یہ ہے کہ آپ اپنے ساتھ والوں اور شریک کار کی ان خوبیوں کی ستائش کرنے میں بھی پس و پیش کریں جو واقعی داد و تحسین کی مستحق ہیں۔ جن لوگوں سے آپ کے اچھے تعلقات ہیں ان کے اچھے کارناموں اور سرگرمیوں پر ستائش کیجیے۔ ان کی کامیابی پر پورے خلوص کے ساتھ مبارکباد پیش کیجیے۔ انہیں یہ احساس دلانے کوئی کسر مت رکھیے کہ ان کی خوشی آپ کے لیے بھی مسرت کا باعث ہے۔

مثبت رویہ

تعلقات کی بہتری کا ایک اہم راز آپس میں مثبت رویہ ہے۔ ہمیشہ خامیاں گنوا کر افسردہ کرنا یا مختلف معاملات میں منفی سوچ اور روش فریقین کو ایک دوسرے سے دور کر دیتی ہے۔ اپنے ساتھی کے کمزور پہلوؤں کی اصلاح کی فکر ضرور کیجیے۔ لیکن آپ کے طرز عمل سے یہ بات ظاہر نہیں ہونی چاہیے کہ آپ اس کی شخصیت کو ناپسند کرتے ہیں۔ خوبیوں پر نظر رکھیے، انہیں سراہیے اور پھر کوئی خامی ہو تو احسن طریقے سے واضح کر دیجیے۔ آپ کے برتاؤ سے اس پر یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ آپ اس کے سچے خیر خواہ ہیں۔

خوش مزاجی

خوش مزاجی کے بغیر تعلقات کا برقرار رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہونے کی عادت پر قابو پائیے۔ خوش مزاجی مصنوعی طور پر پیدا نہیں کی جاسکتی، تاہم ذیل میں درج باتوں کا خیال رکھا جائے تو اس مزاج کو ہر روز بڑھا سکتے ہیں:

- ☆ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہونے سے بچئے۔
- ☆ اتنا حوصلہ پیدا کیجئے کہ آپ پر کی جارہی تنقید پر آپ خود تہقہ لگا سکیں۔
- ☆ بحث و مباحثہ میں اپنی لڑائی خوشگوار ماحول میں لڑیے۔ سنجیدگی اور وقار ریز رو اور کھنے کھنچے رہنے کا نام نہیں ہے۔
- ☆ آپ کی صحبت میں لوگوں کو نشاط و فرحت اور زندگی کی رفق ملنا چاہیے۔
- ☆ تعلقات یا روابط کا معاملہ اگر ہم عمر لوگوں سے ہو تو بے تکلف دوست بن جائیے۔

شخصی معاملات میں دلچسپی

تعلقات و روابط کے لیے شخصی و ذاتی معاملات میں دلچسپی اکیسیر کا کام کرتی ہے۔ جن لوگوں سے آپ تعلق استوار کرنا چاہتے ہوں ان کے ساتھ صرف خصوصی پروجیکٹ یا کام سے تعلق مت رکھیے۔ حسب موقع ان کے ذاتی مسائل معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ مختلف مسائل کا

ہر فرد کو سامنا کرنا پڑتا ہے ایسے موقع پر آپ کی اچھے جذبہ سے مزاج پر سی فریق ثانی کے دل کو جیت لیتی ہے۔ لہذا ٹیکنیکل قسم کے تعلقات سے گریز کیجیے اور ممکنہ حد تک لوگوں کے شخصی مسائل کے حل میں تعاون کیجیے۔

شکرگزاری

ٹرین کے سفر میں آپ کسی ضرورت کے تحت کوئی چیز عاریتاً مانگ لیں اور پھر ضرورت پوری ہونے پر بغیر کچھ کہے لوٹا کر خاموش ہو جائیں۔ پھر کسی اور کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنے کے بعد آپ چیز لوٹاتے ہوئے مسکرا کر شکریہ ادا کر دیں تو آپ دیکھیں گے کہ تعاون کرنے والے پہلے شخص کے دل میں آپ کوئی جگہ نہیں بنا سکیں گے۔ جب کہ دوسرے شخص کے ساتھ محض مسکرا کر شکریہ کی ادائیگی نہ صرف آپ کی شخصیت کو مہذب بنائے گی بلکہ تعلقات اور رابطہ کی اچھی بنیاد بھی رکھ دے گی۔ ٹھیک یہی معاملہ تمام تعلقات اور روابط پر بھی صادق آتا ہے۔



گفتگو کا فن

Communication Skill

اپنی بات کو مخاطب کے سامنے پرزور اور قابل قبول انداز میں رکھنا ایک اہم فن ہے۔ الفاظ کا صحیح اور مناسب استعمال، انداز بیان اور طرز کالم کا حسن جس قدر بہترین ہوگا بات اسی قدر موثر اور زود اثر ہوگی۔ نیز مخاطب آپ کی بات کو آسانی سے مان سکے گا۔ اس کے برخلاف اگر انداز گفتگو میں ہچکچاہٹ اور تردد ہو، الفاظ کو ناپ تول کر استعمال نہ کیا جائے، کلام میں روانی نہ ہو، انداز میں صفائی ستھرائی کے بجائے بھونڈاپن ہو، بات غیر مناسب وقت پر کہی جا رہی ہو یا مخاطب کے مزاج و ذوق اور سطح کو نظر انداز کیا جا رہا ہو تو نہ صرف متکلم اپنی بات کو منوانے میں کامیاب نہ ہوگا، بلکہ کبھی کبھی اس کا الٹا اثر بھی ممکن ہے۔ اور آج کے دور میں جب کہ ہر چیز پر پیشہ واریت کا رنگ غالب ہے اس فن سے خالی انسان بہت سی سعادتوں اور بلند منزلوں سے دور رہے گا۔ اچھا اور کامیاب داعی ہو یا کسی تعلیمی ادارے کا معلم، صنعتی یا تجارتی ادارے کا کلرک ہو یا عدالتوں کے وکیل اور اسی طرح سیاسی لیڈر ہو یا مذہبی رہنما، سب کے لیے یکساں طور پر اس فن میں مہارت ضروری ہے۔ دعوت اسلامی کا کام کرنے والوں کے لیے تو اس کی اہمیت اور زیادہ ہے۔ اس لیے کہ انہیں ایک طرف تو اپنے پیغام کو عوام و خواص تک پہنچانا ہوتا ہے اور دوسری طرف ان کے دلوں کو جیت کر ان کے قلب و ذہن میں جگہ بنانی ہوتی ہے۔ طلبہ و نوجوانوں کے لیے بھی اس فن کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لیے کہ عملی میدان میں جاتے وقت تمام اچھی اور اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود اگر ان کے اندر یہ فن موجود نہیں ہے تو ان کے لیے اپنے مقام کا حصول انتہائی دشوار ہوگا۔

کمیونیکیشن کیا ہے؟

افکار و خیالات کو ذہن میں جنم دینا، منتشر خیالات کو مرتب کرنا اور بہترین انداز میں مخاطب کے سامنے پیش کرنے کا نام فن گفتگو یا Communication Skill ہے۔ اس میں بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ مثال گفتگو مذاکرات کسی کو کسی کام کے لیے آمادہ کرنا، تدریس، رپورٹوں، دستاویزات کی زبان تیار کرنا بیانات اور سیاسی وغیر سیاسی نوعیت کے مسودوں کی تیاری، گویا اس میں زبانی گفتگو اور تحریری زبان کا استعمال دونوں شامل ہیں۔

ایک کامیاب Communicator بننا اس بات پر منحصر ہے کہ آپ اپنی بات کو مخاطب کے سامنے کس مہارت اور خوبی سے رکھتے ہیں اور کتنی جلد اور سہولت کے ساتھ اپنی بات کا اسے قائل کر لیتے ہیں۔ ایک کامیاب پیغام رساں کی حیثیت سے آپ کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ مخاطب کے ذہن کو اپنی گفتگو کے دوران کسی بھی طرح کے شک و شبہ سے دور رکھیں۔ گفتگو گنجشک اور غیر واضح نہ ہو نیز اپنی بات کو بیان کرنے کے لیے مناسب ترین الفاظ اور موزوں انداز انتخاب اختیار کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی گفتگو لوگوں کے فہم و ادراک کو براہ راست متاثر کرنے اور لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق کام لینے پر آمادہ کرنے کا کامیاب ہتھیار ہے۔ اس کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ناقص انداز گفتگو Imperfect Communication غلط اطلاع یا غلط فہمی کا ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے دوران گفتگو ان چیزوں پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے جو بنیادی طور پر اس کمزوری کا سبب بنتی ہیں۔ نتیجتاً کہا جا سکتا ہے اور سمجھا کچھ اور جاتا ہے اور اسی طرح کہنا کچھ اور چاہتے ہیں اور کہہ کچھ اور دیتے ہیں۔

کمزور کمیونیکیشن کے اسباب

درمیان گفتگو یا تحریر ایک ہی بات کا بار بار ذکر میرا مطلب یہ ہے غالباً یا اس بات کا اظہار کہ اس کے لیے میں مناسب لفظ یا تعبیر Exact Word نہیں پارہا ہوں یا مخاطب سے اپنا قول دہرانے کی درخواست وغیرہ۔ اس بات کی علامت ہے کہ آپ اس فن میں کمزور واقع ہوئے

ہیں۔ اس کے درج ذیل اسباب ہو سکتے ہیں:

☆ بات کو مخاطب سے کہنے یا ضبط تحریر میں لانے سے پہلے آپ نے اچھی طرح غور و فکر اور سوچ بچار نہ کیا ہو اور باتیں خود آپ کے ذہن ہی میں واضح نہ ہوں۔

☆ مخاطب کے ذہن، اس کے فکر و خیال اور اس کی دلچسپی اور مفاد کو ہی نہ سمجھا جائے۔ اور اس کی پوری توجہ اپنی طرف مبذول کرنے میں کوتاہی برتی جائے۔ اسی طرح مناسب الفاظ و موزوں اصطلاحوں کے استعمال میں غلطی ہو۔

☆ مخاطب کی بات کو پوری توجہ کے ساتھ نہ سننا، بری کمزوری ہے۔ اس کا بڑا نقصان یہ ہے کہ جیسے ہی مخاطب کو اس چیز کا احساس ہوگا وہ آپ کو اہمیت دینا چھوڑ دے گا۔ اور اگر یہ احساس نہ بھی ہو سکا تب بھی ایک نقصان تو ہوگا ہی کہ آپ اس کی باتوں کو سمجھنے سے محروم رہ جائیں گے۔

☆ آپ کی بات سن کر اگر مخاطب اس پر غور کرنے پر آمادہ نہ ہو تو سمجھئے کہ کمیونیکیشن ٹھیک طور پر آپ انجام نہیں دے رہے ہیں۔ مخاطب کی وجہ اگر آپ کی گفتگو سے ہٹی ہے تو یہ بھی کمزوری کی علامت ہے۔ کامیاب کمیونیکیشن مخاطب کے ذہن و دماغ کو اپنی گرفت میں رکھتا ہے اور اس کی توجہ ہٹنے نہیں دیتا۔

☆ اپنے کسی عمل یا عادت سے مخاطب کو غلط تاثر لینے پر آمادہ کرنا ایک زبردست کمزوری ہے۔ لباس اور وضع قطع کی اس ضمن میں بڑی اہمیت ہے۔ اسی طرح الفاظ کا مناسب ترین استعمال بھی اہم ہے۔ اس لیے آپ خود سے پوچھیے کہ:

(الف) کیا دوسرے میری بات کو سمجھتے ہیں؟

(ب) کیا خود اپنی بات کو میں نے اپنے ذہن میں پختہ کر کے منطقی دلائل سے مزین کر لیا ہے؟

(ج) کیا میں مخاطب کی توجہ اپنی گرفت میں کرنے میں کامیاب ہوں؟

(د) کہیں میں اپنے کسی رویہ سے مخاطب کو کوئی غلط تاثر تو نہیں دے رہا ہوں؟

- (ہ) کیا مخاطب کو بھی اپنی بات کہنے کا موقع دیا اور اس کی بات کو بھی غور سے سنا؟
- (و) کہیں میں نے اپنی بات سے نتیجہ اخذ کرنے کا کام مخاطب پر تو نہیں چھوڑا؟
- اگر آپ ان باتوں کا جواب ہاں میں پاتے ہیں تو آپ کو اس بات کا دانشمندی اور ہوشیاری سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ آپ کس طرح اپنی Communication Skill کونشو و نمادیں۔ سمجھ لیجئے کہ آپ اس میدان میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اگر:
- ☆ آپ اس بات کا ادراک کر لیں کہ لوگ اکثر آپ کی بات کا الٹا مفہوم لے لیتے ہیں۔
 - ☆ آپ فیصلہ کر لیں کہ لکھنے یا بولنے سے پہلے آپ اچھی طرح غور و فکر کریں گے اور اپنی باتوں کو منطقی دلائل سے مزین کر کے صاف صاف انداز میں پیش کریں گے۔
 - ☆ آپ دوسروں کو سوچ، فکر، رائے، دلچسپی اور مفاد کا پورا خیال کریں گے اور اسی کے ذریعہ ان کی توجہ کا مرکز بنیں گے۔
 - ☆ آپ اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ آپ کی کسی حرکت یا آپ کے کسی برتاؤ سے مخاطب کوئی غلط تاثر نہ لے۔
 - ☆ آپ مخاطب کی بات کو غور سے سنیں گے۔
 - ☆ اور آپ اس ضرورت کا احساس کریں گے کہ پیغام بہترین انداز میں مخاطب تک پہنچایا جانا چاہیے۔
 - ☆ مخاطب کی رائے اور اس کے مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے کسی بھی جذباتیت اور عصبيت سے ہٹ کر اپنی بات کو دلائل کے ساتھ پیش کریں گے۔

سننا اور بولنا

ہمیں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ ہم کیسے کہہ رہے ہیں تاثر طرز بیان میں ہے جو انداز اور آواز سے پیدا کی جاتی ہے۔ ماہرین کی تحقیقات بتاتی ہیں کہ کل تاثیر کا 90% حصہ آواز اور انداز میں ہوتا ہے۔ اور بقیہ 10%

دوسری چیزوں میں۔

اشارات و کنایات، نشست و برخاست، رکھ رکھاؤ اور وضع قطع کلام میں نصف سے زیادہ اثر کرتی ہیں اور فوری اثر کرتی ہیں۔ اسی طرح آپ کا طرز اور دہرے کی حرکات و سکنات اور تاثرات ان الفاظ کی مقابلہ میں جو آپ استعمال کرتے ہیں تقریباً آٹھ گنا زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ جب کہ آپ کی آواز، اس کا ٹون اور الفاظ پر زور ایک چوتھائی سے کچھ زیادہ تاثر دیتے ہیں۔ اور رہے الفاظ تو وہ اپنی تمام اہمیت کے باوجود تاثیر کلام میں صرف 7% کا حصہ رکھتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پیغام کو دوسروں تک پہنچانے اور موثر طور پر منتقل کرنے میں Appropriate Body Language کی کس قدر اہمیت ہے۔

خاکہ تہج ۲۰۶

بات چیت کے دوران اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے کہ سامع کو یہ تاثر دیا جائے کہ بولنے والا سنجیدہ اور با اعتماد ہے۔ اور اسی طرح جسم اور آواز کے درمیان توافق بھی ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو غیر محسوس طریقہ سے سامع کا اعتماد کم ہوگا اور گفتگو کی تاثیر جاتی رہے گی۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ حرکات اور اشارے الفاظ کے مقابلہ میں زیادہ اونچی آواز سے بولتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ چہرے کے تاثرات ہاتھ کے اشارے، مخاطب سے آنکھ ملا کر بات کرنا بیچ بیچ میں سوال و جواب لطیفہ اور نام کی تکرار بھی ضروری ہے۔ کسی نے کہا ہے One's name is

the melodious song to his ears. دوران گفتگو اس بات کا مسلسل خیال رہے کہ جسم کی حرکات اور زبان سے نکلنے والے الفاظ میں اختلاف نہ ہو۔ مثلاً اگر آپ کہیں کہ میں خیریت سے ہوں۔ تو جسم چستی اور صحت مندی کا اظہار کرے نہ کہ مریضانہ انداز میں جواب دیا جائے۔ سننا اور بولنے سے زیادہ اہم ہے اور بعض لوگوں کے لیے دشوار بھی۔ جو لوگ سننے کے بجائے صرف بولنے کے عادی ہوتے ہیں مخاطب پر اچھا تاثر ڈالنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بات کو غور سے سننے کی اہمیت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب ہم کلام افراد کے درمیان اختلاف رائے ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہت زیادہ محتاط اور حساس رہنے کی ضرورت ہے۔ مخالف رائے کو ٹھنڈے دماغ اور توجہ سے سننا بھی نہایت ضروری ہے۔ بعض وقت مخالف رائے کو اطمینان اور سکون سے سن لینا ہی مخاطب کو اپنی رائے پر غور کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ پیغام کو صحیح انداز میں سمجھنے کے لیے بھی غور سے سننا بہت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا اور انہیں اختیار کرنا چاہیے:

مخاطب کی بات کے درمیان مداخلت نہ کی جائے اور اسے پانی پوری بات کہنے کا موقع دیا جائے۔ اسی طرح درمیان گفتگو ہنس کر مسکرا کر چہرے کے تاثرات سے یہ بتایا جائے کہ اس کی بات پور توجہ دی جا رہی ہے نیز مخاطب سے آنکھیں ملانے کا عمل مسلسل جاری رہے۔

☆ حسب موقع مخاطب کی بات کو اپنے الفاظ میں دہرا کر یہ یقین دہانی کرائی جائے کہ اس کی بات کو صحیح طور پر سمجھ لیا گیا ہے۔

☆ درمیان کلام سوال و جواب کا سلسلہ قائم رکھا جائے۔ اس سے بعض ایسے گوشے آپ کے سامنے کھل کر آجائیں گے کہ جنہیں آپ پوری طرح نہ سمجھ پائے ہوں، دوسری طرف مخاطب کو یہ تاثر ملے گا کہ آپ اس کی بات کو وزن دے رہے اور یکسوئی کے ساتھ سن بھی رہے ہیں۔

اس طرح سننے اور بولنے کا کام بہتر انداز میں کیا جاسکتا ہے اگر آپ خیال رکھیں کہ:

☆ وضع قطع Appearance اور نشست و برخاست کی بڑی اہمیت ہے۔

- ☆ آپ کی Body Language آپ کے زبانی الفاظ سے ہم آہنگ ہو۔
- ☆ درمیان کلام Eye Contact رکھا جائے۔
- ☆ اپنی آواز اور ٹون کے ذریعہ اپنی گفتگو کو دلچسپ رنگ دیا جائے۔
- ☆ مخاطب کو تاثر دیں کہ اس کی بات سنی جا رہی ہے اور بیچ بیچ میں سوال و جواب یا چہرے سے اپنے تاثرات دیتے رہیں
- ☆ پوری یکسوئی کے ساتھ ہم کلام رہیں۔

لکھنا

لکھنا اور پڑھنا کمیونیکیشن کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اپنے پیغام کو تحریری انداز میں پیش کرنا اہم فن ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تحریری چیزیں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اور ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کام کسی قدر نازک بھی ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ ضبط تحریر میں آ جانے کے بعد اس کا موقع نہیں ہوتا کہ قائل اور مخاطب کے درمیان کسی بھی طرح کا کمیونیکیشن ہو سکے۔ اس لیے کہ جو کچھ بھی اس کے سامنی رہتا ہے وہ اسی سے نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ لہذا اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ تحریر میں کوئی جھول نہ ہو، الفاظ بالکل نپے تلے اور واضح ہوں تاکہ قاری کو کسی بھی قسم کی غلط فہمی نہ ہو اور وہ مطلب کو صحیح طور پر سمجھ لے۔ لکھنے والے کو اس بات کا موقع بھی ہوتا ہے کہ وہ تحریر پر بار بار نظر ڈالے اور اصلاح و ترمیم کے بعد بالکل Perfect شکل میں آنے کے بعد ہی اسے جاری کرے۔ جب کہ زبانی پیغام رسانی میں جو بات ایک بار زبان سے ادا ہوگئی وہی فائنل اور حتمی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لکھنے کا فن بولنے کے فن سے زیادہ مختلف نازک اور نتائج کے اعتبار سے دیر پا ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اپنے پیغام کو تحریری شکل میں لاتے وقت درج ذیل چیزوں کو لازماً پیش نظر رکھا جائے:

- ☆ زبان کے عام قواعد و ضوابط، الفاظ و محاورات کا بجا اور صحیح استعمال، سیاق و سباق، سلاست و روانی اور عام فہم الفاظ کا استعمال۔

☆ پڑھنے والے کے لیے صحیح معلومات اور انہیں مرتب و منظم انداز میں پیش کرنا۔ اس کی اپنی معلومات کا بھی خیال رکھنا، تکرار و پیچیدہ عبارتوں سے اجتناب اور دلچسپ انداز پیش کش۔

☆ مسودہ یا دستاویز کی نوعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مناسب اصطلاحات و الفاظ کا استعمال۔ مثال کے طور پر دستاویز تجارتی نوعیت کی بھی ہو سکتی ہے۔ تنظیمی نوعیت کی بھی اور اسی طرح سیاسی اور سفارتی نوعیت کی بھی۔ ہر طرح کی دستاویز کے لیے الگ الگ اصطلاحات و الفاظ استعمال کیے جائیں۔

☆ لکھتے وقت اشارات تحریر کا استعمال لازماً کیا جائے تاکہ پڑھنے والے کو جملوں کو جملوں کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو اسی طرح عبارت کا زور و تاکید بھی واضح ہو سکے۔

☆ حتی الامکان طوالت سے پرہیز کیا جائے لمبی تمہید اور غیر ضروری باتوں کے بجائے براہ راست مطلب کی بات کہہ دی جائے اور عبارت پیرا گراف وغیرہ کا پورا لحاظ رہے۔ نیز اصل اوراق پر کاٹ چھانٹ نہ ہو ورنہ قاری کو اچھا تاثر نہیں ملتا۔

☆ کمیونیکیشن کے بارے ایک اہم نکتہ ہمیشہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ اس پورے Process میں ہم کہیں بھی مخاطب کی اہمیت اور اس کے وقار و منزلت کو کسی بھی طرح کی ٹھیس پہنچنے سے محفوظ رکھیں۔ اور یہ محسوس کرائیں کہ اسے اہمیت دی جا رہی ہے۔ اور اس کا احترام بھی کیا جا رہا ہے اسی طرح اپنی بات کو دوسروں پر تھوپنے کے بجائے ان کے ذہن اور قلب کو اپیل کرنے کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

☆☆☆

فن خطابت

Art of Public Speaking

فن خطابت Art of Public Speaking ایک شخصی خوبی ہے جس کے ذریعہ بڑے پیمانے پر عوام الناس کو متاثر کیا جاسکتا ہے۔ صدیوں پہلے جب کہ علوم و فنون نے آج کی طرح رواج عام حاصل نہیں کیا تھا اور نہ ہی ترقی و عروج کی ان منزلوں تک پہنچا تھا جہاں آج ہے پھر بھی اس فن کو اہم موثر اور قابل قدر مانا گیا۔ اور اسے ابلاغ عامہ کے اہم اور انتہائی موثر ذریعہ کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا بلکہ اسی پر انحصار بھی کیا جاتا رہا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز اسی فن کو استعمال کرتے ہوئے اس وقت کیا جب کہ آپ کوہ صفا پر چڑھ گئے اور پوری قوم کو جمع کر کے فرمایا..... کہ ایک ایسا خطرناک دن آنے والا ہے جس دن تمام دنیا فنا ہو جائے گی۔ ارسطو، افلاطون اور دیگر قدیم فلاسفہ نے بھی اپنے پیغام کو عوام تک پہنچانے کے لیے اس فن کا خاص طور پر استعمال کیا۔

فن خطابت سے دراصل ایک ہی وقت میں بہت سے افراد تک اپنے خیالات یا اپنا پیغام پہنچایا جاسکتا ہے۔ ایک بڑے مجمع یا بھیڑ کو کسی کام پر اکسایا یا کسی کام سے روکا جاسکتا ہے۔ اس کی تاثر کا عالم یہ ہے کہ ایک اچھا خطیب براہ راست لوگوں کے دلوں کو چھوتا ہیا اور اگر وہ چاہے تو عوام کی ایک بھیڑ کو جلتے ہوئے الاؤں میں کودنے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ اگر وہ لوگوں سے مال کی اپیل کرے تو ان سے جس کے کپڑے تک اتروا سکتا ہے۔ اگر کسی کی حمایت میں کھڑا کرنا چاہے تو سدسندری بنا سکتا ہے وہ دلوں کو جوڑ بھی سکتا ہے اور توڑ بھی سکتا ہے وہ دوڑا بھی سکتا ہے اور روک

بھی سکتا ہے وہ لڑائی بھی کروا سکتا ہے اور صلح بھی۔ غرض وہ لوگوں کو جس رخ پر لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے۔ وہ زندگیوں کو روح حیات دے سکتا ہے وہ روح انقلاب پھونک سکتا ہے وہ دلوں میں جذبہ اور آرزو جگا سکتا ہے، بہادری و شجاعت کا درس دے سکتا ہے۔ اور اگر چاہے تو اس کے برعکس زندگیوں میں ناامیدی، بزدلی و بے چارگی و اور بے حوصلگی بھی پیدا کر سکتا ہے۔

شخصیت کا ارتقاء اور فرد کی کامیابی اگرچہ صرف اور صرف اسی فن پر موقوف نہیں ہے لیکن یہ ہر نمایاں اور جامع شخصیت کا اہم موثر اور ممتاز پہلو ضرور رہا ہے۔ چاہے میدان علم و فن ہو یا میدان سیاست دین و مذہب اور دعوت تبلیغ ہو یا میدان اصلاح معاشرہ و سماج۔ ہر میدان کی شخصیات اس فن کو استعمال اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوتی ہیں۔ دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ و سماج نیز دعوت انقلاب دینے والی شخصیتوں کا یہ لازمی اور ضروری وصف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو جوامع الکلم کی خوبی سے نوازا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہارون جیسا فصیح و بلیغ اور قادر الکلام بھائی بطور معاون دیا گیا۔

اچھا مقرر بننا بہت دشوار نہیں

روم کے مارک انٹونی، امریکہ کے ابراہیم لنکن، ہندوستان کے گاندھی اور جرمنی کا ہٹلر ایک زمانہ میں اسٹیج پر آ کر بولنے کی جرأت نہیں کر پاتے تھے۔ ہٹلر کی جادو بیانی کا علام بعد میں یہ ہوا کہ ایک زبردست بھیڑا سے سننے کے لیے جمع تھی۔ ایک شخص اسٹیج پر آیا اور صرف تین بار کہا جرمنی جرمنی اور نیچے اتر گیا۔ بس یہی تین الفاظ اس کا پیغام تھے اور ہزاروں لوگ جرمنی کے لیے سردھڑکی بازی لگانے کے لیے تیار ہو گئے۔

امریکی صدر چرچل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے دوسری عالمی جنگ صرف اور صرف اپنے فن خطابت کے بل پر جیتی۔ جب کہ ایک زمانہ میں اس کا وہی عالم تھا جو ایک نئے طالب علم کا۔

لیکن زبردست مشق کوشش اور منظم و منضبط جدوجہد نے ان افراد کو ایسا مقرر بنا دیا کہ

لاکھوں ہی نہیں کروڑوں لوگ ان کے اشارے پر جان چھڑکنے کو تیار رہتے تھے۔ جب کہ حقیقت میں یہ لوگ پیدائشی مقرر نہیں تھے۔ ان کے پیغام ان کی کوششوں اور وقت نے انہیں اس فن میں دسترس دی اور وہ دنیا کی ممتاز شخصیت بن کر ابھرے۔ یہ شخصیتیں اور ان جیسی ہزاروں اور شخصیات کوئی ما فوق الفطرت Super Natural تو نہ تھیں لیکن پھر بھی دنیا انہیں یاد رکھے ہوئے ہے۔

دراصل مقرر بننا بہت آسان ہے اتنا آسان کہ ہر وہ شخص جو مقرر بننا چاہتا ہے بن سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ چند دنوں منظم اور مسلسل کوشش کی جائے۔ کوشش میں یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ جادو کی پڑیا نہیں ہے کہ اسے گھول کر پی لیا جائے اور بس اسٹیج پر جا کر دھواں دھار تقریر کرنا شروع کر دے بلکہ ابتدائی سطح کی تھوڑی سی باشعور کوشش آدمی کو اس میدان کا ماہر شہسوار بنا سکتی ہے۔ آپ فن میں کمال حاصل کر سکتے ہیں اگر:

☆ جھجک اور خوف دل سے نکال پھینکیں۔

☆ اپنے پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کا شوق اور سچی لگن ہو۔

☆ اگر آپ مسلسل کوششیں جاری رکھیں۔

پہلا کام:

مقرر بننے کے لیے آپ کو پہلا کام یہ کرنا ہوگا کہ آپ اپنے دل سے خوف Stage Fear کو نکال پھینکیں۔ اور اعتماد و حوصلہ پیدا کریں۔ اچھا مقرر بننے کی خواہش ضرور رکھیں لیکن تدریجی عمل کو فراموش نہ کریں۔ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ پہلی بار میں آپ اسٹیج پر جائیں اور دھواں دھار خطاب سے عوام کے دلوں پر چھا جائیں۔ اسی طرح یہ خیال بھی دل سے نکال دیں کہ آپ عوام کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ جب آپ کے اندر سے خوف نکلے گا تو لازماً اس کی جگہ اعتماد پیدا ہوگا۔ جو آپ کی کوششوں کو ہمیز دے گا۔

دوسرا کام

دوسرا کام جو آپ کو اس سلسلہ میں انجام دینا ہے وہ یہ کہ آپ اپنی پسند کے چھوٹے

چھوٹے ایسے موضوعات کا انتخاب کریں جن پر آپ کے پاس ضروری اور طمینان بخش معلومات ہوں اور جن کے بارے میں آپ کا خیال ہو کہ ان موضوعات پر آپ کو شرح صدر حاصل ہے اس کے بعد دوستوں کی محفلوں میں چھوٹے چھوٹے مذاکرات میں ان موضوعات پر گفتگو کریں۔ اور کوشش ہو کہ ان پر ہمہ پہلو معلومات حاصل ہو جائیں۔ یہ نہ بھولیں کہ اس قسم کے موضوعات پر آپ کو اخبارات اور کتابوں سے اور بھی مزید مواد فراہم کرنا ہے تاکہ آپ کی تقریر معلومات سے پر ہو۔ دوران گفتگو اور تبادلہ خیال پوری خود اعتمادی کا مظاہرہ کریں اور احباب کے اعتراضات یا سوالات کو پوری مہارت سے رفع کرنے کی کوشش کریں اور ان کے جوابات دیں۔

تیسرا کام

ابتدائی دنوں میں اس چیز کا خیال رکھیں کہ محض زبانی گفتگو نہ ہو۔ بولنے سے پہلے جمع شدہ مواد باقاعدہ تقریر کی شکل میں لکھ لیا جائے اور بولنے سے پہلے اسے بار بار پڑھا جائے تاکہ روانی پیدا ہو جائے اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم پوری تقریر کے پوائنٹس کو لازماً نوٹ کر لیا جائے اور شروع سے اخیر تک پوری تقریر کی تہائی میں ریہرسل کر لی جائے اور ایسا بار بار کیا جائے۔ اگر ممکن ہو تو کسی بڑے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی مشق کی جائے تاکہ آپ اپنی حرکات و سکنات اور جسمانی حرکت کو علم میں لا کر اصلاح بھی کر سکیں۔ اسی طرح یہ چیز بھی مفید ہوگی کہ آپ اپنی تقریر کو ٹیپ کر لیں اور خود ہی اسے بار بار سنیں۔ اس طرح آپ کو اپنے الفاظ اور اپنی آواز پر گرفت ہوگی۔ نیز اس کے نشیب و فراز اور اتار چڑھاؤ کا بھی علم رہے گا، جس سے اصلاح ممکن ہو سکے گی۔

دنیا کے بڑے بڑے مقررین اور لیڈران کا پہلے بھی یہ شیوہ رہا ہے اور آج بھی ہے کہ وہ بولنے سے پہلے اپنی تقریر کو لکھ لیا کرتے ہیں۔ مولانا مودودی جیسے عظیم مفکر و خطیب اور دریائے علم و فضل کا عالم یہ تھا کہ وہ کبھی بھی بغیر تیار کے نہ بولتے تھے اور اکثر تقریروں کو لکھ لیا کرتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے مناسب تیاری نہ ہو پاتی تو احباب سے اور مخاطبین سے کہتے کہ وہ

سوال و جواب کریں۔

چوتھا کام

تقریر کرتے وقت سامعین کی زبان، ان کی علمی و فکری سطح ان کے مزاج اور جذبات کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ اور اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ مجمع میں مختلف سطح و سوچ کے افراد ہوتے ہیں۔ زبان و انداز ایسا اختیار کیا جائے کہ کسی کو بھی سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ اسی طرح تقریر موضوع کے اندر ہی رہ کر کی جائے اور ضروری مثالوں اور واقعات کی مدد لیتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بات کرنے کی کوشش ہو۔ بھاری بھرکم الفاظ، مشکل اصطلاحات اور غیر مانوس زبان سے مکمل اجتناب ہونا چاہیے۔ اپنی تقریر کو مدلل اور مضبوط و دلچسپ بنانے کے لیے اعداد و شمار، تاریخی واقعات اور قصہ و لطائف کا بھی استعمال کیا جائے تو اچھا ہے۔ اور ہم بات یہ کہ تقریر کے بعد اپنے قریبی احباب اور اس فن کے ماہر افراد سے اگر تجزیہ کرایا جائے تو نکھار کے امکانات اور روشن ہو جاتے ہیں۔

کچھ ضروری باتیں

☆ سامعین یا مجمع کو دیکھ کر کسی بھی قسم کی گھبراہٹ یا پریشانی کا شکار نہ ہوں۔ بلکہ اس بات کو مثبت انداز میں اس طرح لیجیے کہ تمام سامعین اپنا قیمتی وقت اور سرمایہ لگا کر آپ کی باتوں کو سننے اور کچھ حاصل کرنے آئے ہیں۔ لہذا کچھ فراہم کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔

☆ بغیر تیاری کے کسی بھی قسم کے خطاب کو اپنے اوپر حرام کر لیجیے۔ ہمیشہ تیاری اور مطالعہ کے بعد ہی تقریر کیجیے۔ اس سے آپ کی کارکردگی بہتر ہوگی اور خطابت کے فن میں نکھار پیدا ہوگا۔

☆ آپ کو جو کچھ بولنا ہے اسے ذہن و دماغ میں خوب اچھی طرح پکا کر لیں۔ پوری تقریری کوشش سے اخیر تک ذہن میں جمع کر لیں اور بولنے سے پہلے ہی طے کر لیں

کہ گیا بولنا ہے اور کس انداز میں بولنا ہے۔ مثلاً سادہ انداز میں گفتگو کرنی ہے یا زور دار اور جذباتی انداز میں۔ یہ چیز آپ کی تقریر کا مواد اور موقع و محل ہی اصلاً طے کرتے ہیں۔

☆ تقریر کے اجزا کو الگ الگ تقسیم کر لیجیے۔ مثلاً حمد و صلوة اور ابتدائی رسمی گفتگو موضوع کا تعارف، اصل موضوع، ضمنی باتیں اور پھر اختتامیہ۔

☆ سامعین سے رابطہ ضروری ہے۔ تقریر شروع کرنے سے پہلے مجمع کا اچھی طرح پوری خود اعتمادی کے ساتھ جائزہ لیں اور اس سے ہی تقریر شروع کریں دلچسپ باتوں اور لطائف وغیرہ کے ذریعہ بھی سامعین سے برابر رابطہ استوار رکھیں۔ اس طرح سامعین آپ کی باتوں کو اکتا ہٹ کے بغیر سنتے رہیں گے۔ ایک اہم بات یہ کہ جسم کو اپنی زبان کا ہمنوا بنالیں۔ جسمانی اشاروں کا زبان کے ساتھ ساتھ استعمال کریں۔

☆ آواز کا نشیب و فراز اور انداز میں تبدیلی تقریر میں بڑے اہمیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مناسب ارچے تلے الفاظ ہی تقریر میں استعمال کیے جائیں۔ ذومعانی اور ایسے الفاظ و اصطلاحات سے پرہیز کیا جائے جن کو سامعین یا تو سمجھ نہ سکیں یا مختلف مطلب سمجھیں۔

☆ انداز بیان زور دار اور پراعتماد ہونا چاہیے۔ اسی طرح طرز تقریر بھی ایسا بنانے کی کوشش کریں کہ جو سامعین کے لیے باعث اطمینان بنے۔

☆ تقریر میں ابتداء ہی سے تعمیری اور مثبت انداز اختیار کریں اور سامعین کو افکار و خیالات سے بھر پور اور زندگی و امنگ سے آراستہ پیغام دیں۔

☆ یاد رکھیں کہ الفاظ سے دلوں کو چھلنی بھی کیا جاسکتا اور دکھتے دلوں کو مرہم اور سکون بھی مہیا کیا جاسکتا ہے۔ دلوں کو توڑا بھی جاسکتا ہے اور ملایا بھی جاسکتا ہے محبت بھی پیدا کی جاسکتی ہے اور نفرت بھی، لوگوں کو مایوس بھی کیا جاسکتا ہے اور پر امید بھی۔ اچھا خطیب وہ ہے جو لوگوں کے دلوں کو جوڑتا ہو، محبت کا پیغام مرہم، امید کی کرن اور زندگی کا پیام مر

ہو۔ اس لیے اچھا خطیب بننے کی کوشش کیجیے کیونکہ اسلام یہی سکھاتا ہے۔

آخری بات

Art of Public Speaking یا فن خطابت سے متعلق جو کچھ بھی یہاں درج کیا گیا ہے ان تمام کا تعلق عملی زندگی میں برتنے اور استعمال کرنے سے ہے۔ جب تک آدمی اس میدان میں عملی طور پر نہیں اترتا اس وقت تک یہ تمام چیزیں غیر مفید اور نظریاتی ہی رہیں گی لیکن اگر کوئی خواہش و حوصلہ رکھنے والا آدمی ان چیزوں کو استعمال کرتے ہوئے مشق جاری رکھتا ہے تو بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بہت جلد ایک اچھا مقرر بن جائے گا اور اس کی شخصیت اس حیثیت سے بھی ممتاز ہو جائے گی۔

اختیار کرنے کی چیزیں	بچنے کی چیزیں
(۱) خود اعتمادی	(۱) نا امیدی و مایوسی
(۲) سامعین سے قربت و محبت	(۲) پیچیدہ زبان و انداز
(۳) صاف گوئی	(۳) مفنی اور غیر تعمیری سوچ
(۴) مناسب دلائل و اعداد و شمار	(۴) غیر اخلاقی زبان و انداز
(۵) ضروری حوالے	(۵) غیر ضروری تفصیلات
(۶) سادہ زبان	(۶) غلط بیانی
(۷) بہادری اور حوصلہ	(۷) غیر مناسب تنقید

☆☆☆

فن تحریر

لکھنا یا مضمون نگاری ایک فن ہے۔ نہایت اہم اور قدرے نازک۔ اہم اس اعتبار سے کہ اس کی اثرات دیر پا اور مستقل ہوتے ہیں نیز اس فن کو استعمال کر کے پڑھے لکھے اور سمجھدار طبقہ سے رابطہ قائم ہوتا ہے اور قاری براہ راست مضمون نگار کی افکار و خیالات سے متاثر ہوتا ہے۔ اور نازک اس طرح کہ جو چیز ضبط تحریر میں ایک بار آ جائے وہ مستقل ایک دستاویز ہو جاتی ہے۔ اور ایک ہی فرد نہیں بلکہ بعد میں بھی آنے والے لوگ اسے پڑھتے اور اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس کا ایک پہلو اور ہے کہ تحریر کی مختلف صلاحیتیں اور مزاج رکھنے والے افراد مختلف اوقات اور ماحول میں مطالعہ کرتے ہیں۔ آج کے دور میں جو کہ پریس میڈیا کا دور ہے یہ ایک مستقل فن بن گیا ہے اور ہر جگہ اور ہر ملک میں بے شمار ایسے ادارے ہیں جو افراد کو اس میدان کی تربیت اور ٹریننگ دے رہے ہیں۔ اگرچہ اس کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے اور ہر زمانے میں لوگ تحریر کے ذریعہ اپنے افکار و خیالات اور پیغام کو پہنچا تیر ہے ہیں لیکن اب اس کا ذوق اور مزاج پہلے سے بہت زیادہ مختلف و متنوع ہو گیا ہے اور ذہن انسانی کی تعمیر و تشکیل میں اس کی کلیدی شکل اختیار کر لی ہے۔

قدیم زمانے میں جب کہ پریس اور چاپے خانوں کی ایجاد نہیں ہوئی تھی، لوگ اپنے فلسفہ افکار و خیالات اور پیغامات عوام میں پہنچانے کے لیے بڑی بڑی کتابیں تیار کرتے تھے اور پھر ان کو خوش خط افراد سے لکھوا کر لوگوں تک پہنچایا جاتا تھا لیکن اب یہ سہولت دستیاب ہے کہ اس کو بڑے آسان طریقے سے بڑے پیمانہ پر لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں اور اپنے افکار و خیالات کی ترویج کر سکتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فن تحریر ایک مستقل فن اور پیشہ ہو جانے کے باوجود ایک جامع شخصیت کا لازمی جز بھی ہے۔ ایک لیڈر اور قائد اچھا مدبر ہو، صاحب رائے ہو، حوصلہ مند ہو، خطیب ہو، اچھی گفتگو کے ذریعہ لوگوں کو متاثر کر سکتا ہو اور ان کے دلوں کو جیت سکتا ہو لیکن تھری اور صحافت سے بالکل نا بلد ہو تو لازمی طور پر یہ اس کی شخصیت کا ایک نقص تصور کیا جائے گا۔ اور ماضی میں اکی مثالیں ہیں کہ کامیاب شخصیات نے اس میدان سے غفلت برتی بلکہ یکساں طور پر افکار و خیالات کی ترویج و اشاعت اور ذہن و دماغ کی تشکیل و تعمیر کے لیے اپنی دیگر صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی استعمال کیا ہے۔ درحقیقت شخصیت میں جتنی کشش، انقلابیت، جذبہ حوصلہ اور تبدیلی و انقلاب کا شوق اور خواہش ہوگی اسی قدر اس میدان کی مہارت بھی مطلوب ہوگی۔ اس طرح ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ شخصیت جامع اور مکمل نہیں ہو سکتی اگر دیگر تمام صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اس کے اندر صحافتی یا تحریری میدان میں کامیابی کے ساتھ اترنے کی استعداد نہ ہو۔ اس مضمون کا لازمی مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی شخصیت کی ہمہ گیری کے لیے اپنے اندر ایک اور فن کا اضافہ کریں۔ ان افراد کے لیے جو کہ خود کو تحریک اسلامی سے وابستہ کر چکے ہیں اس کی اہمیت ترجیحی بنیادوں پر کہیں زیادہ ہے۔ کیوں کہ آج اس فن کو استعمال کرتے ہوئے لوگ ایسے افکار و خیالات کی ترویج کر رہے ہیں جو انسانیت کے لیے نقصان دہ ہی نہیں تباہ کن بھی ہیں اور اب نئی نسل کے لیے ایک چیلنج ہے کہ وہ اس میدان کے شہسوار بن کر اس طوفان کا کامیابی و حوصلہ کے ساتھ کس طرح مقابلہ کریں گے۔

تحریروں کی قسمیں

- (۱) تصنیف کتب
- (۲) مضمون اور مقالہ نگاری
- (۳) رپورٹنگ اور اخبار نگاری
- (۴) مختلف نوعیت کے دستاویزات تیار کرنا

تصنیف کتب

یہ قدیم ترین زمانہ سے رائج شدہ فن ہے۔ یہاں پر مصنف کسی ایک ہی عنوان پر اتنا مواد جمع کرتا ہے کہ اسے کتابی شکل میں علیحدہ طور پر شائع کیا جاسکے۔ کتاب کسی بھی موضوع پر ہو سکتی ہے مثال دینی، سماجی، سیاسی وغیر سیاسی، تاریخی اور اسی طرح علمی و فکری اور فلسفہ پر مبنی وغیرہ۔ اس کام کے لیے مصنف کے پاس غیر معمولی صلاحیت، تجربہ اور ہر طرح کا مواد درکار ہوتا ہے۔ بعض لوگ اپنی زندگی کے تجربات، مشاہدات اور اپنے ذاتی احوال و کوائف کو جسے عرف عام میں سوانح حیات کہتے ہیں کتابی شکل میں شائع کرتے ہیں۔ کتاب اپنی موضوع اور مصنف کے علم و تجربہ و شہرت کے اعتبار سے اہمیت پاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی فرد خود تو کتاب نہیں لکھتا مگر دیگر مشہور اور قابل قدر شخصیات کے خطبات، ان کی تحریروں اور ان سے متعلق دیگر منتشر مواد کو اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر جوں کا توں کتابی شکل میں جمع کر دیتا ہے تاکہ اس سے عام لوگ بھی استفادہ کر سکیں۔ اسے ترتیب کا نام دیا جاتا ہے اور اس کام کو انجام دینے والے کو مرتب کہتے ہیں۔

مضمون و مقالہ نگاری

مضمون اور مقالہ نگاری آج کل صحافت کے میدان کا اہم جز ہے۔ مضامین اور مقالات کو مختلف موضوعات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے مثال دینی و علمی مقالات و مضامین سیاسی و سماجی مضامین اور اسی طرح وہ مضامین جو صرف اخبارات میں شائع کرنے کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ اس طرح کے مضامین و مقالات کو ہم اخباری و صحافتی مضامین بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ عام طور پر ان موضوعات پر ہوتے ہیں جو انسان کی روزمرہ زندگی اور اس کے مسائل سے بحث کرتے ہوں اور عوام الناس کی اہم اور درپیش ایشوز پر رہنمائی کرتے ہوں۔ ان مضامین کو موجودہ صحافت میں بڑے اہمیت حاصل ہے اور یہ لوگوں کے ذہن و دماغ کی تطہیر و تشکیل اور رائے عامہ کو بنانے یا بگاڑنے کسی چیز کو اونچا اٹھانے یا رد کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ مضامین کسی ایسے

موضوع پر بھی ہو سکتے ہیں جن پر قومی و عالمی سطح پر یا سمیناروں میں بحث جاری ہو۔ اس طرح کے مضامین کے لیے مسائل و حالات کے گہرے علم کے ساتھ ساتھ صحیح غور و فکر اور تجزیہ کی صلاحیت، خاصی مشق اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

رپورٹنگ اور اخبار نگاری

رپورٹنگ اور اخبار نگاری صحافت کی ابتدائی چیز ہونی کے ساتھ ساتھ پیشہ ورانہ فن ہے اور آج کل ہر اخبار کو کئی کئی رپورٹنگ بیک وقت ضرورت ہوتی ہے۔ دراصل یہی لوگ کسی اخبار کے دست و پا ہوتے ہیں۔ اور تمام خبریں یہی لوگ مختلف مقامات سے جمع کرتے اور اخبارات کو بھیجتے ہیں ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ شہر اور علاقوں میں گھومتے رہیں یا کہیں بھی کسی حادثہ یا واقعہ کی خبر پا کر وہاں جائیں اور اس کے بعد اخباری نظام کو صحیح اور حقیقی رپورٹ ارسال کریں۔ پریس کانفرنس اور دیگر اہم مواقع پر بھی یہی رپورٹر حضرات موجود ہوتے ہیں۔ صرف اخبارات ہی نہیں ٹی وی چینلوں اور ریڈیو وغیرہ کے لیے بھی یہی افراد خطریں جمع کرتے اور ارسال کرتے ہیں۔ اس طرح پورا خبروں کا نیٹ ورک انہیں پر تکیہ کرتا ہے۔ اپنی ذمہ داری اور خبر لینے کے جذبہ کے اعتبار سے یہ کام بعض اوقات ایک خطرناک مہم بن جاتا ہے۔ مثلاً جنگ یا غیر مامون مقامات پر جانا اور رپورٹیں حاصل کرنا۔ لیکن اگر اس خطرہ کو قبول نہ کیا جائے تو عوام کو حقیقی صورت حال سے آگاہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔

رپورٹنگ کیسے کریں؟

کسی واقعہ، پروگرام جلسے یا تقریر کی رپورٹنگ کافی اہم بھی ہے اور نازک بھی۔ ایک لمبے پروگرام کو جس میں بہت سی سرگرمیاں جاری رہیں ایک جلسہ جس میں کئی اہم شخصیات نے خطاب کیا یا ایک ہی تقریر جو ایک گھنٹہ تک جاری رہی ہو تمام کی رپورٹنگ اگر الگ الگ کی جائے تو ہر ایک کے لیے پورا اخبار بھی نا کافی ہوگا ایسے میں ضروری ہوتی ہے کہ پروگرام کے اہم اجزاء بیان کیے جائیں۔ جلسہ کی اہم تقریروں اور شخصیات کے بارے میں خبر دی جائے اسی طرح چوری

تقریر میں جو اہم باتیں مقرر نے کہی ہیں انہیں مختصر بیان کر دیا جائے اس میں تمام باتوں کو مقرر یا مقررین کی اپنی زبان میں بیان کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی پورے پروگرام کا مشاہدہ پیش کرنا ممکن ہے ایسے میں کیا کیا جائے۔ جب کہ اخبار میں اس خبر کے لیے ایک مختصر سی جگہ ہی ممکن ہے۔ اس سلسلہ میں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ خبر کا ظاہری ڈھانچا لٹے اہرام Inverted Pyramid کی شکل کا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خبر یا رپورٹ میں سب سے اہم جز کو پہلے بیان کیا جائے اور اس کی بعد بتدریج کم اہم اجزاء کی طرف بڑھا جائے۔ شروع کے حصہ میں اس طرح کا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اہم چیز شروع میں کہہ دینے کے باوجود قاری کی دلچسپی خبر پڑھنے میں قائم رہے۔ مثال کے طور پر آپ صد تنظیم ایس آئی او کے حیدرآباد میں خطاب عام کی رپورٹنگ کریں تو اس خطاب کے سب سے اہم جملے یا نعرہ کو پہلی سطر میں لکھیں۔ مثلاً حیدرآباد: نئی نسل میں بڑھتا اخلاقی بگاڑ ملک کے لیے خطرناک۔ یہ بات آج ایس آئی او کے کل ہند صدر جناب نے کہی۔ اس کے بعد دیگر تفصیلات کا تذکرہ وغیرہ۔ جیسے کچھ اور باتوں کا تذکرہ (جو رپورٹر اپنی زبان میں بھی بیان کر سکتا ہے) دورہ کا مقصد۔ احباب کی تفصیل تنظیم کی سرگرمیوں کا ضمنی تذکرہ اور ممکن ہو تو آئندہ کا پروگرام وغیرہ۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ رپورٹ یا خبر کی اہمیت وقت پر منحصر ہے، آج کی خبر کو تین دن بعد پڑھنے میں کوئی دلچسپی نہیں لے گا۔ کیوں کہ وہ بے کار ہوگئی ہوگی۔

دستاویزات

فن تحریر میں ایک چوتھی قسم دستاویزات کی تیار ہے۔ یہ دستاویزات مختلف نوعیت کے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً معاہدات، خاص قسم کی رپورٹیں، پروجیکٹ وغیرہ کی تفصیلات۔ اس میں بہت خصوصی مہارت اور معرفت کی ضرورت ہوتی ہے اور عام طور پر قانونی، اصطلاحی اور ٹیکنیکل زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ اس میں کئی قسم کی اصولی پیچیدگیاں بھی ہوتی ہیں جن کا علم لکھنے والے کو لکھنے سے پہلے لازمی طور پر حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اگر ان دستاویزات معاہدات اور آرڈیننس وغیرہ کو

تکنیکی اعتبار سے جامع اور کامل نہ بنایا جائے تو ان کی اہمیت بڑی حد تک متاثر ہوتی ہے اور افادیت کم، بلکہ بعض اوقات ختم ہو جاتی ہے۔

مطالعہ اور تحریر

مطالعہ اور تحریر کا تعلق بالکل جسم اور اس میں رواں دواں خون کی مانند ہے۔ جسم میں خون اگر صحت مند نہ ہو اور پورے اہتمام کے ساتھ گردش نہ کر رہا ہوں تو صحت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ یہی حال مطالعہ کا ہے۔ بغیر خون اور مناسب گردش کے جسم و صحت مفقود۔ اسی طرح بغیر مطالعہ کے تحریر کی صحت اور افادیت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ لکھنے سے پہلے اس موضوع پر خوب مطالعہ کر کے جامع و کامل معلومات کا ذخیرہ کر لیا جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک پیالہ میں پانی بھرے یہاں تک کہ پانی اس سے چھلکنے لگے۔ بالکل اسی طرح سے پڑھتے رہتے پڑھتے رہتے یہاں تک کہ علم اور معلومات آپ کے ذہن و دماغ سے چھلک کر کاغذ کے صفحات پر گرنے لگیں۔ اگر اس طرح کوئی تحریر تیار کی جائے گی تو اس کی افادیت، معلومات، اہمیت اور جاذبیت لازمی طور پر قبولیت کے اعلیٰ مقام پر ہوگی۔ مولانا مودودی علیہ الرحمۃ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کا طریق تحریر کیا ہوتا ہے تو انہوں نے جواب میں کہا تھا کہ میں کسی بھی موضوع پر اس قدر پڑھتا ہوں کہ معلومات بھرے پیالہ کی طرح چھلکنے لگتی ہے اور پھر اور پھر میں کاغذ قلم لے کر ان تمام کو لکھ ڈالتا ہوں۔

دیکھیے اگر کوئی شخص مطالعہ کے بغیر تحریر کے میدان میں اترنا چاہے تو کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ آخر وہ لکھے گا کیا جب اس کے افکار و خیالات اور اس کی تحریروں کو زندگی و جلا بخشنے والی چیز یعنی مطالعہ ہی نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ چند روز کوئی فرد اپنی گزشتہ معلومات و اطلاعات کی بنیاد پر کچھ لکھ لے مگر بہت زیادہ دنوں تک اس کی تحریر میں جاذبیت، معلومات کا خزانہ اور کشش باقی نہیں رہ سکتی۔ بلکہ درحقیقت پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

فنِ تحریر اور زبان

صحافت یا تحریر کے میدان میں زبان کی بڑی اہمیت ہے اور یہ تحریر کی روح ہے۔ اگر زبان میں چاشنی ولذت، سلاست و روانی، الفاظ و اسالیب اور اشارات و کنایات، تشبیہات و استعارات، اصطلاحات و عبارات اور سہولیت و کشش نہ ہوتی تو قاری اس کے پڑھنے میں یا تو دلچسپی نہیں لے گا یا کبیدہ خاطر اور طبیعت پر جبر کر کے پڑھے گا اور اس طرح تحریر کی جاذبیت و تاثر ختم ہو جائے گی۔ بھونڈی، غیر فصیح و غیر مانوس اور غیر مقبول زبان میں کتنی بھی قیمتی باتیں اور اہم معلومات کیوں نہ فراہم کی جائیں قاری اس میں کوئی دلچسپی نہ لے گا۔ یہی وجہ ہے میدانِ صحافت کا جو اہم نکتہ زبان کے سلسلہ میں ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ادیب کا صحافی ہونا ضروری نہیں لیکن ہر صحافی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھا ادیب ہو۔

اس لیے اس میدان کا کامیاب آدمی بننے کے لیے زبان اور اس کی اصول و اسالیب سے پوری واقفیت لازمی ہے۔ تاکہ اپنے افکار و خیالات کو حسین پیرایہ زبان اور دلکش و لطیف انداز و اسلوب میں بیان کر کے اسے ہر قاری کے لیے قابل قبول ہی نہیں بلکہ اس کے ذوق و مزاج کا سامان بنا کر پیش کیا جاسکے اور دلوں کو اپنی تحریروں سے مستخر کیا جاسکے۔

تحریر اور معلومات

تحریر کے سلسلہ میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ محض زبان و بیان کے ذریعہ ہی کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی جب تک قارئین کے لیے کچھ ٹھوس، بنیادی اور اہم معلومات فراہم نہ کی جائیں۔ اصولی اور بنیادی طور پر انسان کے پڑھنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ نئی نئی چیزیں جانے اور اپنے علم میں اضافہ کرے۔ اگر کوئی تحریر قاری کو نئی نئی معلومات فراہم نہیں کرتی یا اس کے علم میں کچھ نہ کچھ اضافہ نہیں کرتی تو اسکی کوئی افادیت نہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے بنیادی مقصد ہی سے دور ہے۔ مضمون نگار کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے مضمون کے لیے معلومات کا ذخیرہ کرے اور مضمون کو اس اعتبار سے اتنا جامع و کامل بنائے کہ پڑھنے کے بعد قاری یہ محسوس کرے کہ اس مضمون کے

ذریعہ اس کی معلومات میں اضافہ ہوا ہے اور نئی نئی چیزیں اس کے علم میں آئی ہیں۔ اس بارے میں مضمون نگار کو چاہیے کہ لکھنے سے پہلے وہ موضوع سے متعلق ضروری اور وافر معلومات، اعداد و شمار، سروے، گراف و ڈائیگرام اور افراد، اشیاء، مقامات اور متعلقہ چیزوں کی پوری معلومات فراہم کر لے۔ اگر کوئی مضمون اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا تو اس کی اہمیت صفحات کو سیاہ روشنائی کو ضائع اور وقت کو برباد کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگی۔

طرز پیش کش

مطالعہ، زبان و معلومات کے باوجود اگر طرز پیش کش اور انداز بیان جاذب اور پرکشش نہ ہو تو تحریر کا زور اس کی تاثیر جاتی رہتی ہے۔ عبارتوں کا ربط، پیرا گراف کا صحیح استعمال اور رموز تحریر مثلاً کوما، واوین (‘’‘‘) ڈیش (-) وغیرہ کا مناسب انتخاب تحریر کی جان ہوتے ہیں۔ اسی طرح مضمون یا تحریر کو پرکشش اور قابل فہم بنانے کے لیے اعداد و شمار، خاکہ، ڈائیگرام، گراف اور اس طرح کی دیگر اشیاء کے ذریعہ مضمون کو زینت دینا بہت ضروری ہے۔ اگر اس طرح کی چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئی صرف اور صرف لکھتے جانا ہی عادت ہو تو تحریر کی افادیت و جاذبیت کم ہو جاتی ہے۔ اگر مضمون میں اس طرح کی چیزوں کا استعمال کیا جائے تو پڑھنے والے کے ذہن میں معلومات محفوظ رہتی ہیں اور وہ آسانی کے ساتھ معلومات اور بیان کردہ چیزوں کو اخذ کر لیتا ہے۔

چند باتیں یاد رکھنے کی

- یاد رکھیے کہ آپ کی تحریر آپ کے علمی مرتبے فکری مقام اور شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس لیے کسی بھی مقام پر بے توجہی اور غفلت کا مظاہرہ نہ کیجیے۔
- ☆ تحریر کے ذریعہ بھی معجزے، انقلابات اور تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور ہر میدان میں اس کی تاثیر مسلم ہے۔
- ☆ تحریر کام فکر و عمل کے سوتے سے ابلتا ہے اور زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔

- ☆ جب لوگ جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ہوتے ہیں اور خارجی دنیا سے ان کا ربط ٹوٹ جاتا ہے اس وقت افکار و خیالات کی ترویج کا واحد ذریعہ یہی رہ جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سید قطب شہید نے جیل میں رہ کر فی ظلال القرآن جیسی اہم تفسیر پر کام کیا اور پنڈت نہرو جیسے لوگوں نے جیل میں رہ کر قیادت بھی کی اور بہت سی کتابیں بھی لکھیں۔
- ☆ جب تمام ظاہری ہتھیار چھن جاتے ہیں اور انقلابی افراد کا دنیا سے رشتہ کٹ جاتا ہے یہی صلاحیت کام آتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ:
- (۱) اس فن کو اپنے اندر پوری طرح پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔
- (۲) عملی اعتبار سے لکھنے سے پہلے خوب مطالعہ کے ذریعہ ضروری مواد جمع کر لیا جائے۔
- (۳) موضوع اور مواد کے پیش نظر پورے مضمون کا ایک خاکہ تحریری شکل میں بنالیا جائے۔
- (۴) موضوع و مواد پر دیگر جانکار افراد سے گفتگو بھی کی جائے اور ان کے مشوروں سے استفادہ بھی کیا جائے۔
- (۵) کام میں پوری توجہ اور یکسوئی برتی جائے۔

لکھنے کا فن مشق پر منحصر ہے

لکھنے کا فن دراصل مشق و تمرین پر منحصر ہے۔ برابر لکھتے رہنا اور خوب لکھنا تحریر و تحریری صلاحیت کو نکھارتا ہے۔ اگر توجہ کے ساتھ لکھا جائے تو لازمی طور پر ہر دوسری تحریر پہلی کے مقابلہ میں بہتر اور مکمل معلوم ہوگی۔ الفاظ و اسالیب اور طرز پیش کش میں بہتری آئے گی۔ لکھنے کا مزاج بنے گا یہاں تک کہ اچھے اچھے مضامین کو کم وقت اور کم محنت صرف کر کے آسانی کے ساتھ تیار کیا جاسکتا ہے۔

مشق کیسے کریں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ لکھنا شروع کر دیجیے۔ لکھتے جائیے اور بار بار لکھیے۔ ضروری ہے

کہ ابتدا میں عام اور چھوٹے چھوٹے ایسے موضوعات کا انتخاب کیجیے جن پر آپ کو اچھی کارکردگی کے مظاہرہ کی توقع ہو۔ اگر ممکن ہو تو کسی تجربہ کار فرد کو دکھائیے۔ اور اس کے مشوروں سے فائدہ اٹھائیے اور ہاں پہلے ہی مضمون کو شائع کرنے کے شوق میں بے چین نہ ہوئیے بلکہ کوشش جاری رکھیے۔ یہاں تک کہ ایک خاص معیار تحریر حاصل ہو جائے۔ پہلے پہل ایسے موضوعات پر لکھیے جن میں آپ کی رائے کو کم سے کم دخل ہو۔ دوسروں کی باتوں کو جوں کا توں پیش کیجیے تاکہ پیچیدگی سے بچا جاسکے۔ یاد رکھیے کہ چھوٹے چھوٹے مقابلوں میں شرکت حوصلہ و ہمیز کا کام کرتی ہے اور یہیں سے آپ بڑے بڑے مقابلوں کے انعامات جیتنے کے اہل بنتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ آپ کو اپنی ہر آئندہ تحریر کو پہلے سے بہتر بنانا ہے۔ اس کے لیے درج ذیل چیزوں کو ہمیشہ ذہن میں رکھیے۔

- ☆ ہمیشہ سادہ اور عام فہم زبان استعمال کیجیے۔
 - ☆ جملوں کی طوالت اور پیچیدگی سے بچئے۔
 - ☆ مناسب اور بر محل الفاظ کی تلاش مستعدی سے کیجیے۔
 - ☆ تحریر کو ہر قسم کے دلائل و براہین سے آراستہ کرنے کی کوشش کیجیے۔
 - ☆ اسلوب بیان اور عام زبان کے اصولوں کا اول روز سے ہی خیال رکھیے۔ متروک الفاظ اور گھسے پٹے جملوں سے بچئے۔
 - ☆ اپنی تحریر کو بار بار پڑھئے اور آسلاخ کرنے کی عادت ڈالیے۔
 - ☆ اپنے مضامین پر تنقید سننا گوارا کیجیے اور ناقدین کی قدر کیجیے۔
 - ☆ کسی بھی ناکامی کو مایوسی کے بجائے کامیابی کا زینہ بنائیے۔
- مذکورہ بالا باتوں کو عملی زندگی میں برتنے سے توقع کی جاتی ہے کہ شخصیت میں ایک اور فن کا اضافہ ہوگا اور آپ کی شخصیت میں ہمہ گیری آئے گی۔ لیکن یاد رکھیے کہ مہارت کے کچھ دشمن بھی ہیں اور کچھ دوست بھی۔

تحریری مہارت

دشمن

☆ عجلت

☆ اکتاہٹ

☆ محنت و کوشش سے فرار

☆ مایوسی

دوست

☆ مشق

☆ لگن

☆ حوصلہ

☆ امید

کیسے کریں امتحان کی تیاری؟

یہ زندگی ایک امتحان ہے۔ اس امتحان کی کامیابی پر ابدی زندگی کی فلاح منحصر ہے۔ امتحان حیات کے اس عرصہ میں انسان کو بے شمار چھوٹے بڑے امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ امتحان اس کی صلاحیتوں اور خوبیوں و خامیوں کی آزمائش ہوتے ہیں اور ان کے نتیجے اس کے سامنے اس کا عکس پیش کر دیتے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اہل نگاہ کے لیے یہ زندگی ایک امتحان ہے۔ یوم نتیجہ یوم حشر کی یاد دلاتا ہے۔ زلٹ شیٹ اعمال نامہ کی یاد دلاتی ہے۔ اچھے نشانات جنت، اور ناکامی دوزخ کی تذکیر کا باعث ہوتی ہے۔

زیر نظر مضمون میں جو امتحان زیر بحث ہے، اس کا تعلق دور طالب علمی سے ہے۔ ہر طالب علم کو سال بہ سال اس امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور اس امتحان کی کامیابی پر اس کے مستقبل کا دار و مدار ہوتا ہے۔

یقیناً ہر ایک کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ امتحان میں اچھے سے اچھے نشانات لائے۔ عمدہ سے عمدہ کامیابی حاصل کرے تاکہ اس کا مستقبل روشن ہو۔ آئیے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ اس خواہش کی تکمیل کا راستہ کیا ہے؟

پہلے یہ صفات پیدا کیجیے

اگر آپ امتحان میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنی شخصیت پر توجہ دیجیے۔ اپنا جائزہ لیجیے۔ خود سے سوالات کیجیے اور دیکھیے کہ کیا آپ کے اندر درج ذیل صفات پائی جاتی ہیں۔ اگر نہیں پائی جاتیں یا کم از کم ائی جاتی ہیں تو توجہ دیجیے۔ انہیں بڑھانے کی

کوشش کیجیے۔

(۱) امنگ اور خواہش

امنگ اور خواہش ہر کام کی انجام دہی کے لیے پہلی شرط ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی شدید خواہش اور امنگ اپنے اندر پیدا کیجیے۔ جن لوگوں کی خواہشات ہی بہت چھوٹی اور معمولی ہوتی ہیں وہ تمام صلاحیتوں کے اور مواقع کے باوجود محروم رہ جاتے ہیں۔ کبھی مطمئن نہ ہو جائیے۔ نہ ہی اکفا کر لیجیے۔ بہتر سے بہتر کی خواہش اور زیادہ سے زیادہ کی آرزو ہی سے دنیا آباد ہے۔ اگر آپ نے فرسٹ کلاس حاصل کیا ہے تو ڈسٹنشن کی امنگ پیدا کیجیے۔ رینک کی امنگ پیدا کیجیے۔ ٹاپ کرنے کی آرزو کو مچھلنے دیجیے۔ حرت انگیز کارنامہ انجام دینے کا ولولہ پیدا کیجیے۔ عبقری بن جانے کے خواب دیکھیے جو لوگ صرف پاس ہونے کی خواہش رکھتے ہیں انہیں آکٹائون کا دماغ بھی مل جائے تب بھی وہ پاس کلاس سے آغے نہیں بڑھ سکیں گے۔ یاد رکھیے اونچی خواہشات اونچی منزلوں تک پہنچنے کا پہلا زینہ ہیں۔

(۲) مقصد کی وحدت اور اسپر نظر

مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے لیکن چونکہ ابھی آپ طالب علم ہیں۔ اس لیے غلبہ دین کی کاوشوں کا بھی طویل المیعاد تقاضا یہ ہے کہ آپ اچھی تعلیم حاصل کریں۔ اس حیثیت سے آپ کا فوری مقصد امتحان میں اچھی کامیابی ہے۔ اس مقصد پر گہری نظر رکھیے۔ اپنی نظروں کو اس سے اوجھل نہ ہونے دیجیے۔ دیگر تمام مشاغل کو ثانوی طور پر پیش نظر رکھیے۔ شرعی فرائض (جن میں دعوت دین بھی شامل ہے) کے علاوہ کسی بھی مصروفیت کو تعلیم میں حارج نہ ہونے دیجیے۔ امتحان کے مکمل ہو جانے تک ہر چیز بھول جائیے۔ صبح و شام آپ کے ذہن پر صرف امتحان سوار رہے۔ اسی کے بارے میں آپ سوچیں، آپ کا ذہن مکمل ور پر اپنی تعلیم کی طرف یکسو ہو جائے۔ امتحانات میں اچھی کارکردگی کے لیے یہ لازمی شرط ہے۔

(۳) دلچسپی و خود سپردگی

اپنی پڑھائی میں گہری دلچسپی پیدا کیجیے۔ اور دلچسپی کے ساتھ سپردگی Devotion پیدا کیجیے۔ ذاتی خواہشات اور دلچسپیاں پڑھائی میں حائل نہ ہونے پائیں۔ صحت کی چھوٹی موٹی خرابی یا دیگر معمولی مسائل عذر نہ بن جائیں۔ بار بار توجہ ہٹ جانے کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔ محنت سے طبیعت نہ گھبرائے۔ اکتاہٹ اور بیزاری نہ پیدا ہو۔ ان سب کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی پڑھائی میں گہری دلچسپی پیدا کریں اپنی کتابوں سے محبت بلکہ عشق پیدا کریں۔ اگر دلچسپی یا سپردگی Devotion کی کمی آپ پاتے ہوں تو اسے بڑھانے کی سنجیدہ کوشش کیجیے۔

(۴) قوت ارادہ و مستقل مزاجی

مضبوط قوت ارادی ہر کام کے لیے ضروری ہے۔ تعلیم کے لیے تو بے حد ضروری ہے۔ امتحان کو ایک چیلنج کے طور پر لیجیے۔ اپنے آپ پر بھرپور اعتماد رکھیے اور مضبوط قوت ارادی کے ساتھ اور مستقل مزاجی کے ساتھ آگے بڑھیے۔ پڑھائی کا جو ٹائم ٹیبل بھی سوچ سمجھ کر بنالیں اس پر سختی سے کاربند رہیے۔ اس سے سرمو انحراف کو اپنی شکست سمجھیے۔ جو اہداف بھی آپ متعین کریں اور جو منصوبہ بھی آپ طے کر لیں، اس پر اس اعلان کے ساتھ ڈٹ جائیے کہ ان شاء اللہ اب دنیا کی کوئی قوت مجھے اس منصوبہ سے منحرف نہیں کر پائے گی۔

طے شدہ وقت سے پہلے نیند آ جانا، کھانے میں زیادہ وقت لگ جانا، دوستوں کے درمیان اضافی وقت گزر جانا، اہداف کا ناکمل رہ جانا، گھنٹوں کا فضول ضائع ہو جانا، کسی کامک اوقت پر کمل نہ ہونا، یہ سب یاد رکھیے کہ کمزور قوت ارادی کی علامت ہیں اور کمزور قوت ارادی ایک کمزور اور بودے انسان کی علامت ہے جو اگر اپنی کمزوری دور نہ کرے تو زندگی بھرنا کامیوں کا سامنا کرتا رہے گا۔

قوت ارادی ہی کا عملی مظہر مستقل مزاجی ہے۔ ارادوں کی عدم تکمیل انسان کو اپنی

ارادے اور منصوبے بار بار بدلنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہی غیر مستقل مزاجی ہے۔ مضبوط قوت ارادی پیدا کیجیے۔ پھر اپنے منصوبوں میں بہت کم تبدیلی آپ کو کرنی پڑے گی۔

آپ کے عزیز احباب آپ کو زیادہ دلچسپ مشاغل کی طرف متوجہ کریں گے۔ آپ کے گھر میں پر لطف ضیافتوں اور بہار دعوتوں کا سلسلہ چلے گا۔ آپ کے شہر میں پرکشش رونقیں آباد ہوں گی۔ ٹی وی پر دلچسپ سیریل چلیں گے۔ کرکٹ کے سنسنی خیز مقابلے ہوں گے۔ امتحان تک نہ جانے کیسے کیسے آزمائشی مراحل آئیں گے اور کتنے عجیب و غریب واقعات رونما ہوں گے لیکن یاد رکھیے ان میں سے ہر ایک آپ کی قوت ارادی کا امتحان ہے۔ جذبات و خواہشات پر کنٹرول ایک مضبوط مرد ہونے کی علامت ہے۔

تقویٰ کی صفت آخرت کے امتحان کے لیے بھی ضروری ہے اور دنیا کے امتحان کے لیے بھی۔

(۵) سخت محنت

محنت ہی کامیابی ہے۔ سخت محنت کے عادی بنئے۔ کارکردگی Efficiency بڑھائیے۔ دور طالب علمی میں ۱۶ گھنٹے کام کرنے کے عادی بنیے۔ صبح سویرے اٹھیے۔ دوپہر میں سونے سے گریز کیجیے۔ اگر آپ تھوڑا سا کام کر کے تھک جاتے ہیں یا آرام کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو آپ ایک بڑی کمزوری کا شکار ہیں تعیشات Luxuries کے حتی الامکان پریش کیجیے۔ نرم بستر پر پڑھائی نہیں ہوتی۔ ٹیبل کرسی پر بیٹھ کر پڑھنے کی عادت ڈالیے۔ ایئر کنڈیشنر وغیرہ جیسی Luxuries سے دور طالب علمی میں بچنا ہی مفید ہے۔ اس لیے کہ جہاں یہ چیزیں میسر نہ ہوں وہاں آپ اپنی کارکردگی متاثر محسوس کریں گے۔

تھکان کے احساس کو کم سے کم کیجیے۔ ایسا کبھی نہ سوچیے کہ آج میں نے بہت زیادہ کام کر لیا ہے۔ اب وقت سے پہلے آرام کر لینا چاہیے۔ ۲۴ گھنٹوں میں ۶ یا ۷ گھنٹے نیند کے لیے کافی ہیں۔ اور دو گھنٹے دیگر ضروریات اور وقتوں کے لیے کافی ہیں۔ ۱۴ تا ۱۶ گھنٹے ایک طالب علم کا آمد Productive مقاصد کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ ان ۱۴ گھنٹوں میں سے ایک ایک

سکنڈ کا حساب رکھیے۔ اور اسے بھر پور طریقے سے استعمال کیجیے۔

(۶) تندرستی

صحت مند جسم مؤہی میں صحت مند دماغ پروان چڑھتا ہے Sound mind in a
Sound Body جسمانی کمزوری ہزار کوششوں کے باوجود امتحان میں آپ کو اہمی کارکردگی کا
مظاہرہ نہیں کرنے دے گی۔ صحت مند، چست اور مستعد رہنے کی کوشش کیجیے
مستقل بلکہ سی ورزش سب کے لیے ضروری ہے۔ لیکن ایک طالب علم کے لے اتنی ہی
ضروری ہے جتنی اس کی کتابیں اور کاپیاں۔ روز ورزش کیجیے۔ جو لوگ ورزش کے عادی نہیں ہیں
وہ صبح لمی سیر کے لیے نکل جائیں یا تیراکی کریں یا سائیکل چلائیں۔
پڑھنے کے دوران وقفہ وقفہ سے اٹھ کر وہاں ہی میں تھوڑا سا چل لیجیے۔ اپنے بازوؤں کو
اٹھائیے اور پھیلائیے۔ جب زیادہ دماغی کام ہو تو اچھی غذا کھائیے۔

چھوٹی سے چھوٹی بیماری ہوتی ودھیان دیجیے۔ علاج کرائیے۔ پریش کیجیے۔ متوازن
غذا کھائیے۔ مرغن غذاؤں سے پرہیز کیجیے۔ مرچ، مصالحوں اور سرخ گوشت کا استعمال سوچ
تجھکر اور منضبط طریقہ سے کیجیے۔ سادہ غذاؤں ہی میں جسمانی ودہنی تندرستی کا راز پوشیدہ ہے۔
تباکو، سگریٹ اور کسی بھی قسم کی مستقل عادات ایک طالب علم کے لیے سم قاتل ہیں۔ چائے کے
استعمال سے بھی محتاط ہونا چاہیے۔

جسمانی صفائی پر توجہ دیجیے۔ چہرہ اور آنکھیں صاف پانی سے بار بار دھوتے
رہیے۔ وضو اور بیچ وقت نماز اس سلسلہ میں کافی مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

سال بھر کے لیے

امتحان میں اچھی پرفارمنس محض چند دنوں کی تیاری سے ممکن نہیں۔ سال بھر کی منصوبہ
بند اور مستقل کوششیں اس کے لیے ضروری ہیں۔۔۔ جو نہی کالج میں داخلہ ہو جائے اس کے لیے
کوشش شرع کر دیجیے۔

(۱) اہداف اور منصوبہ

واضح اہداف طے کیجیے۔ اس سال مجھے ڈسٹنکشن حاصل کرنا ہے۔ فزکس میں اپنی پرفارمنس کم سے کم ۶۰ فیصد نشانات کے حصول تک بڑھانی ہے۔ انگریزی لکھنے کی صلاحیت بڑھانی ہے۔ یہ واضح اہداف کی چند مثالیں ہیں۔ اپنے حالات، گزشتہ پرفارمنس اور اپنی امتگوں کو پیش نظر رکھ کر قابل عمل ہدف طے کر لیجیے۔

اس ہدف کے حصول کے لیے واضح منصوبہ بھی بنا لیجیے۔ کس مضمون کے لیے کتنا وقت دیں گے کون سے وقت پڑھیں گے؟ کیا پڑھیں گے؟ پڑھائی کا شیڈول کیا ہوگا؟ ان سب اور ان جیسے اور کئی سوالات کا متعین جواب آپ کے منصوبہ کی تشکیل کریں گے۔ منصوبہ قابل عمل بنائیے۔ اپنی ضروریات اور مشاغل کا بھرپور لحاظ رکھیے۔

(۲) روزانہ کام

جو طلبہ صرف امتحان کے وقت تیاری کرتے ہیں وہ کبھی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ روز کام کیجیے۔ خواہ تھوڑا سہی۔ اپنے دن بھر کے اوقات کو اچھی طرح منضبط کیجیے۔ کھیل کود اور تفریحات کے اوقات بھی طے ہونی چاہیے۔ سال کے آغاز ہی سے اگر آپ یہ طے کر لیں کہ آپ کا کوئی دن امتحان کے نقطہ نظر سے بے کار یا غیر مستعمل نہیں گزرے گا تو آپ اپنا کورس بہ آسانی مکمل کر سکتے ہیں۔

(۳) کورس مکمل کیجیے۔

سال بھر کے عرصے کے دوران پورا کورس پڑھ ڈالیے۔ اگر آپ نے محض کورس کا ایک حصہ پڑھ لیا ہے یا امتحانی پرچہ میں انتخاب Choice کی سہولت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ اسباق چھوڑ دیے ہیں تو آپ کی کارکردگی متاثر ہوگی۔ اعتماد میں کمی آئے گی۔ اکثر اوقات تمام اسباق ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ اس لیے چند اسباق کی لاعلمی دوسرے اسباق کے سلسلہ میں کارکردگی کو بھی متاثر کرتی ہے۔

اس کا موثر طریقہ یہ ہے کہ سال کے شرع ہی میں آپ سرسری طور پر پورا کورس پڑھ ڈالیں۔ پھر پورے سال کلاس روم میں ہو رہے اسباق کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر بھی گہرائی سے مطالعہ کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کلاس روم میں لیکچر جب آپ سنیں گے تو اس سے کسی حد تک پہلے سے آپ واقف ہوں گے۔

(۴) نوٹس بنائیے

جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس کے نوٹس بنائیے۔ نوٹس کا مقصد یہ ہو کہ اس کی وجہ سے آپ کو بار بار پورا کورس یا ضخیم کتابیں نہ پڑھنی پڑیں۔ بلکہ پڑھنی کتابی اور اسکے مشتملات نوٹس کی مدد سے بہ آسانی ذہن میں تازہ کیے جاسکیں۔

یاد رکھیے کہ کتابوں کے بغیر صرف نوٹس کی مدد سے پڑھنا ایک اچھے طالب علم کا شعار نہیں ہو سکتا۔ پہلے کتابیں پڑھیے۔ ریفرنس بکس پڑھیے۔ اس کے بعد اپنے نوٹس خود تیار کیجیے۔ دوسروں کے تیار کردہ نوٹس آپ کے لیے ثانوی درجہ میں فائدہ مند تو ہو سکتے ہیں لیکن اگر صرف ان نوٹس کی مدد سے ہی آپ پڑھنا چاہیں تو یہ آپ کے لیے نقصان دہ ہوگا۔

نوٹس نکالنے کی ایک شکل سوالات و جوابات کی صورت میں ہے۔ یہ بھی مفید طریقہ ہے۔ تمام ممکنہ سوالات کا اندازہ قائم کیجیے۔ اور ان کے بہتر سے بہتر جوابات لکھیے ان جوابات کے ذریعہ پورے کورس کا احاطہ ہونا چاہیے۔

مشکل حصے اور ایسے حصے جن کو یاد رکھنا دشوار ہے انہیں نشان زد کر دیجیے تاکہ بار بار ان پر نظر پڑتی رہے۔

ایک چھوٹی نوٹ بک میں نکات، اہم فارمولے، تاریخیں، ڈاٹا وغیرہ قسم کی چیزیں الگ سے لکھتے رہیے تاکہ اسے بار بار یاد کیا جاسکے۔ اور امتحان سے قبل اعادہ کیا جاسکے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان نکات کے چائٹس بنا کر آپ اپنے اسٹڈی ٹیبل کے سامنے چسپاں کر لیں۔

(۵) معلومات بڑھائیے

درسی کتب Text Books کا مطالعہ فرمائیے۔ حوالہ جاتی کتابوں کا مطالعہ آپ کی معلومات میں پختگی پیدا کرے گا۔ اور آپ کو اس قابل بنائے گا کہ آپ مشکل سے مشکل سوال کو آسانی سے حل کر سکیں۔ حوالہ جاتی کتابوں کے علاوہ علمی جریدوں Journals کا مطالعہ بھی کچے۔ آج کل ہر معیار کے طلبہ کے لیے جرائد نکل رہے ہیں حتیٰ کہ اسکول کے طلبہ کے لیے بھی ان کے کورس سے متعلق علمی جرائد کئی مقامات پر جاری ہیں۔ ان کا بھی گہرائی سے مطالعہ فرمائیے۔

(۶) مباحثے اور گفتگو

جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اسے دوستوں کے درمیان زیر بحث لائیے۔ یاد رکھیے اظہار Expression معلومات کو راسخ کرنے اور اچھی طرح ذہن نشین کرنے کا بہت موثر طریقہ ہے۔ یہ مباحثے غیر رسمی بھی ہو سکتے ہیں۔ اور کچھ ہم جماعت باہم مل کر رسمی اور باقاعدہ مباحثوں کا نظام بھی قائم کر سکتے ہیں۔

اپنے سے زیادہ ذہین طالب علم سے گفتگو اور مباحثے کیجیے۔ اپنے کمزور دوستوں کو پڑھائیے۔ پڑھانے Teaching سے بھی مواد اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ بہر حال اپنی سلوہٹ اور احوال کے مطابق پڑھے گئے مواد کے اظہار Expression کا کوئی موثر نظام ضرور قائم کیجیے۔

(۷) مشق اور رفتار میں اضافہ

اچھی معلومات بھی بسا اوقات اچھے جوابات کی شکل اختیار نہیں کر پاتیں۔ امتحان میں اچھی کارکردگی اچھی معلومات کے ساتھ بعض دیگر عوامل پر بھی منحصر ہے۔ ان عوامل پر قدرت حاصل کرنے کے لیے مستقل مشق ضروری ہے۔

اس کے لیے پچھلے امتحانی پرچوں کو حل کیجیے۔ پہلے اپنی طریقہ سے حل کیجیے۔ پھر باقاعدہ وقت نوٹ کر کے متعین وقت میں حل کیجیے۔ کوشش کیجیے کہ امتحان سے قبل ہر مضمون کے کم

سے کم پرچے آپ متعین وقت میں حل کر لیں۔ اس سے آپ کا اعتماد بھی بڑھے گا اور مشق بھی ہوگی۔

امتحان میں وقت کی بڑی اہمیت ہے۔ متعین وقت میں پرچہ کو حل کرنے کے لیے آپ کو لکھنے کی اور سوچنے کی رفتار بڑھانی ہوگی۔ امتحانی پرچوں کا حل اس سلسلہ میں آپ کی مدد کرے گا۔

آخری لمحات

لیجیے امتحان سر پر آگاہ ہے۔ اگلے روز امتحان ہال میں بیٹھنا ہے اور مشکل سوالات سے مقابلہ کرنا ہے۔ کیا ان نازک گھڑیوں میں بھی کوئی تیاری ممکن ہے؟ کیا ان اوقات میں کورس کو دوبارہ پڑھنا چاہیے؟ گہرا مطالعہ کرنا چاہیے؟ مشق کرنی چاہیے؟ بہر حال یہ آخری گھڑیاں بھی طالب علم کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ان کا ذہانت کے ساتھ استعمال امتحان میں بہت اچھی کارکردگی کا باعث بن سکتا ہے۔

(۱) اعادہ

پورے کورس کا اعادہ کیجیے۔ اپنے نوٹس پڑھ ڈالیے۔ جہاں ممکن ہو کتا بوں کی طرف بھی ہلکی سی نظر ڈالیے۔

(۲) اہم حصے

نوٹس کے اہم حصوں کو بار بار پڑھیے۔ جن مشکل مقامات کو آپ نے نشان زد کر رکھا ہے ان کو قدرے گہرائی کے ساتھ اور تواتر کے ساتھ پڑھیے۔ ممکن ہو تو انہیں ایک بار زبانی لکھ ڈالیے۔

(۳) باریک تفصیلات

اہم تاریخیں، اہم اشخاص کے نام، متن کے اہم حصے، اشعار، فارمولے، اہم اصطلاحات، اہم اعداد و شمار اور ڈاٹا وغیرہ۔ یہ سب چیزیں امتحان میں ضروری ہیں۔ اور ان کے

بھول جانے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہیں۔ بسا اوقات ایک چھوٹا سا فارمولا آپ بھول جاتے ہیں اور آپ کا سارا پرچہ خراب ہو جاتا ہے۔ لہذا ان پر نظر رکھیں ان تفصیلات کو آپ پہلے ہی چھوٹی ڈائری میں نوٹ کر چکے ہیں۔ ان کا اچھی طرح اعادہ کر لیجیے۔ بار بار یاد کیجیے۔ لکھ کر جانچ کیجیے۔

(۴) سرسری نظر

ایک بار پورے کورس پر سرسری نظر Scanning ڈال لیجیے۔ بارک سے بارک تک تفصیل کو دیکھ لیجیے۔ دیکھ لیجیے کہ کوئی چیز چھوٹ تو نہیں گئی؟ یا کوئی چیز نظروں سے اوجھل تو نہیں ہوگئی؟ Scanning کا یہ عمل امتحان کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس پر بھرپور توجہ دیجیے۔

(۵) ذہن میں تازہ کر لینا، سوالیہ پرچوں پر نظر

ایک بار پورے کورس کو زبانی ذہن میں تازہ کر لیجیے۔ اپنے نوٹس کے صرف سوالات کو دیکھ لیجیے سوالیہ پرچے دیکھ لیجیے۔

(۶) سکون

یہ سارے کام امتحان سے تین گھنٹے قبل مکمل کر لیجیے۔ اس خی بعد کتابیں لپیٹ دیجیے۔ ٹھنڈا پانی پی لیجیے۔ اور ذہن کو آرام دیجیے۔ یاد رکھیے آخری لمحات تک ذہن کو مصروف رکھنا امتحان میں خراب کارکردگی کا باعث بن سکتا ہے۔ اگر آپ امتحان میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں تو امتحان سے قبل ذہن کو سکون دیجیے۔

امتحان ہال میں

بہت سکون کے ساتھ امتحان کے لیے نکلے۔ دو رکعت نماز ادا کیجیے۔ ٹھنڈا پانی پی لیجیے۔ ذہن کو اب سوالات میں الجھنے مت دیجیے۔ دوستوں کے ساتھ گپ شپ کرتے ہوئے، ہلکی پھلکی گفتگو کرتے ہوئے امتحان گاہ کی طرف جائیے۔ امتحان گاہ میں صبر و سکون کے ساتھ داخل ہوئیے۔ تمام قواعد کی پابندی کیجیے۔

۱۔ پرچہ سوالات پڑھ لیجیے

مکمل طور پر سوالات پڑھ لیجیے۔ اس کام کو بہت اطمینان اور صبر و سکون کے ساتھ انجام دیتیے۔

۲۔ جواب کو تولیے

اگر سوالات میں سے انتخاب Choice کرنا ہے تو جوابات ذہن میں تازہ کیجیے۔ مختلف سوالات کا موازنہ کیجیے۔ اندازہ کیجیے کہ کس سوال کا جواب بہتر ہوگا۔ اس کام میں تھوڑا وقت صرف کیجیے اور مناسب سوالات کا انتخاب کیجیے۔

۳۔ جواب کی منصوبہ بندی

سوال پڑھتے ہی جواب شروع نہ کر دیجیے۔ بلکہ اپنے ذہن میں جواب کا خاکہ بنائیے۔ کیا نکات ہوں؟ کس ترتیب کے ساتھ ہوں؟ کس نکتہ کی وضاحت کے لیے کتنی سطریں لکھی جائیں؟ اگر تکنیکی سوال ہو تو اس کے حل کا کیا طریقہ ہو؟ کون سے فارمولے اختیار کیے جائیں؟ کیا یہ سب یاد ہیں؟ وغیرہ۔ جواب کا مکمل خاکہ بنانے کے بعد جواب لکھنا شروع کیجیے۔ ضرورت ہو تو خاکہ بنانے کے لیے پوائنٹس لکھنے کے لیے ریف جگہ استعمال فرمائیے۔

۴۔ جواب کو سجائیے

اپنے جواب کو زیادہ واضح اور خوبصورت بنائیے۔ اس کے لیے جہاں ضرورت ہو پیرا گراف بنائیے۔ بعض امور نمبر وار درج کیجیے۔ Mathematical Step کو نمبر دیجیے۔ تصاویر Diagram وغیرہ کی ضرورت ہو تو انہیں بنائیے۔ گراف بنائیے۔ ٹیبل بنائیے۔ تاریخیں لکھیے۔ حوالے دیجیے۔ یہ سب چیزیں معلومات کی پختگی اور اظہار پر قدرت ظاہر کرتی ہیں۔ اور امتحان میں درحقیقت انہیں اوصاف کی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔

۵۔ صفائی اور خوبصورتی

صاف ستھرے اور خوبصورت طریقہ سے لکھیے۔ کاٹ چھانٹ سے پرہیز کیجیے۔ حاشیہ

چھوڑیے۔ اشکال، گرانس وغیرہ میں صفائی کا خصوصی طور پر لحاظ رکھیے۔

۶۔ وقت پر کنٹرول کیجیے

وقت پر کنٹرول کیجیے۔ پہلے سے Calculation کر کے منصوبہ بندی کر لیجیے۔ اگر ۳ گھنٹوں میں ۶ سوالات حل کرنے ہیں تو ۱۵ منٹ سوالات کے مطالعہ اور انتکاب کے لیے درکار ہیں۔ آخر کے ۱۵ منٹ اعادہ کے لیے درکار ہیں۔ اس طرح ہر سوال کے لیے ۲۵ منٹ بچتے ہیں ان میں سے ۵ منٹ جواب کی منصوبہ بندی کے لیے اور ۲ منٹ جواب کے اعادہ کے لیے درکار ہیں ۱۸ منٹ میں ایک سوال آپ کو حل کرنا ہوگا۔ مشکل سوالات کے لیے آپ کچھ زیادہ وقت صرف کر سکتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں آسان سوالات سے وقت بچانا پڑے گا۔

۷۔ اعادہ کیجیے

پرچہ حوالہ کرنے سے پہلے اعادہ کرنا قطعاً نہ بھولیے۔ پورے پرچہ پر نظر دوڑائیے۔ اہم اور فیصلہ کن مرحلوں Steps پر خصوصی نظر رکھیے۔ فارمولوں وغیرہ کو چیک کر لیجیے۔ Calculation کو چیک کر لیجیے جہاں جہاں غلطی امکان ہو سکتا ہے، ایسے مقامات کا زیادہ توجہ کے ساتھ اعادہ کیجیے۔ کل وقت کا کم سے کم ۱۰/۱ حصہ، اعادہ کے لیے مختص ہونا چاہیے۔

خود کا جائزہ لیجیے

- (۱) اگر آپ نے پچھلی دفعہ فرسٹ کلاس حاصل کیا تو اس دفعہ ڈسٹنکشن کے حصول کی شدید آرزو اپنے اندر پاتیہ ہیں؟
- (۲) کیا آپ کی نظر آپ کے امتحان پر ہے؟ کیا امتحان اور پڑھائی آپ کی سب سے بڑی دلچسپی ہے؟
- (۳) کیا آپ کی توجہ پڑھائی پر سے بار بار ہٹ جاتی ہے؟
- (۴) کیا تھوڑا پڑھ کر آپ بور ہو جاتے ہیں؟
- (۵) کیا اپنا منصوبہ آپ بار بار بدل ڈالتے ہیں؟

(۶) ٹائم ٹیبل میں بار بار تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں؟

(۷) آپ دن میں کتنے گھنٹے کام کرتے ہیں؟

(۸) کتنا پڑھ کر آپ تھک جاتے ہیں؟

سال شروع ہونے سے قبل

(۱) نصاب Syllabus معلوم کر لیجیے۔

(۲) سینئرز سے گفتگو کر لیجیے۔ کتابوں کے نام معلوم کر لیجیے۔

(۳) کتابیں، نوٹس، سوالہ پرچے وغیرہ حاصل کر لیجیے۔

سال کے دوران

(۱) روز کام کیجیے۔

(۲) سطر بہ سطر پورا نصاب پڑھ ڈالیے۔

(۳) نوٹس اپنا خود بنا لیجیے۔ مشکل مقامات نشان زد کیجیے۔

(۴) پابندی سے لیکچرز اٹینڈ کیجیے۔

(۵) باریک تفصیلات (تاریخیں، اصطلاحات، فارمولے) چھوٹی ڈائری میں نوٹ

کر لیجیے۔

(۶) سوالیہ پرچے حل کیجیے۔

امتحان سے قبل

(۱) اپنے نوٹس پڑھیے۔ کورس کا اعادہ کیجیے۔

(۲) نشان زد مقامات تکرار کے ساتھ پڑھیے۔

(۳) چھوٹی ڈائری بار بار پڑھیے۔

(۴) سوالیہ پرچوں پر نظر ڈالیے۔

(۵) Syllabus اور پورے کورس پر سرسری نگاہ ڈالیے۔

(۶) کچھ گھنٹے ذہن کو آرام کی لیے چھوڑ دیجیے۔

سال بھر

پریہیز کیجیے	اختیار کیجیے
(۱) منتخب حصوں کا مطالعہ	(۱) کورس کا مطالعہ
(۲) دوسروں کے نوٹس پر انحصار	(۲) اپنے نوٹس کی خود تیاری
(۳) صرف درسی کتابوں پر انحصار	(۳) ریفرنس بکس اور جرنلز کا مطالعہ
(۴) مشکل حصوں سے صرف نظر	(۴) مشکل حصوں کی نشان زدگی
(۵) پڑھتے وقت قلم اور کاپی کا ساتھ میں نہ رکھنا	(۵) باریک تفصیلات
(۶) وقت کا ضائع کرنا	(۶) روزانہ ۱۶ گھنٹے کام
(۷) زیادہ نیند، زیادہ غیر ضروری مشغولیات	(۷) ہلکی ورزش
(۸) مرغن غذا میں، تمباکو، سگریٹ، زیادہ چائے	(۸) متوازن غذا
(۹) دوستوں سے گفتگو میں نصابی مواد کو نہ چھیڑنا	(۹) سوالیہ پرچے حل کرنا
(۱۰) اپنے آپ میں رہنا	(۱۰) دوستوں سے مباحثے
	(۱۱) کمزور دوستوں کو پڑھانا

امتحان ہال میں

نامیاب طالب علم	ناکام طالب علم
(۱) کچھ گھنٹے ذہن کو آرام دے کر صبر و سکون کے ساتھ ہشاش بشاش مسکراتے ہوئے امتحان ہال میں داخل ہوتا ہے۔	(۱) امتحان سے چند لمحات قبل تک کتاب منہ سے لگائے رکھتا ہے۔ چہرہ پر ہوائیاں، پریشان پریشان داخل ہوتا ہے۔
(۲) بہت اطمینان سے پورا پرچہ پڑھتا ہے۔	(۲) پہلے سوال ہی میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔
(۳) بہت اطمینان کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے کہ کون سے سوالات حل کیے جائیں؟	(۳) فیصلہ نہیں کر پاتا۔ جواب کٹ کر کے دوسرا سوال حل کرنے لگتا ہے۔ ایک سوال حل کر کے پچھتائے لگتا ہے۔
(۴) ہر سوال کو پڑھ کر کچھ دیر توقف کرتا ہے۔ سوچتا ہے، منصوبہ بندی کرتا ہے پھر جواب لکھتا ہے۔ متوازن جواب، مکمل جواب۔	(۴) سوال پڑھتے ہی جواب شروع کر دیتا ہے۔ کچھ نکات ضرورت سے زیادہ واضح کر دیتا ہے۔ کچھ نکات ادھورے چھوڑ دیتا ہے۔ غیر متوازن اور نامکمل جواب۔
(۵) حاشیہ چھوڑتا ہے، خوش خط لکھتا ہے۔ صفائی کا خیال رکھتا ہے۔	(۵) تیزی سے لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کاٹ چھانٹ، آڑی ٹیڑھی سطریں، نامکمل اشکال، بدنامتحریر، داغدار صفحات۔
(۶) ہر سوال کے لیے پہلے سے وقت مختص کرتا ہے۔ بار بار گھڑی دیکھتا ہے۔ تمام سوالات وقت پر ختم کرتا ہے۔	(۶) پہلے چند سوالات میں ہی سارا وقت صرف کر دیتا ہے۔ آخر کے نصف گھنٹے میں پسینہ پسینہ، پریشان، تیز تیز۔

<p>(۷) آخری گھنٹی تک لکھتا رہتا ہے۔ اعادہ کے لیے وقت نہیں بچتا۔</p> <p>(۸) پرچہ دینے کے بعد بھی Confused رہتا ہے، نہیں جانتا ہے کہ کون سا جواب درست ہے اور کتنا درست؟ نہیں بتا سکتا ہے کہ کتنے فیصد نشانات ملیں گے۔</p>	<p>(۷) آخری گھنٹی سے ۱۵ منٹ پہلے قلم بند کر دیتا ہے۔ اعادہ کرتا ہے۔ پورے پرچے پر ایک نظر ڈالتا ہے۔</p> <p>(۸) پرچہ حل کرنے کے بعد مطمئن رہتا ہے۔ اعتماد کے ساتھ بتاتا ہے کہ اتنے فیصد نشانات حاصل ہوں گے۔</p>
---	---

☆☆☆

اسٹڈی کے اہم اصول

لیجیے امتحانات سر پر آ کھڑے ہو گئے اور ساتھ ہی طلبہ کے مسائل اور اضطراب میں بھی یک لخت اضافہ ہو گیا اور سوالات کا ایک سلسلہ۔ میرا تو پڑھائی میں دل ہی نہیں لگتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ اسٹڈی کے لیے میں نے ٹائم ٹیبل تو بنوایا لیکن پتہ نہیں کیوں ٹائم ٹیبل Follow ہی نہیں کر پاتا۔ اف! میں نے تمام نوٹس کھنگال ڈالے پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ بڑی الجھن سے دوچار ہوں، امتحانات سر پر ہیں لیکن تیاری نہیں ہو پا رہی ہے، سبھائی نہیں دیتا تیاری کیسے کروں؟

یہ اور اسی قسم کے حد درجہ مایوسی اور ناامیدی کے جملے اکثر ہم اپنے ساتھی طلبہ کی زبانی سنتے ہیں۔ ذہنی انتشار ان رائی جیسے چھوٹے مسائل کو پر بت بنا کر آنکھوں کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے۔ بالآخر دل شکستگی کے وہ جملے بھی اسٹوڈنٹس کی زبانی سنائی دیتے ہیں جن کا خیال بھی طلبہ کے کیریئر کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ”میں تو سوچ رہا ہوں اب اپنی تعلیم ختم کر کے کچھ اور کروں۔“ لیکن تجزیہ بتلاتا ہے کہ تعلیم کے دوران کیریئر سازی کے متعلق سوچنا دراصل اپنے مستقبل کے ساتھ کھلواڑ کرنا ہوتا ہے۔ ہم اپنے نوجوان ساتھیوں کے لیے ذیل میں کچھ آسان اور انتہائی عملی Practical نکات پیش کر رہے ہیں۔ آپ ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں ہمیں توقع ہے کہ ذہنی انتشار کی گئی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تمام مسائل یک لخت فرغ ہو جائیں گے اور ان شاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

ہمارے کچھ دوست ہیں جن کی اپنی اپنی شکایتیں ہیں آئیے دیکھیں تو وہ کن مسائل

سے دو چار ہیں۔

☆ Mr. A کا کہنا ہے کہ ان کا روم نمبر ۱ اسٹڈی کے لیے غیر مناسب ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے محلہ میں روم نمبر ۲ حاصل کیا۔ لیکن روم نمبر ۲ بھی ان کی اسٹڈی کے لیے معاون ثابت نہیں ہوا۔ پھر روم نمبر ۳، پھر روم نمبر ۴ روکس پر الزام تھوپ کر ادھر ادھر دوڑنے کے کیا معنی؟ سچ یہ ہے کہ رومس کی تبدیلی بذات خود کوئی اہمیت نہیں رکھتی پھر اس مسئلہ کا کیا حل ہو سکتا ہے؟

اسٹڈی کہا کی جائے؟

- (۱) شور و غل سے دور کوئی بھی روم اسٹڈی کے لیے مناسب رہے گا۔
- (۲) بار بار اسٹڈی روم تبدیل کرنے سے پرہیز کریں اور کوشش کریں کہ اسٹڈی کے لیے ایک ہی مخصوص جگہ کا استعمال ہو۔
- (۳) دن کی روشنی کے برابر کافی اور یکساں روشنی کا اہتمام کریں۔
- (۴) ریڈیو دیگر شور پیدا کرنے والے عوامل سے بچیں۔
- (۵) اپنے عضلات کو ڈھیلا چھوڑنے سے جس حد تک بچایا جاسکتا ہے بچیں۔
- (۶) قبل اسٹڈی بھاری کھانوں، غذاؤں سے پرہیز کریں۔
- (۷) اسٹڈی سے قبل تھکا دینے والے کاموں سے بچیں۔

☆ اور اب ان سے ملیے یہ ہیں مسٹر B۔

بڑے غیر مستقل مزاج۔ پچاسوں کام (بشمول آرام) اپنے سر لے لیتے ہیں اور سوچتے ہیں بس چند گھنٹوں میں پورا کر لوں، پھر پوری تن دہی کے ساتھ اسٹڈی کے لیے بیٹھ جاؤں گا لیکن انہیں شکایت ہے کہ یہ چند گھنٹے ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اور ان کا اسٹڈی پلان صرف پلان ہی رہ جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

اسٹڈی کب کی جائے؟

- (۱) صبح و شام دونوں وقت اسٹڈی کریں اور دونوں وقت اسٹڈی کا جلد آغاز کریں۔
- (۲) غیر مستقل مزاجی سے بچے۔ اور متعین اوقات میں بہر صورت اسٹڈی کے لیے بیٹھ جائیے۔
- (۳) کلاس کے فوری بعد اعادہ کر لیں تاکہ جو کچھ پڑھایا گیا ہو وہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔
- (۴) اسٹڈی کے اوقات کی مناسب تقسیم کریں اور طویل وقت تک مسلسل بیٹھنے اور اسٹڈی کرنے سے پرہیز کریں۔
- (۵) ایک جیسا ہومو اموات تسلسل کے سات یکے بعد دیگر مت پڑھیے اس سے مختلف چیزیں باہم خلط ملط ہو سکتی ہیں۔
- (۶) اگر توجہ مسلسل بھٹ رہی ہو تو فوراً اسی وقت اسٹڈی بند کر دیں۔
- (۷) جذباتی طور پر اگر آپ متاثر ہوں تو اس وقت اسٹڈی بند کر دیں۔
- (۸) سال کے اختتام پر اسٹڈی نہ کریں بلکہ آغاز میں ہی شروع کر دیجیے۔
- (۹) سونے سے قبل روزانہ پڑھے گئے مواد کا اعادہ کر لیجیے۔ تاکہ بہتر طریقے سے حافظے میں محفوظ ہو جائے۔

☆ Mr. X بڑے زندہ دل آدمی ہیں۔ ظریفانہ مزاج بذات خود کشش رکھتا ہے سو وہ کالج میں بھی خوب معروف ہیں۔ اپنے وسیع تعلقات کا موصوف نے خوب استعمال کیا اور سبھی سینئرس کی نئی پرانی کتابیں اور نوٹس اس قدر انہوں نے جمع کر رکھی ہیں کہ ان کی الماریاں تنگ دامنی کا گلہ کرتی ہیں۔ لیکن کالج کے سبھی طلبہ کی متفقہ رائے ہے کہ Mr. X کا یہ وافر Collection کبھی ان کے لیے کارآمد ثابت نہیں ہوا اور ورق

گردانی کرتے کرتے Term نکل جاتا ہے اور انہیں سچائی نہیں دیتا کہ:

درسی کتابوں اور نوٹس کی بہترین اسٹڈی کیسے کی جائے؟

مسٹر X اس طرح اسٹڈی کبھی نہیں ہوگی۔ اسٹڈی کے لیے ضروری ہے کہ:

- (۱) کلاس روم میں جو کچھ پڑھا جائے اسی سے زیادہ حاصل کیا جائے۔
- (۲) پڑھتے وقت اہم نکات کو انڈر لائن کریں۔ اور ان کے نوٹس آپ خود بنائیں۔
- (۳) اگر پڑھنے میں دشواری ہو تو مطالعہ میں بہتری کے لیے کسی ماہر سے ملاقات کیجیے۔
- (۴) جس طرح آپ اخبار یا رسالہ پڑھتے ہیں، اس طرح اسٹڈی نہ کریں۔
- (۵) جو کچھ پڑھا جائے اس پر غور کیجیے صرف یاد کر لینے اور دہرانے سے پرہیز کیجیے۔
- (۶) جو کچھ پڑھا جائے اس کے معنی اور اہمیت کو سمجھیے۔
- (۷) آپ کتنی دفعہ پڑھ رہے ہیں، اس کی کوئی اہمیت نہیں، اہمیت اس بات کی ہے کہ آپ کب اور کیسے پڑھتے ہیں۔

☆ مسٹر Y کی شخصیت بھی بڑی حیرت انگیز ہے۔ پتہ نہیں کیوں مسلسل کلاس لیکچرس سے غیر حاضر رہنا ان کی عادت سی بن گئی ہے۔ استاد کی ڈانٹ بھی کچھ کان نہ آسکی۔ میں نے دریافت کیا۔ آخر کیوں پیر پر کلہاری مار رہے ہو؟ لیکچر چھوڑ کر کس کا بھلا ہوا؟ کہنے لگے۔ یہ کلاس روم لیکچرس کم از کم میرے لیے تو درد دسر ہیں۔ جب کلاس روم میں بیٹھتا ہوں تو دماغ دنیا کی سیر کے لیے نکل پڑتا ہے۔ جب افادیت ہی نہیں تو پھر وہاں بیٹھ کر کیا فائدہ؟ اچھا تو یہ ہے کہ گھر میں ہی اسٹڈی کروں خواہ وقت اور محنت زیادہ صرف کیوں نہ ہو؟

نہیں! مسٹر Y یہ ٹھیک نہیں! یقیناً کلاس روم سے آپ کو فائدہ ہوگا۔ ذرا ادھر دھیان تو دیکھیے کہ:

کیسے کلاس روم لیکچرس سے فائدہ حاصل کیا جائے؟

- (۱) جب کلا بڑی ہو تو سامنے بیٹھیے۔
- (۲) لیکچر پر توجہ مرکوز کیجیے، Confusions کو ذہن میں مت پالیے۔ فوراً وضاحت طلب کیجیے۔
- (۳) کلاس میں داخلہ سے پہلے دن بھر کے لیکچرس سے متعلق مواد درسی کتابوں سے پڑھیے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے۔
- (۴) دوران لیکچرس ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات ضرور نوٹ فرمائیے۔
- (۵) اگلے روز نوٹس کا اعادہ اور درسی کتب سے رجوع کیجیے۔
- (۶) یوٹوریل سہولت ضرور استعمال کیجیے۔
- (۷) لیکچر میں کبھی غیر حاضر نہ رہیے۔ اگر کبھی اتفاقاً ایسا ہوتا ہے اپنے ساتھیوں سے ملاقات کر کے اس نقصان کی بھرپائی کیجیے۔
- (۸) درسی کتب کے ساتھ ورک بک بھی ہو تو اس کی ہدایات پر ضرور عمل کیجیے۔
- (۹) لیکچر میں غیر حاضر نہ رہیے۔

☆ رات تین بج رہے ہیں۔ خلق خدا نیند کے مزے لے رہی ہے۔ لیکن ایک بندہ خدا اس نعمت سے محروم سر جوڑے کرسی پر کتابوں کی انبار کے درمیان وقت کاٹ رہا ہے۔ دوسرے دن مسٹر Z سے ملاقات ہوئی۔ سوجی ہوئی آنکھیں، تھکا تھکا مضمحل جسم، چہرے سے فکر و پریشانی صاف عیاں۔

امتحانات کی تیاری کا مطلب صحت سے کھلواڑ نہیں۔ بلکہ پرسکون و فطری انداز میں یکسوئی کے ساتھ تناؤ کا شکار ہوئے بنا خوب اسٹڈی کیجیے۔

میرے دوست مسٹر Z آئیے آپ کو بتاؤں کہ:

امتحانات کی تیاری کیسے کی جائے؟

- (۱) امتحانات کے دوران رات بھر جاگنے کی کوشش قطعاً نہ کریں۔
- (۲) امتحانات کے وقت درسی کتابوں کے بجائے نوٹس اور ان کے نکات پڑھیے۔ اور تفصیلات کو ذہن میں سٹخضر کیجیے۔
- (۳) خود سے سوالات کیجیے۔ اور اسی انداز میں جوابات دیجیے۔ ممکن ہو تو انہیں لکھیے۔
- (۴) گزشتہ سالوں کے سوالیہ پرچوں کی اچھی طرح تیاری کر لیجیے۔
- (۵) جو کچھ چھوڑ دیا ہے اس پر بھی نظر ہو۔
- (۶) اور یاد رکھیے! امتحان سے قبل کی رات مناب نیند اور آرام کی بڑی اہمیت ہے۔

اللہم انی اسألك علما لاینسی .

”اے اللہ مجھے ایسا علم عطا فرما جو فراموش نہ ہو۔“

☆☆☆

(Curriculum Vitae)

سی۔وی کی تیاری

سی۔وی (Curriculum Vitae) یا بائیو ڈاٹا امیدوار کی شخصیت کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں وہ اپنی شخصیت کی بہتر سے بہتر تصویر پیش کر سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نصف جنگ ہے جو لڑنے سے قبل ہی جیتی جاسکتے ہے جب کہ زیادہ تر لوگ اس کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں۔ عموماً کیریئر اور دیگر کاموں میں کامیابی میں اس کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے کہ آپ سی۔وی تیار کرنے میں کتنی دالش مندی اور ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ دراصل آپ کی سی۔وی اس کی درستگی، کاغذ، صفائی، متن اور ان تمام کے علاوہ اس کی پیش کش اتنی اچھوتی ہو کہ ہزاروں کی بھیڑ میں نظر انتخاب اس پر رک جائے۔ اگر آپ نے اس کو تیار کرنے میں ذرا بھی تساہلی سے کام لیا تو پھر عین ممکن ہے کہ بھرپور قابلیت اور صلاحیت کے باوجود انٹرویو کے لیے منتخب لوگوں میں آپ کا نام نہ ہو۔

درحقیقت سی۔وی آپ کی شخصیت کا پورٹو ہے، جو آپ کے مخاطب کے لیے فرسٹ کمیونیکیشن کے بطور کام کرتا ہے، لہذا اسے پرکشش، مختصر اور معلوماتی انداز میں تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

دہلی کی ایک کنسلٹنسی کے مطابق آج ۲۰ تا ۳۰ فیصدی امیدوار اس وجہ سے چھانٹ کر لاگ کر دیے جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی سیوی کو اچھے انداز میں پیش نہیں کیا ہے۔

بنیادی اجزاء

سی وی میں بہت سی چیزیں لازمی سمجھی جاتی ہیں۔ کچھ چیزیں موقع و محل سے بڑھائی یا گھٹائی جاسکتی ہیں۔ مندرجہ ذیل چیزیں کسی بھی سی وی کا لازمی جزء ہیں:

ذات معلومات:

نام، تاریخ پیدائش، شادی شدہ / غیر شادی شدہ، زبان، پتہ اور ٹیلی فون نمبر۔

تعلیمی پس منظر:

ادارے، تعلیمی مدت، معسال و سنہ، محصلہ نمبرات، ڈویژن، تعلیمی لیاقت، نمائیں

کارکردگی، کمپیوٹر کی جانکاری۔

ملازمت کے تجربات:

ادارے کا نام، مدت، عہدہ، ذمہ داریاں، کارکردگی، تربیتی پروگرام جن میں شرکت کی ہو۔

اگر آپ نے کوئی فل ٹائم کام نہیں کیا ہو تو پارٹ ٹائم یا گزرتی رہی ملازمت کی ہو، تو اس کا حوالہ۔

اہم اصول

مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ سی وی تحریر کرتے وقت ان امور کا خیال بھی ضروری ہے۔

(۱) Bio-Data ایک قدیم اصطلاح ہے۔ اب اس کی جگہ سی وی Curriculum

Vitae کا استعمال عام ہو چکا ہے۔ لہذا آپ اپنی سیوی کی شروعات Bio-Data

کی قدیم اصطلاح سے نہ کریں۔ بطور خاص جب آپ کسی انتظامی عہدہ کے امیدوار ہوں۔

(۲) سی وی تحریر کرتے وقت آپ سنجیدگی سے بیٹھ کر غور کریں کہ آپ اپنی تحریر میں کن امور

کو سب سے اہم سمجھتے ہیں۔ یا کن پہلوؤں کو بنیاد بنانا چاہتے ہیں، بشمول آپ کی

کارکردگی، مشغلہ، دلچسپی، تعلیمی لیاقت، ملازمت کی تفصیل وغیرہ۔ آپ اپنی سی وی کو

اس وقت تک آخری شکل نہ دیں، جب تک کہ آپ ہر پہلو کو اچھی طرح نہ سمجھ لیں،

جسے آپ نے سی وی میں شامل کیا ہے۔

- (۳) سی وی کا آغاز آپ ذاتی زندگی سے کریں، فیملی حالات کو شامل نہ کریں۔
- (۴) ہمیشہ تاریخ پیدائش لکھیے، عمر نہیں۔ ورنہ اگر آپ کی سیوی دو تین سالوں بعد ڈاٹا بینک میں جاتی ہے تو آپ کی عمر کا صحیح اندازہ لگانا قدرے مشکل ہوگا۔
- (۵) اگر براہ راست آپ سے فون پر رابطہ ممکن نہیں ہو تو اپنے کسی رشتہ دار یا دوست کا نمبر ضرور دے دیں تاکہ کسی بھی قسم کا پیغام آپ تک جلدی اور بہ آسانی پہنچ سکے۔ بہت سی ملازمتوں میں بڑی جلدی ہوتی ہے اگر وہ خط سے آپ کو آگاہ کریں گے تو آپ انٹرویو کھوسکتے ہیں۔ شہر سے باہر انٹرویو کے لیے STD کوڈ اور بیرون ملک درخواست دیتے وقت اپنے ملک کا کوڈ ضرور دیں۔
- (۶) غیر ضروری معلومات سے بچئے۔ بیرون ملک درخواست دیتے وقت یا جب کہا جائے اس وقت ہی اپنی شہریت لکھیں۔ اسی طرح حالیہ پتہ، مراسلاتی پتہ، مستقل پتہ میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے جب تک کہ اس کی ضرورت خود کمپنی محسوس نہ کریں۔
- (۷) اس بات کی کوشش کیجیے کہ قاری بہ آسانی اور جلد آپ کی اہلیت اور کارکردگی کا اندازہ کر لے۔
- (۸) اگر آپ تجربہ کار ہیں، کئی جگہوں پر کام کیا ہے تو تجربات لکھتے وقت اس کو پہلے لکھیں گے جس سے آپ حال میں جڑے ہوئے تھے اور پھر اسی ترتیب سے دوسرے اور تیسرے کو، کیوں کہ نئی ملازمت کے لیے آپ کا حالیہ تجربہ ہی زیادہ قابل توجہ ہوگا۔
- (۹) اسی طرح آپ اپنا تعلیمی پس منظر ترتیب دیتے وقت حالیہ تعلیم کو اول رکھیں۔
- (۱۰) سی وی دو صفحات سے زیادہ اور نہ اس سے کم ہو کہ پوری سیوی پڑھنے کے بعد بھی آپ کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکے۔ یہ پوری طرح جامع اور آسان فہم ہو۔
- (۱۱) سی وی جاذب نظر ہو۔ اچھی پیشکش اچھا تاثر قائم کرتی ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ججے کی غلطیوں سے بچا جائے۔
- ☆ کبھی بھی ہاتھ یا سفیدی سے اصلاح کیا ہو اسی وی نہ دیں۔

☆ متوازن حاشیہ کا خیال رکھیں۔

(۱۲) جھوٹ سے پرہیز کریں۔ گرچہ یہ بالکل معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ کارکردگی، مارکس، گریڈ، تجربات وغیرہ صحیح صحیح لکھے جائیں۔

فریشر کے لیے کچھ ہدایتیں

فریشر کو یہ بات ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے کہ آپ نے کواہ ایم اے یا کسی قسم کا پیشہ ورانہ کورس کسی بہت ہی معروف ادارے سے کیا ہے یا کسی معمولی ادارے سے۔ آپ کی ریور کی دنیا میں بالکل نئے ہیں۔ لہذا آپ کو مارکیٹ میں اپنی جگہ خود بنانی ہوگی۔ اس سلسلہ میں آپ کی بنیادی توجہ اس بات پر ہونی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ اچھے انداز میں آپ اپنے آپ کو پیش کر سکیں۔ اسکول، کالج اور جو بھی تعلیم آپ نے حاصل کی ہے۔ تجربہ، کارکردگی، رفاہی اور سماجی سرگرمیاں، اپنی دلچسپی وغیرہ کو ماہرانہ انداز میں مخاطب کو کمیونیکٹ کریں۔ آپ کی شخصیت کے یہ تمام اجزاء بڑی حد تک آپ کو اپنی پسند کی جگہ بحیثیت ایک صحیح امیدوار کے ثابت کرنے میں معاون ہوں گے۔

غیر تعلیمی سرگرمیاں، سماجی مسائل یا کسی موضوع پر آپ اپنا اظہار خیال، آپ کی رائے، یہ تمام چیزیں کس طرح آپ کی تعلیمی کارکردگی سے کم حیثیت نہیں رکھتیں۔ ان کی مدد سے آپ اپنے آپ کو تربیت یافتہ ماہر Skilled ثابت کر سکتے ہیں۔ بطور خاص جب آپ نے براہ راست کسی ادارے یا فرم میں ملازمت نہ کی ہو اور ملازمت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے ہوں۔ بہ الفاظ دیگر امیدوار اور سی وی کی بھیڑ میں یہ چیزیں آپ کی سی وی کو امتیاز بخشنیں گی۔ لہذا حسب ضرورت ان چیزوں کو اپنے سی وی میں شامل کرنا نہ بھولیں۔

سی وی کے تعلق سے ایک قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ جو کچھ بھی آپ نے اس میں شامل کیا اسے آپ اچھی طرح سمجھ رہے ہوں۔ سال اور سنہ وغیرہ کی معمولی غلطی برا تاثر دیتی ہے۔ اگر کہیں آپ درخواست دیتے ہیں تو ہمارا مشورہ ہے کہ آپ درخواست اور سی وی کی فوٹو کاپیاں

اپنے پاس محفوظ رکھ لیں۔ عین ممکن ہے کہ انٹرویو کے وقت وہ ساری تفصیل جو آپ نے دی ہو، آپ کے ذہن میں نہ ہو، ایسی صورت میں آپ کا میاب انٹرویو ممکن نہیں ہو سکے گا۔

تمہیدی خط

سی وی کے ساتھ تمہیدی خط Covering Letter کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تمہیدی خط آپ کو متعارف کراتا ہے جب اخبار میں ملازمت کی جوئی جگہ نظر آتی ہے تو آپ اسی خط کی مدد سے اپنے آپ کو مطلوبہ پوزیشن کا اہل بتاتے ہیں۔ تمہیدی خط ایک طرح سے آپ کی تعلیمی لیاقت اور تجربہ کا خلاصہ ہوتا ہے۔ ایک اچھا تمہیدی خط آپ کے تیس کمپنی میں ایک طلب اور دلچسپی پیدا کر سکتا ہے۔ نتیجتاً وہ آپ کی وی سی کو پڑھنے پر مجبور ہو سکتے ہیں۔

☆ اختصار سے کام لیجیے۔ مختصر تمہیدی خط دلچسپی کا سبب بن سکتا ہے۔ اس میں آپ کا تجربہ اور تعلیمی لیاقت دو تین جملوں میں ہونی چاہیے تاکہ دلچسپی برقرار رہے اور مکمل سی وی پرھی جاسکے۔

☆ تمہیدی خط کسی اشہار کے بعد لکھا جاتا ہے۔ لہذا صحیح تاریخ، اشہار نمبر اور اخبار کا نام ضرور لکھئے۔

☆ سی وی کی طرح تمہیدی خط کی Quality پر دھیان دیجیے۔ خط اچھا اور جاذب نظر ہو اس بات پر ضرور دھیان رہے کہ کہیں کوئی لفظی یا قواعد کی غلطی تو نہیں ہے۔

☆ اگر خط کا مخاطب کوئی مخصوص آدمی ہے تو اس کے نام کے نیچے پر خصوصی دھیان ضروری ہے۔ ہمیشہ اعلیٰ قسم کے خطاب کا استعمال کریں۔

آپ اپنی مارکیٹنگ کر رہے ہیں، کمپنی کی ضرورت سے زیادہ آپ کو ملازمت کی ضرورت ہے۔ لہذا ہمیشہ نرم رویہ اپنائیے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ بے جا عاجزی سے کام لیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ باعزت اور باوقار انداز میں خود کو پیش کریں۔

☆☆☆

انٹرویو — کامیابی آپ پر منحصر ہے

انٹرویو دور جدید کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے۔ ہر سطح کا فرد اپنے عرصہ حیات میں کسی نہ کسی انٹرویو سے ضرور گزرتا ہے۔ انٹرویو خیالات کے جاننے اور سمجھنے کا ذریعہ بھی ہے۔ علمی و نظری استفادہ کا طریقہ بھی ہے اور ذاتی خوبیوں اور صلاحیتوں کی جانچ بھی ہے۔ فی الحال یہاں جو انٹرویوز رینج ہے، اس کا تعلق تیسری قسم سے ہے۔ یعنی خوبیوں اور صلاحیتوں کی جانچ کے لیے انٹرویو۔ یہ انٹرویو عام طور پر کسی ملازمت پر تقرر کے لیے امیدواروں سے لیا جاتا ہے اور اس میں کامیابی ہی پراچھی ملازمت کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

ایک نوجوان کے کیریئر میں انٹرویو کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ انٹرویو میں اچھی پرفارمنس روشن کیریئر کے دروازے کھولتی ہے۔ اور خراب پرفارمنس تمام خوبیوں کے باوجود اور اچھے تعلیمی بیگ گراؤنڈ کے باوجود راستے مسدود کر دیتی ہے۔

انٹرویو کیا ہے؟

انٹرویو درحقیقت جانچ کا ایک طریقہ ہے۔ اس کے ذریعہ یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ امیدوار متعلقہ جاب کے لیے کتنا مفید ہے؟ آج کل انٹرویو لینا ایک فن بن چکا ہے۔ اس کے باقاعدہ مرتب اصول و قواعد ہیں۔ ماہرین اپنی فنی مہارت کا استعمال کرتے ہوئے طے شدہ معیارات پر امیدوار کی جانچ کرتے ہیں۔

عام طور پر انٹرویو میں درج ذیل امور کی جانچ کرتے ہیں:

(۱) **جسمانی صلاحیت:** Physique صحت، قوت، قوت برداشت، توانائی

وغیرہ کی جانچ کی جاتی ہے۔ بعض ملازمتوں کے لیے قد، وزن، سماعت، نظر، آواز وغیرہ کی بھی جانچ ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آیا آپ جسمانی طور پر متعلقہ کام کے لائق ہیں یا نہیں؟

(۲) **تعلیمی قابلیت:** آپ کی ڈگریاں، پرفارمنس، گریڈز اور تجربہ کی جانچ ہوتی ہے۔

(۳) **عام ذہانت:** دیکھا جاتا ہے کہ آپ کتنے ذہین ہیں؟

(۴) **لیاقت:** آپ کی میکائیکل، فنی، تصوراتی قسم کی لیاقتوں کی جانچ ہوتی ہے۔

(۵) **دلچسپیاں:** آپ کی دیگر دلچسپیوں سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آپ متعلقہ جاب کے لیے کتنے مفید ہیں؟

(۶) **مزاج:** آپ کے مزاج کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ سست مستعد، خوش مزاج یا خشک

مزاج، حاوی یا مغلوب۔ یہ سب خصوصیات جانچی جاتی ہے۔

(۷) **حالات:** آپ کی فیملی کے حالات اور آپ کے مخصوص احوال جو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ان سب امور کی جانچ کے لیے امیدوار کو بلایا جاتا ہے۔ ماہرین اس کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں۔ داخل ہونے سے نکلنے تک اس کی حرکات و سکنات اور چہرہ کے نقوش کا گہرائی سے فنی جائزہ لیتے ہیں۔ پھر ایسے سوالات ایک خاص ترتیب کے ساتھ اس کے سامنے رکھتے ہیں کہ ان کے جوابات سے امیدوار کی ان ساتوں امور پر جانچ ان کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ امیدوار کے اجنبی کے بعد اس کی حرکات و سکنات اور باڈی لینگویج اور اس کے جوابات کی روشنی میں نیز اس کے بایوڈاٹا اور منسلک دستاویزات کی روشنی میں ان ساتوں امور سے متعلق اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاتی ہے۔

انٹرویو کے لیے جانے سے پہلے

انٹرویو کے لیے جانے سے پہلے انٹرویو کی اچھی تیاری کر لیجیے۔

- (۱) جس جا ب کے لیے آپ نے درخواست دی ہے اس کا اچھی طرح مطالعہ کر لیجیے۔ کمپنی کا اشتہار گراہمی کے ساتھ پڑھ لیجیے۔ کمپنی کے بارے میں معلومات حاصل کر لیجیے۔ اس کے ملازمین سے ملاقات کر لیجیے۔ متعلقہ جا ب سے متعلق معلومات جس ذریعہ سے بھی ممکن ہوں، حاصل کر لیجیے۔
- (۲) جا ب سے متعلق تکنیکی یا فنی معلومات کا اعادہ کر لیجیے۔ اگر آپ نے ہائی اسکول کے ٹیچر کے لیے درخواست دے رکھی ہے تو ہائی اسکول کے متعلقہ نصاب کا اعادہ کیجیے۔ اگر بالگرس سے متعلق جا ب کے لیے نیکانیکل انجینئر کے طور پر درخواست دی ہے تو میکانیکل انجینئر کے دیگر مضامین کے ساتھ خصوصی طور پر اور زیادہ توجہ و اہتمام کے ساتھ بالکرز کا مطالعہ اور اعادہ ضرور کر لیجیے۔
- (۳) مذکورہ امور سے متعلق سوالات کا اندازہ قائم کیجیے۔ اور ان سوالات کے جوابات کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیجیے۔ بلکہ جوابات سوچ کر رکھ لیجیے۔ آپ کی مدد کے لیے سوالات کی ایک فرضی فہرست اس مضمون کے ساتھ دی جا رہی ہے۔
- (۴) اس سے قبل اس کمپنی میں انٹرویو دینے والوں سے گفتگو کیجیے۔ ان کے تجربات سے استفادہ کیجیے۔
- (۵) کمپنی کے طریقہ تقرر کی اچھی طرح معلومات حاصل کر لیجیے۔ کچھ باتیں تو ظاہر کی جاتی ہیں وہ بھی آپ پر اچھی طرح واضح ہونی چاہیے۔ اور کچھ باتیں ظاہر نہیں کی جاتیں لیکن کمپنی کی اپنی کسوٹی Crietion میں شامل ہوتی ہیں۔ ان کی معلومات کا حصول بھی ضروری ہے۔
- (۶) اپنے کسی دوست کی مدد سے انٹرویو کی مشق کیجیے۔ اپنے جوابات ٹیپ کر لیجیے۔ ٹیپ کو بار بار سننے اور اپنی کمزوریوں کو نوٹ کیجیے۔

حلیہ

- اپنے حلیہ کو پرکشش لیکن باوقار بنائیے۔
- (۱) آپ کے کپڑے صاف ستھرے، باوقار اور مہذب ہونے چاہئیں۔ ہلکے اور باوقار رنگ کے کپڑے پہنئے۔ زیادہ گہرے رنگ کے، بھڑکدار اور پریٹڈ کپڑوں سے گریز کیجیے۔
- (۲) کپڑوں کی فننگ وغیرہ پر توجہ دیجیے۔ اچھی طرح استری کر لیجیے۔
- (۳) چپل مت پہنیے۔ جوتے پہنیے۔ جوتوں کو اچھی طرح پالش کر لیجیے۔
- (۴) غسل کیجیے۔ ناخنوں پر توجہ دیجیے۔ داڑھی اور مونچھ پر توجہ دیجیے۔ ان کو مناسب انداز سے سیٹ کر لیجیے۔
- (۵) بال توجہ اور اہتمام کے ساتھ جمائیے۔ مناسب Deodorants کا استعمال کیجیے۔
- (۶) پرفیوم کا استعمال کرنا ہو تو ہلکے Light پرفیوم استعمال کیجیے۔ خوشبو آپ کی اپنی چیز ہے۔ کتنی ہی اچھی خوشبو کیوں نہ ہو اسے دوسروں تک مت جانے دیجیے۔

انٹرویوروم میں

- (۱) انٹرویوروم میں بہت صبر و سکون کے ساتھ اور اعتماد کے ساتھ داخل ہوئیے۔ یاد رکھیے! انٹرویو لینے والے آپ کے داخلہ کے محض تین چار منٹ میں آپ کے متعلق رائے قائم کر لیتے ہیں۔ اس وقفہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔
- (۲) انٹرویوروم میں داخل ہونی سیدھے لمبی سانس لیجیے۔ خاموش اور فطری انداز میں داخل ہوئیے۔
- (۳) مصافحہ کے لیے اپنی طرف سہا تھ نہ بڑھائیے۔ اگر وہ خود ہاتھ بڑھاتے ہیں تو وقار کے ساتھ مصافحہ کیجیے۔ ہاتھ (دوران مصافحہ) اچھی طرح پکڑیے۔ لیکن دبائیے نہیں۔

(۴) دوران مصافحہ نظریں نیچی مت رکھیے۔ ہلکے تبسم کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

(۵) زیادہ دیر تک ہاتھ پکڑے مت رہیے۔

(۶) اجازت لے کر وقار کے ساتھ بیٹ جائیں۔ اپنا بیگ نہ ٹیبل پر رکھیے نہ گود میں بلکہ کرسی کے بازو پر رکھ دیجیے۔ ہاتھ ٹیبل پر مت رکھیے۔ ہاتھوں کی صحیح اور نارمل پوزیشن پہلے تاثر کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

(۷) کچھ دیر اطمینان سے بیٹھ کر کشیدگی ختم کیجیے Relaxation۔ کچھ دیر روم کا جائزہ لیجیے۔ بار بار انٹرویو لینے والے سے آنکھوں کا تعلق Eye Contact بنائے رکھیے۔

(۸) انٹرویو سے قبل غیر رسمی سوالات (سفر وغیرہ سے متعلق یا موسم سے متعلق) کے تفصیلی جواب مت دیجیے۔

(۹) آواز پہلے دھیمی رکھیے۔ پھر فطری انداز اختیار کیجیے۔ آواز میں مناسب اتار چڑھاؤ ضرور اختیار کیجیے۔

(۱۰) سوال سننے کے بعد کچھ دیر توقف کیجیے۔ سوچ کر اطمینان سے جواب دیجیے۔ اس سے آپ کا وقار بھی بڑھے گا اور جواب زیادہ درست ہوگا۔

(۱۱) آواز کو پست رکھیے۔ آپ کے مخاطب بہ آسانی سن سکیں اتنی آواز کافی ہے۔

(۱۲) انٹرویو لینے والے کی توجہ اپنی جانب بنائے رکھیے۔ اگر توجہ بنتی ہوئی محسوس کریں تو تھوڑی سی آواز بلند یا ایک ماہر اندہ وقفہ Pause لے لیجیے۔

(۱۳) بحث قطعاً مت کیجیے۔ نہ آپ جیت سکیں گے اور نہ ہی آپ کو جیتنا ہے۔ اپنی بات دلائل کے ساتھ ضرور بیان کیجیے اور آسانی سے Surrender بھی مت ہوئیے۔ لیکن الجھیے نہیں۔

(۱۴) اشتعال میں نہ آئیے۔ اللہ کی پناہ چاہیے۔ اگر غصہ آئے تو تعوذ پڑھ لیجیے۔

(۱۵) جوابات ٹھہر ٹھہر کر دیجیے۔ دلائل سے اپنی بات سمجھائیے۔

انٹرویو کے دوران

- (۱) اچھے سامع Good Listener بنیے۔ اطمینان سے پورا سوال یا انٹرویو لینے والے کی گفتگو سنیے۔ لفظ لفظ پر دھیان دیجیے۔ اس کی بات کو اچھی طرح سمجھیے۔ انٹرویو لینے والے کو بات کرنے کا موقع دیجیے۔
- (۲) اگر کوئی بات یا سوال کا کوئی حصہ سمجھ میں نہ آئے تو بے تکلف پوچھیے۔
- (۳) اپنی جا ب کے سلسلے میں مثبت اور پر جوش بنیے۔ جا ب کے بارے میں جب بھی کچھ کہیے جوش اور امنگ کے ساتھ کہیے۔
- (۴) ہلکی نظرافت کا مظاہرہ کیجیے۔ لیکن باوقار نظرافت، بھونڈے مذاق اور لطیفوں سے گریز کیجیے۔ ظاہر کیجیے کہ آپ پستے ضرور ہیں لیکن بہت زیادہ نہیں۔
- (۵) اپنی بات مختصر رکھیے۔ زیادہ تفصیل میں نہ جائیے۔ مختصر الفاظ کے ساتھ بیان کیجیے۔ لیکن ضروری معلومات اور دلائل ضرور بیان کیجیے۔ اشاروں اور کنایوں سے پرہیز کیجیے۔
- (۶) اپنی کمزوریوں کے بارے میں خود سے کچھ مت کہیے۔ پوچھنے پر ضرور گفتگو کیجیے۔
- (۷) اپنے بیک گراؤنڈ کے بارے میں احساس کمتری کا اظہار مت ہونے دیجیے۔ اپنے حالات کو اعتماد کے ساتھ بیان کیجیے۔
- (۸) اگر آپ پہلے سے ملازم ہیں تو موجودہ کمپنی پر زیادہ تنقید مت کیجیے۔ مثبت بنیے۔ اسی میں آپ کی کامیابی ہے۔
- (۹) سیاست یا مذہب کے بارے میں اظہار خیال مت کیجیے۔ اسی طرح ایسے کسی بھی موضوع کو زیر بحث نہ لائیے جو مختلف فیہ ہو سکتا ہے۔ اگر سوال پوچھا جائے تو معروضی طور سے حقائق بیان کر دینے پر اکتفا کیجیے۔ اپنے موقف کا راست اظہار مت کیجیے تاکہ بحث کے غیر ضروری دروازے نہ کھل جائیں۔

- (۱۰) تنخواہ کے بارے میں پہلے ہی مرحلے میں راست نہ پوچھ ڈالیے۔ آخر میں ثانوی طور پر اس طرح پوچھیے گویا اس کی اہمیت کم ہے۔
- (۱۱) جھوٹ قطعاً نہ بولیں۔ ضرورت محسوس ہو تو زیادہ سے زیادہ آپ کسی بات کا جواب ٹال سکتے ہیں لیکن غلط بیانی کسی حال میں مت کیجیے۔ یاد رکھیے جھوٹا کبھی سرفراز نہیں ہوتا۔

سوالات

تعلیمی لیاقت

- (۱) آپ کی اہم تعلیمی Achievement کیا ہیں؟
- (۲) آپ کے اسکول میں بہترین مضامین کیا تھے؟
- (۳) ان مضامین کی کون سی کتابیں آپ نے پڑھی ہیں؟
- (۴) آپ کے سیمینار کا موضوع، مقالہ کا موضوع؟
- (۵) آپ کی سرگرمیاں دوران تعلیم؟

عزائم

- (۱) آئندہ پانچ سالوں میں آپ کیا بننا چاہتے ہیں؟ کیسے؟
- (۲) اگر آپ کو ایک بڑی رقم دی جائے تو آپ کیا کریں گے؟
- (۳) آپ کے نزدیک پیسہ زیادہ اہم ہے یا اختیار؟
- (۴) آپ کس قسم کے لوگوں میں رہنا پسند کرتے ہیں؟
- (۵) کیا آپ اس کمپنی کے چیئرمین کا نام جانتے ہیں؟

کام کا انداز:

- (۱) آپ کے ساتھی طلبہ کے ساتھ تعلقات کیسے تھے؟

(۲) کیا آپ اکیلے کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں؟ یا ٹیم کے ساتھ؟

دلچسپیاں:

(۱) آپ کون سے اخبار پڑھتے ہیں؟ کیوں؟

(۲) کون سے ٹیلی ویژن پروگرام دیکھتے ہیں؟

(۳) آپ کی دیگر دلچسپیاں وغیرہ؟

شخصیت:

(۱) آپ کی خوبیاں؟ خامیاں؟

(۲) آپ اپنے بارے میں کچھ کہیے؟

(۳) آپ کے دوست آپ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

ایک ناکام امیدوار کی تصویر

انٹرویو سے پہلے:

اشتہار سے لاعلم، کمپنی سے لاعلم، چیئرمین کون؟ معلوم نہیں پیداوار؟ معلوم نہیں۔
پروڈکشن یونٹ کہاں؟ معلوم نہیں۔ Competitors کون؟ معلوم نہیں۔ مضمون کی تیاری؟ نہیں۔

انٹرویو کو جاتے ہوئے:

کل سے پہنچے ہوئے کپڑے، گہرے رنگ کا شرٹ (پرنٹیڈ) پیرل، جینز، سینڈل پہنے ہوئے، دور تک خوشبو بکھیرنے والا پرفیوم لگائے، خوشبودار پاؤڈر لگائے، بڑے چمڑے کے بیگ میں سرٹیفکیٹ رکھے ہوئے۔

انٹرویو روم کے باہر:

گپ شپ کرتے ہوئے، بہت بلند آواز میں بات، اس سے زیادہ بلند آواز میں

قہقہے۔

انٹرویو روم میں داخل ہوتے ہوئے:

زور سے دروازہ بند، لمبے لمبے ڈگ بھر کر سیدھا ٹیبل کے سامنے، ضرورت سے زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ، کرسی زور سے اپنی جانب کھینچ کر (جس سے کہ آواز پیدا ہو جائے) دھم سے اسپر براجمان، چڑھ کا بیگ ٹیبل پر رکھ کر، کہنیاں ٹیبل پر ٹکا کر، انٹرویو لینے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، بیٹھے بیٹھے ایک ٹانگ زور زور سے ہلاتے ہوئے۔

یا

نہایت آہنگ کے ساتھ دروازہ کھول، پیچھے پلٹ کر حد درجہ تیز قدموں سے ٹیبل کے سامنے حاضر، سر جھکا کر بیٹھنے کے حکم کا انتظار، آہستہ سے کرسی پر بیٹھ کر بیگ گود میں رکھ، سر جھکا کے سوال کا انتظار۔

مصافحہ:

اپنی طرف سے پیشکش کر کے نہایت زور دار مصافحہ، ہاتھ پر سخت دباؤ، ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دینے کی کوشش، دوسری جانب سے پیشکش ڈرتے ڈرتے آہستہ آہستہ ہاتھ بڑھا کر، انتہائی ڈھیلے انداز میں مصافحہ، مصافحہ ختم ہوتے ہی دونوں ہاتھ ملنا۔

دوران انٹرویو:

بے تکلف بننے کی کوشش، بات بات پر قہقہے، بلند آواز میں جواب، لمبے لمبے جواب، سوال ختم ہونی سے پہلے جواب شروع، جوابات نہایت بودے اور ٹھوس معلومات سے عاری لیکن آواز بلند اور لہجہ پر زور، غیر متعلق جوابات، سوال سمجھے بغیر جوابات، غیر ضروری طوالت، مخاطب کی بات کاٹنے کی کوشش۔

یا

سر جھکائے نہایت مختصر جواب، چہرہ پر ہوائیاں، ہر سوال کا جواب صرف ہاں یا نہیں
میں۔ سوال سنتے ہی پسینہ کی دھار، جواب دیتے ہوئے کپکپاہٹ، حد سے زیادہ دھیمی آواز،
ظرافت کا کوئی جواب تبسم سے بالکل عاری چہرہ۔

☆☆☆

زاد و راحلہ

تلاوت قرآن

روزانہ تلاوت کے لیے قرآن کریم کا کچھ حصہ متعین کر لو جو کم از کم ایک جزو ہو اور کوشش کرو کہ ختم قرآن کی مدت نہ ایک ماہ سے زائد ہو تین دن سے کم۔

فکر صحت

جس قدر جلد ممکن ہو، اپنا طبی معائنہ کراؤ، اگر تمہارے اندر کوئی مرض ہو تو اس کے علاج کی فکر کرو، جسمانی قوت میں اضافہ کی جو شکلیں بھی ممکن ہوں ان کی طرف سے غافل نہ رہو، ضعف و ناتوانی کو جلد سے جلد رخصت کرو، کہ ان کی زیادہ دلجوئی اچھی نہیں۔

نشہ آور اشیاء سے اجتناب

چائے، تہوہ، نیز دوسرے تیز قسم کے مشروبات کا استعمال نہ کرو، کبھی ضرورت پڑ جائے تو اور بات ہے۔ بیڑی، سگریٹ اور تمباکو نوشی سے تو بالکل ہی اجتناب کرو۔

نظافت

صفائی اور نظافت کا ہمیشہ خیال رکھو، گھر ہو، کارخانہ ہو، کھانے پینے کی چیزیں ہوں یا تمہارا اپنا جسم ہو، کسی بھی موقع پر یا کسی بھی معاملے میں تم نظافت کی طرف سے بے پرواہ نہ رہو کہ نظافت تو دین کی بنیاد ہے۔

سچ بات

تمہاری زبان سے ہمیشہ سچ بات نکلے، کبھی بھول کر بھی جھوٹ نہ بولو۔

ایفائے عہد

عہد کے پابند اور وعدے کے پکے بنو، حالات خواہ کیسے ہی ہوں، عہد شکنی یا وعدہ خلافی نہ کرو۔

حق گوئی

بہادر اور متحمل مزاج بنو، مگر سب سے بڑی بہادری اور تحمل یہ ہے کہ آدمی صاف گو اور حق پسند ہو۔ بھیدوں کا امین اور رازوں کا محافظ ہو، غلطی ہو تو اس کا اعتراف کر سکتا ہو، غصہ آئے تو اپنے اوپر قابو رکھ سکتا ہو اور موقع آئے تو عدل و انصاف کی تلوار سے کود اپنی ذات کو گھائل کر سکتا ہو۔

وقار و متانت

باوقار بنو، متانت کا رشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑو، البتہ یہ ذہن میں رہے کہ دلاؤ پر تبسم اور سنجیدہ تفریح و وقار و متانت کے منافی نہیں۔

منکسر المزاجی

غایت درجہ باغیرت، بیدار مغز اور حساس بنو، خوب و ناخوب سے شدت کی ساتھ اثر لو، پہلے سے تمہیں خوشی اور دوسرے سے رنج ہو۔ ساتھ ہی متواضع اور منکسر مزاج بنو، البتہ تواضع اور منکسر مزاجی کا مطلب پستی، بے غیرتی اور چالپوسی نہیں، نیز تم اپنے رتبے سے کم کی ہی خواہش کرو تا کہ اس تک پہنچنا تمہارے لیے آسان ہو۔

خدمتِ خلق

ہمیشہ چاق و چوبند اور مستعد رہو، عام انسانی کد مات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ اگر کسی دوسرے کی خدمت کا موقع مل جائے تو غنیمت جانو، اسے اپنی نیک بختی اور فیروز مندی پر محمول کرو، جب تمہیں موقع ملے مریض کی عیادت کرو، محتاج کی دستگیری کرو، کمزوروں کو سہارا دو، پریشان حال کے ساتھ ہمدردی کرو۔ اگر کچھ نہ ہو سکے تو پیار و الفت کی باتیں ہی کر لو، غرض ہمیشہ نیکیوں میں آگے رہنے کی کوشش کرو۔

نرم خوئی

تمہارے اندر نرم خوئی، کریم النفسی اور فراخ دلی ہو، ہمیشہ عفو درگزر سے کام لو، نرم دلی اور حلم و بردباری کا مظاہرہ کرو۔ انسان اور حیوان سب کے ساتھ شفقت کرو۔ تمام ہی لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ انتہائی خوش کن اور دلنواز ہو، اسلام کے اجتماعی آداب کا ہمیشہ خیال رکھو، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام کرو، مجلس میں کشادگی پیدا کرو۔ کسی کی ٹوہ میں نہ لگو اور نہ کسی کی غیبت کرو، غرض اس قسم کی جتنی باتیں بھی ہو سکتی ہیں ان سب کا خیال رکھو۔

تخصص و مہارت

بہتر لکھنے اور عمدہ پڑھنے کی کوشش کرو، تحریکی اخبارات اور کتب و رسائل کا کثرت سے مطالعہ کرو، تمہاری خود اپنی ایک لائبریری ہو خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو اور اگر کسی خاص علم و فن کا تم نے انتخاب کیا ہے تو اس میں تبحر پیدا کرو۔ اس کے علاوہ اسلامی امور سے بھی اس حد تک آگاہ رہو کہ ان میں غور و فکر کے بعد ایک ٹھوس اور سنجیدہ رائے قائم کر سکو۔

معاشی جدوجہد

مستقل طور پر کوئی معاشی جدوجہد جاری رکھو۔ اگر تم غنی اور بے احتیاج ہو تب بھی اس معاملہ میں کوتاہی نہ کرو اور حتی المقدور آزاد پیشہ اختیار کرو، چاہے وہ کتنا ہی حقیر و بے وقعت ہو، اس میں ذرا بھی ننگ و عار کی بات نہیں، خواہ علمی حیثیت سے تمہارا پاپا یہ کتنا ہی بلند ہو۔

فرض کی ادائیگی

تمہارے اندر اس بات کی امنگ ہو کہ اپنی ڈیوٹی نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے سکو، اس میں کسی قسم کی کوتاہی ہو اور نہ وقت کی خلاف ورزی۔

سود سے اجتناب

اپنے سارے معاملات میں سود سے پرہیز کرو، اس کے ادنیٰ شائبہ سے بھی تمہارا دامن پاک ہو۔

ادائیگی زکوٰۃ کی فکر

اپنے مال کا کچھ حصہ دعوتِ اسلامی کے لیے بھی خاص کرو، اس کی زکوٰۃ بھی پابندی سے ادا کرو، اس میں سے ایک مناسب مقدار غریبوں اور بے کسوں کے لیے بھی الگ کرو، ایسا ضرور کرو، خواہ تمہاری آمدنی کتنی ہی تھوڑی ہو۔

فکر آخرت

اللہ تبارک و تعالیٰ کا تصور ہمیشہ ذہن میں حاضر رکھو، آخرت کو یاد کرو اور اس کے لیے تیاری کرو، پورے عزم و ہمت اور حوصلہ کے ساتھ طلبِ رضائے الہی کی منزلیں طے کرو اور نفلِ عبادت کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کی فکر کرو، راتوں کو قیام کرو، ہر ماہ کم از کم تین روزے رکھو، ذکر قلبی اور ذک لسانی دونوں ہی پر زیادہ سے زیادہ توجہ دو اور مختلف اوقات کی جو دعائیں ہیں ان کا بھی خیال رکھو۔

طہارت

طہارت کا پورا اہتمام کرو اور زیادہ تر با وضو رہنے کی کوشش کرو۔

عبادت

نماز پورے سکون و اطمینان اور نہایت ذوق و شوق کے ساتھ پڑھو، ان کی ادائیگی میں وقت کا پورا لحاظ رکھو، قدرتِ ہوت و خانہ کعبہ کا حج بھی کرو اور اگر فی الحال اس کا امکان نہ ہو تو آئندہ کے لیے حالات سازگار بنانے کی کوشش کرو۔

شوق شہادت

دل میں ہمیشہ جہاد کی نیت اور شہادت کی تمنا رکھو۔ اس کے لیے جتنی ہو سکے تیاری بھی کرتے رہو۔

توبہ و استغفار

بہ کثرت توبہ و استغفار کا اہتمام کرو، کبائر تو الگ رہے، صغائر سے بھی اجتناب کرو،

رات کے کچھ لمحات متعین کر لو اور سونے سے پہلے بلا ناغہ اپنے نفس کا احتساب کرو، دیکھو کہ تم نے دن بھر نیکیاں کتنی کی ہیں اور کتنی بار نفس کے دام فریب میں جا پڑے ہو، وقت کی قدر کرو، کہ وقت ہی کا نام زندگی ہے۔ تمہاری زندگی کے چند لمحات بھی ریگیاں نہ جائیں اور شہات سے پرہیز کرو تاکہ حرام کے حدود میں نہ جاسکو۔

جہاد بالنفس

نفس سے زبردست جہاد کرو، یہاں تک کہ وہ اپنی نکیل تمہارے ہاتھ میں دے دے۔۔ نگاہیں نیچی رکھو، جذبات کو بے لگام نہ چھوڑو، نفسانی خواہشات کا برابر مقابلہ کرو، انہیں حرام کی پرخطر وادیوں میں بھٹکنے کا موقع دیے بغیر حلال و طیب کی رفعتوں میں لے جا کر چھوڑ دو۔

بری صحبت سے اجتناب

برے دوستوں سے اور غلط ساتھیوں کے سائے سے دور بھاگو اور گناہ و معصیت کی جگہوں کے قریب نہ بھٹکو۔

لہو و لعب سے پرہیز

لہو و لعب کی جگہوں سے قریب ہونا تو درکنار، تم ان کے لیے ایک مستقل خطرہ بن جاؤ اور دولت و عشرت کے تمام ہی مظاہر سے ہمیشہ دور رہو۔

اطاعت امر

زمین کے ایک ایک گوشہ میں اپنی دعوت عام کرنے کی جدوجہد کرو اور قیادت کو اپنے جملہ حالات کی اطلاع دیتے رہو۔ نیز اس سے اجازت لیے بغیر کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤ، جو بنیادی حیثیت سے تمہارے حالات پر اثر انداز ہو۔ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ قیادت سے تمہارا رشتہ انتہائی استوار ہو۔ اس سے تمہیں عملی تعلق ہو اور جذباتی لگاؤ بھی۔ تمہاری حیثیت گویا ایک ایسے فوجی کی سی ہو جو میدان میں کھڑا ہمتن گوش ہو اور پوری بیتابی سے کسی حکم کا انتظار کر رہا ہو۔

